الاسلام والنصرانیہ

یعنی

مصر کے مفتی اعظم شیخ محمد عبدہ کی مشہور تصنیف کا اردو ترجمہ

جس میں

اسلام اور عیسائیت کا موازنہ کیا گیا ہے۔ اور تاریخی
واقعات سے ثابت کیا ہے کہ علم و سائنس اور تمدن و
تہذیب سے اسلام کس قدر دوش بدوش ہے
اور عیسائیت نے اسکی کس قدر مخالفت کی

مطبع [illegible]

[illegible]

فہرست مضامین الاسلام و النصرانیہ

خلاصہ مضمون	صفحہ
	״

نادر و نایاب کتب موجودہ دفتر [illegible]

فتح اندلس :- ایک دلچسپ تاریخی ناول جس میں اسلامی فتوحات اسپین کے منظر۔ مجاہدین کی پرہیزگاری۔ سپہ سالاران اسلام کے زرین کارنامے مسلمان حاکموں کی عدالت گستری۔ عیسائی فرمانرواؤں کی بداخلاقی۔ یہودیوں کی مظلومی اور انتقام کشی کے ہو بہو نقشے کھینچے گئے ہیں قیمت [illegible]

تمدن اسلام حصہ اول و حصہ دوم :- اسلامی سلطنت کی یوماً فیوماً ترقی کے ساتھ اسکے انتظام ملکی و مالی اور فوجی کی تاریخ۔ اور مسلمانوں اور اسلامی حکومت کے تمول اور شان و شوکت کے تفصیلی حالات جو صدہا تاریخی کتابوں میں بکھرے پڑے تھے۔ بڑی خوبی کے ساتھ یکجا جمع کر دیئے ہیں مناسب موقع تصویریں بھی دی گئی ہیں قیمت حصہ [illegible] ۔ ہر دو [illegible]

بشارۃ فاطمہ ایک عدیم النظیر دلچسپ مذہبی ناول ہے جس میں ایک عیسائی لیڈی کے مشرف باسلام ہونے کی تفصیلی کیفیت اس انداز سے بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ شروع کر دیجئے پھر ختم کئے بدون کتاب ہاتھ سے چھوڑنے کو ہرگز جی نہ چاہے گا۔ مصنف نے واقعی کمال کیا ہے کہ مذہبی مناظرہ کو جو ہر ایک خشک مضمون تھا نہایت دلچسپ ناول بنا دیا ہے قصہ اول سے آخر تک سارا واقعات پر مبنی ہے۔ اور چونکہ قابل مصنف نے اس میں اسلام کی صداقت کے بڑے بڑے زبردست اور لاجواب کر دینے والے ثبوت عقلی دلایل سے اور خود عیسائیوں کی مقدس کتابوں سے دیئے ہیں۔ لہذا یہ کہنا ذرا مبالغہ نہیں کہ بشارۃ فاطمہ کی تصنیف اسلام کی ایک قابل قدر خدمت ہے جسکی محبان اسلام کو خاص قدر کرنی چاہیئے قیمت ۱۲

المراۃ المسلمہ :- مصر کے مشہور مصنف علامہ فرید وجدی کی تازہ تصنیف کا اردو ترجمہ جو آنحضرت کے پردہ کی تائید۔ آزادی نسواں کی مخالفت اور رسالہ تحریر المرأۃ اور مرآۃ الجدیدہ کی تردید میں لکھی ہے۔ قابل دید ہے فی جلد ۸

ارمانوسہ :- ایک نہایت دلچسپ درد انگیز اور حیرتناک تاریخی عربی ناول کا ترجمہ جس میں حسن و عشق کے فرضی فسانے نہیں بلکہ سچے واقعات اور اسلامی عظمت و حیرت کے عدیم المثال کارنامے اس خوبی سے بیان کئے گئے ہیں جن کا اندازہ بغیر پڑھے یقیناً غیر ممکن ہے۔ قیمت [illegible]

فلاح دارین امام المحدثین علامہ راغب کی کتاب تفصیل النشاتین فی تحصیل السعادتین کا سلیس اردو ترجمہ۔ کتاب کا موضوع تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس ہے۔ فاضل مصنف نے ہر بات کی دلیل قرآن کریم کی آیتوں سے دی ہے۔ اور نہایت مدلل پیرایہ سے ثابت کر دیا ہے کہ انسان کی خلقت کا ماحصل یہ ہے کہ وہ انسان کامل بنے اور دنیا میں خدا کا خلیفہ کہلانے کا مستحق ہو۔ کتاب ہر لحاظ سے اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ اور ہر مسلمان پر اسکا مطالعہ واجب ہے
قیمت ۱۲ آنے

الایمان - اس کتاب میں نہایت فلسفیانہ طریق سے بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کا ایمان از روئے قرآن کریم کیا ہے - اس میں کیا کیا چیزیں داخل ہیں. کیا کیا خارج ہیں شمس العلمار مولوی شبلی نعمانی صاحب اس کتاب کی نسبت فرماتے ہیں. "میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ رسالہ الایمان غایت دقت نظر اور تحقیق کے ساتھ لکھا گیا ہے - نہایت معتدل طریقہ اختیار کیا گیا ہے - اور موجودہ زمانہ میں ہر حیثیت سے مفید اور سود مند ہے - اس رسالے نے اردو زبان میں ایک مفید اضافہ کیا ہے" قیمت ۶؍

الاسلام دین الفطرۃ :- آکسفورڈ یونیورسٹی واقع انگلستان کے عربی پروفیسر اور مصر کے نامور علامہ شیخ محمد عبدالعزیز شاویش کے اس مضمون کا ترجمہ جو انہوں نے دین اسلام کی حقانیت اور اسکے فطری مذہب ہونے کے ثبوت میں مقام الجزایر کی مشرقی علوم کی کانفرنس میں علمائے یورپ کے سامنے پڑھا تھا. اس میں عقلی دلیلوں اور اصول تمدن جدید کے لحاظ سے اسلام کے عقاید - توحید باری - نبوت کی غرض اور اسکا ثبوت اسلام کے اصول احکام کی عقلی خوبیاں اور دین اسلام کا تمام دنیا کے لیے مفید اور موید تمدن ہونا نہایت پر زور دلایل سے ثابت کیا ہے - اور ہر بات پر آیات قرآنی ہی سے استشہاد کیا ہے - قابل دید کتاب ہے. قیمت ۶؍

اسلام اور سوشیل رفارم :- مصر کے بہت بڑے مسلمان عالم اور اسلامی مورخ محمد رفیق بک اعظم زادہ کے رسالہ مطالب الحیواۃ الاجتماعیۃ والاسلام کا اردو ترجمہ جس میں مصنف ممدوح نے بہت خوبی کے ساتھ تمدن یوروپ اور تمدن اسلام کا مقابلہ کرکے اسلامی تمدن کی فضیلت ثابت کی ہے. اس رسالہ کی مصر عرب - شام اور ٹرکی میں دھوم مچ گئی ہے - مطبع نے بغرض فایدہ رسانی اہلیان وطن اسکا اردو میں ترجمہ تیار کرایا ہے - اگرچہ علمی مضامین ایک طرح پر خشک ہوا کرتے ہیں لیکن یہ رسالہ نہایت دلچسپ ہے قیمت ۸؍

فتاۃ غسان :- ایک زبردست حیرتناک اور نہایت دل آویز تاریخی ناول ہے جس میں اسلام کے حالات ابتدائے ظہور سے لے کر فتوح عراق اور شام تک بڑی خوش اسلوبی سے قصہ کے پیرایہ میں دکھلائے گئے ہیں قیمت ہر دو حصہ ۱۲؍

فیض عام ملقب شفاء الاسقام :- اس کتاب میں علامہ مصنف نے قوانین علاج امراض ایسے عجیب طرز سے لکھے ہیں کہ آج تک کسی نے نہیں لکھے. علاوہ اسکے اس کتاب میں یہ خوبی ہے کہ جو نسخے درج ہوئے ہیں سب مصنف کے اپنے تجربہ شدہ ہیں. کوئی نسخہ سنا سنایا نہیں لکھا اگر کوئی شاذ و نادر لکھا گیا ہے تو وہاں لکھدیا ہے کہ یہ نسخہ ہمنے خود نہیں آزمایا ہے - اور نسخے ایسے عجیب ہیں کہ جنکو طبیب لوگ قیمتی نوٹوں کی طرح اپنی لوہے کے صندوقوں میں مخفی رکھا کرتے تھے اور دوا کے اپنی اولاد کے کسی اور کو بتانا گوارا نہ کرتے تھے. حضرت مصنف نے طبی دنیا پر بڑا بھاری احسان کیا ہے کہ تمام اُن مخفی مجربات کو کھول کر میدان میں رکھدیا ہے - یہ کتاب پہلے فارسی میں

تھی مطبع نے بصرف زر کثیر اس کا ترجمہ سہل اردو میں کرایا ہے قیمت ۸؎ عہ

بینظیر عیبی حمایل شریف مترجم :- یہ حمایل نہایت ہی صحیح و خوشخط عمدہ کاغذ بتفتیش جس کی صحت آٹھ مولویوں ۔ حافظوں و قاریوں سے کرائی گئی ہے ۔ جن کی مواہیر حمایل کے آخیر ثبت ہیں یا منشی محمد عبد الغنی صاحب خلف الصدق منشی ممتاز علی صاحب مہاجر مکی مشہور خوشنویس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے ۔ ترجمہ مولوی شاہ عبد القادر صاحب دہلوی کا ہے ۔ متن کی عبارت بید خوشرنگ حنائی کی گئی ہے ۔ جلد نہایت عمدہ ۔ باوجود ان خوبیوں کے ہدیہ کچھ بھی نہیں ہے مجلد عہ ۔ غیر مجلد عہ ؛

حقیقت اسلام :- اس میں لائق مصنف نے نہایت خوبی اور متانت سے یہ امر ثابت کیا ہے کہ اسلام انسان کا فطرتی مذہب ہے ۔ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کے ماننے اور یقین کرنے کے واسطے نہ کسی معجزہ یا خرق عادت کی ضرورت ہے ۔ اور نہ اسکو واسطے فلسفہ اور ہندسہ کا جاننا لازمی ہے ۔ بلکہ اسکا ماننا انسانی فطرت میں ودیعت ہے محمد صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا عقلی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ مخالف مذہب والوں کو بھی سوائے تسلیم کے کوئی چارہ نہیں ہے ۔ قیمت ۳؎

مرآۃ الاسلام :- یعنے روزنامہ کیفیت بہار و خزان اسلام مولوی عبید اللّٰہ صاحب بسمل نے فارسی نظم میں ایسا لکھا ہے کہ حق کو قلم یہ رکھدیا ہے کا بیچا کمال کے ۔ مولانا حالی مدظلہ العالی نے مد و جزر اسلام ایک بے نظیر مسدس لکھا ہے مگر ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است ؛ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت مرآۃ الاسلام اسلام کے گذشتہ زمانہ کی روز افزوں ترقیوں کا آئینہ حیرت ہے اور موجودہ خزاں دیدہ بہار کا مرقع عبرت ۔ تاریخ کی تاریخ ہے اور اپنے حیرت تجسیم خیالات کا البم قیمت ۳؎ ؛

تنقیح حقوق نسواں :- بعض صاحبوں نے اپنے دینی احکام اور خوبیوں سے جو عورات کی حالت اور حقوق سے متعلق ہیں اپنی کم فہمی کے باعث اعراض کرکے اُن میں اُن باتوں کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا ہے جو ملک اور قوم کے موافق حال نہیں ۔ اور اُن سفید اور رحمۃ للعالمین قوانین میں رخنہ اندازی کا بیڑا اُٹھایا ہے ۔ اور مسلمانوں کی ستودہ حالت کی اصلاح کرنے کی فکر میں اُن خوبیوں کا قلع قمع کرنے پر کمر باندھی ہے جن سے انکار نہیں ہوسکتا ۔ مرد کا رتبہ کم کرکے عورت کو برابر کی حیثیت میں اسکا ہم پلہ بنانا چاہا ہے ۔ اور مرد کے اُن اختیارات کو سلب کرنے کی کوشش کی ہے جو رب جلیل نے اسکو محض بوجہ مرد ہونے کے عطا فرمائے ہیں ۔ تعدد ازدواج کو وحشیانہ رسم قرار دیا ہے اور عورتوں اور مردوں کے بلا تکلف خلا ملا کی بنیاد ڈالنی چاہی ہے ۔ اور اس ساری بحث کو مغربی روشنی کی کرنوں سے مجلا اور منور کیا ہے ۔ ان تمام اوہام باطلہ کی تردید و تکذیب اس کتاب میں معقولیت سے کی گئی ہے ۔ اور انگریزی منطق اور فلسفہ کی قلعی کھولی ہے اور شریعت اور احکام قرآنی کی صحیح تشریح سے بتایا ہے کہ ایسے لوگوں کے ذہن کی رسائی اُن خوبیوں تک نہیں ہوئی جن کو مد نظر رکھکر وہ احکام وضع کئے گئے ہیں ۔ مصنف نے عقلی و نقلی دونوں دلائل سے کتاب میں استدلال کیا ہے قیمت ۸؎ ؛

ازالۃ التکاویح فی تعداد التراویح :- علامہ مولف مرحوم نے اس خوبی کے ساتھ بیس رکعت تراویح کو ثابت کیا ہے کہ مخالفین کو بھی بغیر تسلیم کے چارہ نہیں۔ اس مسئلہ میں ایسی جامع کتاب قبل ازیں دیکھنے میں نہیں آئی۔ کسی عالم کی الماری اس سے خالی نہ رہنی چاہیئے۔ قلیل عرصہ میں ہی اسکا دو بارہ چھپنا اسکی خوبی کی کافی کفالت ہے قیمت صرف ۴؍

شہادت الفرقان علے جمع القرآن :- اس کتاب میں ایک تمہید اور تیرہ فصلیں ہیں جنکی اہمیت انکے عنوانوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ سب عنوان خالص قرآن مجید کی کتابت جمعیت ترتیب حفاظت۔ درستی اور تکمیل وغیرہ امور متعلقہ کی بحثیں ہیں۔ اور نبی اور رسول کے مفہوم کی بحث اور لفظ نزول کے مفہوم کی تحقیقات اور نزول کتاب کا مطلب زمان رسالت میں فن کتابت کی موجودگی اور فن کتابت کی فوائد۔ مذہبی مکالمات کی وقت قرآن مجید کا طرز استدلال اپنے مدعا کی اثبات کی ضرورت۔ اور فریق ثانی کے دعاوی اور ثبوت کی متعلق لوح محفوظ کی تحقیقات مسئلہ تعوذ بخشیے تعوذ قرأت قرآن مجید کے امین ہونا چاہیئے یا بالعد وغیرہ امورات عمدگی اور وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں۔ قیمت صرف ۸؍

مناقب عارفین - مقامات مولانا مرحوم علیہ الرحمۃ صاحب المعروف - یہ مناقب عارفین مصنفہ شمس الدین افلاکی کا حافظ احمد علی خان صاحب نے سلیس اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس میں مولانا مرحوم کے دادا بزرگوار سے لیکر مولانا صاحب کی اولاد تک کے حالات شرح و بسط کے ساتھ لکھے ہیں اور سلسلہ بیعت بھی بیان کردیا ہے قیمت علاوہ محصولڈاک ۱؍

فضائل النبی صلعم - یہ نادر و نایاب کتاب اپنے پاکیزہ مضمون کے لحاظ سے وسیلہ و ذخیرہ ہے جس میں سرور کائنات افضل عالم و عالمیان باعث ایجاد کون و مکان سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل بے انتہا درج ہیں۔ آنحضرت کی پیدایش نزول وحی معجزات معراج ہجرت۔ وفات کی حالات نہایت ہی تحقیق و تدقیق سے لکھے گئے ہیں نہایت عمدہ کتاب ہے۔ یہ ذریعہ بہادو بھی جان سے ارزاں ہے۔ ہر مسلمان کے گھر میں اسکا نسخہ ضرور رہنا چاہیئے قیمت فی جلد ۱۲؍ ؎

تربیت اولاد :- اس کتاب میں تربیت اولاد کے سبجیکٹ پر ہر پہلو سے حکیمانہ بحث کی گئی ہے اور بچوں کی جسمانی و اخلاقی اور روحانی غور و پرداخت کی عام فہم سہل اور کارآمد ترکیبیں بتائی گئی ہیں کہ غالباً اور کسی کتاب میں نہیں اور نہ ہوں گی۔ عبارت سلیس اور عام فہم تاکہ خاص و عام اچھی طرح سمجھیں۔ اور پورا فایدہ اٹھا سکیں قیمت ۴؍ ؎

لغات القرآن :- قرآن شریف کے جملہ الفاظ کی فہرست بترتیب حروف تہجی۔ ہر ایک لفظ کے اصل اور یا محاورہ معنی بڑی تحقیق و تدقیق سے درج کئے گئے ہیں۔ اپنی قسم کی پہلی تصنیف۔ جلد کپڑے کی سادہ نہایت خوش وضع پشتہ پر سنہری حروف میں نام کتاب کندہ ہے قیمت عہ؍

المشتہر مینیجر اخبار وکیل امرتسر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

پہلی قسم نصرانیت کے بیان میں

عیسائیت میں علم اور مدنیت کی مٹی خراب تھی

مصر کے مشہور رسالہ الجامعہ نے اپنی جلد سوم کے آٹھویں نمبر میں "ابن رشد" اندلسی کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ لوگوں کی اس بارہ میں مختلف رائیں ہیں کہ علم اور فلسفہ کو اپنے آس پاس اور زیر سایہ جگہ دینے میں آیا مذہب عیسوی نے زیادہ لطف و کرم اور شرح صدر سے کام لیا ہے یا اسکی نسبت مذہب اسلام نے اسرار کائنات پر نظر رکھنے والے حکماء کا زیادہ خلق و مروّت اور حلم و شفقت سے خیر مقدم کیا؟ اور اعلیٰ درجہ کی مہمان نوازی سے پیش آیا ہے؟۔ الجامعہ لکھتا ہے کہ "جو لوگ مذہب عیسوی کو علم اور اہل علم کے ساتھ بہتر سلوک کرنے والا کہتے ہوں وہ یہ دلیل پیش کرسکتے ہیں کہ۔ والٹر۔ ڈیڈرو۔ روز۔ اور رسے نن وغیرہ فلاسفۂ مغرب نے بہت سی باتیں مذہب اور عقاید دینی کے خلاف کہی تھیں لیکن اُن کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچا۔ اور نہ کسی نے اُنپر ذاتی حملہ کیا۔ مگر ابن رُشد اندلسی نے باوجود کہ اپنی طرف سے کوئی نئی بات نہیں کہی، بلکہ محض ارسطو کے سابق اقوال ہی کو کسی قدر تشریح کے ساتھ واضح کردکھایا تھا جس سے اُسکے ذاتی اعتقاد میں کوئی فتور نہیں پڑا تھا۔ پھر بھی عام مسلمانوں نے اسکی سخت اہانت کی۔ اُسکے منہ پر تھوکا گیا اور اسپر سخت حملہ کیا گیا۔ اور اسی طرح سے جو

لوگ اسلام کے حلم و بردباری کی وسعت ثابت کرنا چاہیں وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے اپنے کسی پیرو کے عقیدہ میں ذرا بھی خلل پاتے ہی اس بات کا حکم نہیں دیا کہ وہ زندہ جلا دیا جائے لیکن مسیحیت نے اس قسم کے بیشمار حکم دیئے ہیں۔"

پھر الجامعہ نے پہلی رائے رکھنے والوں کی طرف سے خود ہی یہ جواب الجواب بھی پیش کر دیا ہے مگر جن لوگوں کی رائے میں اسلام نے علم اور اہل علم کے ساتھ نرمی و چشم پوشی کا سلوک کیا ہے۔ ان کے مخالفین اُن سے یہ سوال کر سکتے ہیں کہ۔ آیا ایسا سلوک صرف اپنوں اور قریبی لوگوں ہی کے ساتھ ہونا چاہئے یا اپنے اور بیگانے دونوں کے ساتھ؟ پھر کیا تمہیں وہ فسادات اور لڑائیاں یاد نہیں رہیں جو مسلمانوں کے مختلف فرقوں اور اُن کے حکام کے مابین دینی اعتقادات کی بنا پر ہوئیں اور جنہوں نے اُن کی قومی طاقت کمزور کر دی۔ اور اُن میں پھوٹ ڈالدی۔ اسلیئے اگر ایک شخص سے برسر جنگ ہو کر اُسکو قتل کر دینے کا نام انسانیت سے جنگ کرنا۔ رکھدیں۔ تو کیا یہ بات جایز ہے۔ مگر ایک جماعت کا دوسری جماعت سے لڑنا اور ایک قوم کا دوسری قوم سے پرخاش رکھنا اور برسر مقابلہ آنا اس قسم کی لڑائی میں شمار نہیں کیا جا سکتا؟۔

پھر رسالہ مذکورہ لکھتا ہے کہ ہم ان دونوں میں سے کسی ایک قول کو دوسرے پر کوئی ترجیح و فضیلت دینا نہیں چاہتے۔ لیکن ساتھ ہی وہ دو فقروں میں اڈیٹر الگ الگ صاف ریمارک بھی کر گیا ہے جو حسب ذیل ہیں :۔

اوّل ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی تمدنی حکومت اور دینی تسلط از روئے شرع دونوں ایک دوسرے سے موافق ہیں کیونکہ مسلمانوں کا حاکم عام اُنکا خلیفۂ رسول بھی ہوتا ہے۔ بنا بریں بنسبت مسیحی طریقہ کے اس طریقہ میں درگذر کرنا بہت سخت دشوار ہے اس لئے کہ مسیحیت نے دینی اور دنیاوی حکمرانی میں بہت لطیف طور سے فرق کر دیا ہے جو (اہل) دنیا کے لئے شہریت اور حقیقی تمدن کا رستہ صاف بنا رہا ہے۔ اور یہ فرق ایک ہی کلمہ کے ذریعے سے کیا گیا ہے۔ چنانچہ بائبل شریف میں آیا ہے۔

"قیصر کا جو قیصر کو دو اور خدا کا خدا کو"

لہٰذا اگر اس طریقہ مسیحیت میں دنیاوی حکومت دینی حکومت کو کوئی ایسا موقع دے جس سے وہ افراد ملت کے خاص اور شخصی عقاید کی حریت پر سخت گیری کرے یا اُن کو قتل کر کے اُنکے پاک اور بیگناہ خون سے

زمین کو رنگین بنائے تو یہ بات انسانیت کے گلے پر کند چھری پھیرنے کے ہم معنی ہوگی۔ اس اعتبار سے جبکہ عیسویت کے طریقہ میں کوئی نقص ظاہر ہو تو اسکی درگذر اسلام کی درگذر سے بڑھی ہوئی نہ رہے گی۔ اور گو عیسویت نے یہ نقص اپنے ساتھی (اسلام) کے نقص سے اخذ کیا ہے تاہم سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ جو شخص ایک کام کو بخوبی پورا کرنے پر قادر ہو وہ اپنے آپ میں کسی نقص کو داخل کرلے"

اور **دوسرے** یہ کہ "علم اور فلسفہ نے مسیحیت کے روک ٹوک کو اب تک مغلوب رکھا۔ اسی لئے یورپ کی سرزمین میں علم و حکمت کا پودہ سرسبزی اور نشوونما پاکر تمدن جدید کا مزہ دار پھل بھی لایا۔ مگر اسلامی سخت گیری نے علم و حکمت کو کبھی سر ہی نہ اٹھانے دیا۔ اور یہ بات اس امر کی واقعی دلیل ہے کہ نصرانیت نے علم کے راستہ میں بہت زیادہ آسانیاں پیدا کیں"

اجمالی جواب

ہم سردست ان دونوں باتوں کی اجمالی تردید مناسب سمجھتے ہیں اور بعد میں اسپر تفصیلی بحث بھی کریں گے۔ پہلی بات کا جواب یہ ہے:۔ اگر انجیل نے ایک ہی کلمہ سے دینی اور دنیاوی حکومت کے مابین فصل اور فرق کیا ہے تو اسکے بالمقابل قرآن شریف نے بھی ایک تو نہیں مگر دو ہی بڑے جملوں میں ہر ایک شخص کی رائے کو پوری آزادی عطا کردی ہے چنانچہ سورۂ بقرہ پارہ سوم۔ رکوع ۲ میں آیا ہے:۔

لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝	دین میں کوئی جبر و اکراہ نہیں، سیدھا راستہ گمراہی کے راستہ سے واضح ہوگیا ہے اسلئے جو شخص بت پرستی سے منکر ہوکر خدا پر ایمان لائے تو اس نے گویا ایسی رسّی کو مضبوط پکڑ لیا ہے جو کسی طرح ٹوٹ ہی نہیں سکتی اور اللہ سننے جاننے والا ہے۔

اور سورۂ کہف۔ رکوع ۱۵۔ پارہ ۱۶ میں آیا ہے:۔

وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر	اور کہدو (اے پیغمبر) کہ سچی بات تمہارے خدا کیطرف سے ہے جسکا دل چاہے مانے اور جسکا دل چاہے نہ مانے۔

دوسرے امر کے متعلق ہم معترض سے یہ کہتے ہیں کہ۔ ذرا ہمیں یہ بھی تو بتاؤ کہ وہ علماء کہاں ہیں جن پر سختی کی گئی۔ عام اور معمولی اہل علم کو ہم نہیں دریافت کرتے۔ بلکہ اس سے ہماری یہ مراد ہے کہ جو علماء، والٹر۔ ڈیڈرو۔ اور روز وغیرہ کے ہم پلہ ہوں انہیں دکھا کر یہ بتاؤ کہ ان پر کیا سختی اور کیا ظلم کیا گیا؟۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مصر ایک اسلامی ملک ہے اور اسکی حالت بھی عالم پر آشکارا ہے اسلیئے اگر تم مسیحیت اور علم کی حالت پر کوئی شاہد ملنگتے ہو تو ذرا سی دیر کے لئے مملکت سپین کی کیفیت پر غور کرو اور پھر کوئی منصفانہ رائے قایم کر کے ہمیں بتاؤ کہ تمنے کیا دیکھا؟۔ آج مصر میں عیسوی مشنوں کے بہت سے مدارس موجود ہیں جنمیں جزویٹ۔ فرانکر۔ اور امریکن تمام مشنوں کے دینی مدارس ہوں گے۔ اور ان میں سینکڑوں مسلمان بچے تعلیم پا رہے ہیں۔ خاصکر جزویٹ کے مدارس تو بالکل دینی مدارس ہیں اور وہاں بھی مسلمانوں کے لڑکے پڑھتے ہیں لیکن اسی کے بالمقابل اسلامی دینی مدارس پر نگاہ ڈالو تو ممکن نہیں کہ ان میں ایک بھی عیسائی طالب العلم نکل آئے حالانکہ ان مدارس میں کسی غیر مذہب وملت کے طالب علم کو لینے سے انکار نہیں کیا جاتا۔ ہاں سرکاری مدارس میں البتہ جہاں مذہبی تعلیم کا کوئی جزو شامل نہیں عیسائیوں کے بچے بھی پڑھتے دیکھے جائیں گے معترض صاحب ہی بتادیں کہ کیا کبھی کسی باپ پر اس بارہ میں سختی کی گئی ہے کہ اس نے اپنا بچہ عیسائی مدارس میں تعلیم پانے کے لئے کیوں بھیجا جنکے مہتمم اور معلم سب غالی پادری لوگ ہوتے ہیں؟ کیا آج یہی امر اس بات کی کافی دلیل نہیں کہ اسلام نے تحصیل علم کے لئے پوری پوری آزادی اور آسانیاں عطا کی ہیں؟۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سینکڑوں مسلمان مسیحی اخبارات کے خریدار ہیں۔ مگر اسلامی اخبارات کے خریداروں میں عیسائیوں یا دیگر غیر مسلموں کا نام شاذونادر ہی پایا جاتا ہوگا۔ ✣

افسوس یہ ہے کہ میرا موضوع کلام نہایت محدود ہے ورنہ میں کہہ سکتا تھا کہ آج مصر میں دو گروہ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن میں سے ہر ایک کی تعداد ہزاروں تک پہونچی ہوئی ہے اور ان کو مسلمان ہونے کا دعوے بھی ہے گو ان کے عقاید وخیالات اور اصول اسلام میں ذرا بھی تطابق نہیں یہاں تک کہ توحید اور تنزیہ عن الحلول کا عقیدہ بھی ان میں نہیں پایا جاتا وہ اسلام کے قطعی اور

صریح فرائض سے منکر ہیں۔ اور مسلمان علمائے انہیں مرتد اور زندیق تسلیم قرار دیکر انکا ذبیحہ کھانے اور اُن کے ساتھ شادی بیاہ کرنے سے منع کر دیا ہے اُن میں سے جو شخص توبہ کرے اُسکے قبول توبہ کے بارہ میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے لیکن با این ہمہ نو سو سال سے زیادہ عرصہ ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے پڑوس میں رہتے سہتے چلے آتے ہیں۔ ایک عرصہ تک اُس زمانہ میں مسلمانوں کے زیر حکومت بھی رہ چکے ہیں جبکہ اسلام اپنے اوج اقتدار پر تھا۔ یہ فرقے ترکوں کی حکومت میں بھی اسی حالت میں داخل ہوئے اور اُس وقت ترکی قوت و اقتدار کا یہ عالم تھا کہ شاہ فرانس اُن سے کمک کا خواہاں ہوتا تھا۔ مگر یہ فرقے جنکو مسلمانوں نے بے دین اور مرتد قرار دیا تھا اور جو عقاید و اعمال اور طرز عبادت وغیرہ میں مسلمانوں سے بالکل جداگانہ تھے۔ برابر قایم رہے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ اُن کے دوستانہ اور ہمسائیگی کے تعلقات رہتے چلے آئے حالانکہ اگر مسلمان اپنے عہد عروج میں چاہتے تو اس چھوٹی سی جماعت کا بالکل فنا کر ڈالنا اُنکے لئے کچھ مشکل نہ تھا۔ کیا معترض صاحب مسیحیوں میں بھی اسکی کوئی مثال بتا سکتے ہیں؟ کبھی نہیں۔

مگر چونکہ میرا موضوع کلام محدود ہے جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہدیا ہے اسلئے میں اُسکے دائرہ سے باہر نہیں جاتا اور اپنے خیال کے مطابق مجملاً اُسپر گفتگو بھی کر چکا ہوں لیکن چونکہ معترض (رسالہ الجامعہ) نے اپنے قول میں ایک چوٹ یہ بھی کی ہے کہ "آیا ایسا نرمی کا برتاؤ صرف اپنوں کے ساتھ ہی واجب ہے یا اپنوں اور بیگانوں دونوں کے لئے ہے؟" اسلئے مجھے اسپر بھی گفتگو کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ نہ اس غرض سے کہ اُسکے ہر دو اقوال پر میں نے جو حکم لگایا ہے اُسکے بارہ میں تحقیق حق کی کوشش کیجائے بلکہ بدیں خیال کہ میرے تفصیلی جواب میں ناظرین کے سامنے اہل دین کی علمی حالت کا نقشہ کھینچ جائے۔ اور نقشہ بھی ایسا جس سے علی وجہ البصیرۃ کوئی حکم لگانا آسان ہو۔

تفصیلی جواب

الجامعہ نے اپنے کلام میں چار باتیں بیان کی ہیں جنکو میں باعتبار اُنکے مراتب کے ترتیب وار لکھتا ہوں:۔

اوّل مسلمانوں نے اپنے ہم مذہب اور ہم قوم اہل نظر کے ساتھ تو اچھا برتاؤ کیا۔ مگر بیگانوں سے نہیں۔

دوم مسلمانوں کے چند گروہ بسبب اختلاف عقاید آپس میں لڑتے مرتے رہے۔

سوم۔ علم کے لئے اعانت وسہولت بہم پہنچانے کا مادّہ مذہب اسلام کی طبیعت ہی میں نہیں پایا جاتا۔ لیکن دین مسیحی میں یہ خوبی بالطبع موجود ہے۔

چہارم۔ اہل یورپ نے مذہب مسیحی کی اسی آسانی کے طفیل تمدن جدید سے فایدہ اٹھانیکا موقع پایا۔ پس مجھے ان اُمور پر بحث کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مگر چونکہ امر دوم کچھ زیادہ بحث طلب نہیں اس لئے میں پہلے اُسی کو لیتا ہوں:۔

مسلمانوں میں اختلاف عقائد کی وجہ سے جنگ ہونیکی تردید

عقاید کے اعتبار سے مسلمانوں میں سلفیین (عقیدہ سلف صالحین پر عمل کرنیوالے) اور اشاعرہ کے دو فرقے اہل سنت والجماعت تھے۔ مگر باوجود باہمی اختلافِ عظیم کے ان میں ہرگز جنگ وجدال تک نوبت نہیں پہنچی۔ اور نہ کبھی اسلامی تاریخ میں یہ سُنا گیا کہ اہل سُنت کے ان دونوں فرقوں اور فرقۂ معتزلہ کے مابین لڑائی ہوئی ہو حالانکہ اہل اعتزال اور اہل سُنت کے عقائد میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اسی طرح یہ بھی کبھی نہیں سُنا گیا کہ فلاسفہ اہل اسلام کے گرد کچھ لوگوں کی جماعتیں فراہم ہوکر باہم مصروف جنگ ہوئی ہوں یا دوسرے مسلمانوں سے لڑی ہوں۔ البتہ چند لڑائیوں کا ذکر پایا جاتا ہے جو خوارج کی لڑائیوں کے نام سے مشہور ہیں جیسے فرقہ قرامطہ وغیرہ کی جنگ۔ لیکن ان لڑائیوں کا سبب اختلاف عقاید ہرگز نہ تھا۔ بلکہ قومی حکومت کے طریقے میں سیاسی آرا کی باہمی کشمکش ان خونریزیوں کا موجب ہوئی۔ نیز خارجی لوگوں نے خلفاء سے اسلئے لڑائیاں نہیں لڑیں کہ وہ اپنے عقیدہ کو فروغ دیں بلکہ اُنکا مقصد صرف طرز حکومت میں مناسب انقلاب وتغیر کرنا تھا۔ اسی طرح بنو ہاشم اور بنو امیّہ کے مابین جس قدر خونریز معرکہ ہائے کارزار گرم رہے وہ سب بھی اختلاف عقاید کی وجہ سے نہیں بلکہ خلافت کے لئے تھے اور پولٹیکل جنگوں سے مشابہ کیا بلکہ دراصل پولیٹیکل چال پر ہی مبنی تھے۔

ہاں آخری زمانوں میں کچھ لڑائیاں ایسی بھی ہوئیں جنکو دینی عقاید کے اختلاف پر مبنی کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ وہ لڑائیاں ہیں جو حکومت ایران اور حکومت عثمانیہ۔ یا حکومت عثمانیہ اور وہابی لوگوں کے مابین ہوئی ہیں تاہم ایک محقق شخص بادنےٰ تامل سمجھ سکتا ہے کہ ان لڑائیوں کی غرض بھی پولیٹیکل معاملات ہی تھے۔ اور اسکی دلیل یہ کہ آج باوجود اختلاف عقیدہ کے دولت ایران اور دولت علیہ۔ یا دولت علیہ اور ابن الرشید امیر وہابیین کے مابین گہرے دوستانہ تعلقات قایم ہیں +

رہیں وہ خانہ جنگیاں اور اندرونی لڑائیاں جو بنو عباس کو اپنی خلافت قایم ہوجانے کے بعد لڑنی پڑیں اور جنکی وجہ سے قوم کو دایمی کمزوری کا روگ لاحق ہوگیا۔ اُن لڑائیوں کا منشا اور وجہ اصلی عمّال حکومت کی بدنیتی۔ طمع نفسانی اور خود غرضی تھی۔ اور یہ سب اُمور اسلئے پیدا ہوئے کہ انکو دینی عقایدسے کوئی تعلق نہ تھا یہ تو وہ جانتے ہی نہ تھے کہ مذہب کے لئے اُنھیں کیا کرنا ہے خود تو احکام مذہبی اور مصالح دینی سے نابلد تھے ہی مگر اور جاہلوں کو بھی اپنے ساتھ ملاکر خراب کرتے تھے۔ مسلمانوں کے قومی جسم میں سب سے بڑی مہلک بیماری اُسی وقت داخل ہوئی جبکہ اُنکی عنان حکومت جاہل اور خود پسند لوگوں کے ہاتھ میں گئی۔ پس اسی علت نے اُنکی عقل کو تاریک اور اُن کی ہمتوں کو پست کردیا۔ وہ نادان حکام جنکو میں نے جاہل کہا ہے فی الحقیقت اَن پڑھ یا اُمی محض نہ تھے۔ بلکہ سنگدل۔ خود پسند۔ نفس پرست اور ایسے سخت مزاج لوگ تھے جنکے دلوں نے اسلام کی پاکیزہ تہذیب کا کوئی اثر ہی قبول نہ کیا تھا اور جنکے آئینہ قلوب پر اسلامی عقاید کا عکس تک نہ پڑا تھا۔ ورنہ اگر خداوند کریم مسلمانوں کو کوئی ایسا حاکم نصیب کرتا جو دینی اصول سے بخوبی واقف ہوتا اور اُن سے احکام دین کی پابندی کراتا تو آج مسلمانوں پر یہ تباہی ہرگز نہ آتی۔ اور اُن کے ایک ہاتھ میں قرآن کریم ہوتا تو دوسرے میں اگلے پچھلوں کے اکتشافات اور قوانین کا خلاصہ قرآن کو وہ اپنی عقل کا رہنما بناتے اور مجموعہ اکتشافات عالم سے دنیا کے کام سنوارتے۔ پھر ہم دیکھتے کہ انھیں کون مٹا سکتا تھا۔ خیر۔ ہمکو حکام سے کوئی بحث نہیں ہمیں تو یہ کہنا ہے چنانچہ بلاخوف تردید کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے مابین کسی عقیدہ کے اختیار یا ترک کرنے پر کبھی کوئی مشہور لڑائی نہیں ہوئی۔ علاوہ ازیں معترض نے یہ خارج از بحث مسئلہ چھیڑکر ہمیں اسکے متعلق کچھ کہنے پر مجبور کیا ہے ورنہ اصل گفتگو تو اس بارہ میں تھی کہ مذہب اسلام نے تحصیل علم کی اجازت دی ہے یا نہیں؟

نہ کہ اس بارہ میں کہ ایک اعتقاد کے پابندوں نے دوسرے عقاید کے پابندوں سے کیا سلوک کیا ہے۔ ورنہ ہم عیسائی فرقوں کی باہمی اور دوسری قوموں سے جنگ کے اتنے شواہد پیش کر سکتے ہیں جس سے معترض رسالہ کے کالم سال تمام تک سیاہ ہوا کریں تب بھی بحث ناتمام رہے۔ قیصران روم کے عہد میں خاص شہر قسطنطنیہ میں آرتھوڈوکس اور کیتھولک فرقوں کا باہمی کشت وخون۔ برتلمی سینٹ ہلیر کا حادثہ اور اسمیں کیتھلک عیسائیوں کا پروٹسٹنٹ عیسائیوں کو انکے گھروں میں گھس گھس کر جوروں بچوں سمیت قتل کر دینا۔ اور ایسے ہی بیسیوں واقعات ہیں جنہوں نے مسیحی انسانیت کے چہرہ کو داغدار کر رکھا ہے۔ میں اُن کو کہاں تک گنا سکتا ہوں۔ مگر کیا کوئی شخص ایک بھی ایسا واقعہ بتا سکتا ہے جو مسلمانوں میں باوجود باہمی سخت اختلاف عقاید کے واقع ہوا ہو؟ ہرگز نہیں۔ ؎

مسلمانوں کا ہر ایک قوم کے اہل علم اور اہل نظر کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرنا۔

مینے ابتدا میں اپنے مبحث کی جو چار شقیں قایم کی تھیں اُن میں سے دوسری شق پر ضروری بحث ختم کرنیکے بعد اب پہلی شق کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ اسپر بہ نسبت امر ثالث کے قیل وقال کی ضرورت کم ہے۔ میں غیر مسلم قوموں کے حکما پر اسلام کی مراعات واحسانات ثابت کرنے کے واسطے مسلمان مؤرخین سے استشہاد نہیں کرنیکا۔ بلکہ وہی باتیں پیش کرونگا جو عیسائی مؤرخین اور فلاسفہ نے اپنی کتابوں میں مستند طور پر درج کی ہیں اور میں عیسائی وغیرہ اقوام غیر کی ایک ایسی عظیم الشان جماعت کا ذکر کرونگا جنہوں نے خلفاء اور خواص وعوام اہل اسلام کی نگاہوں میں وہ اعزاز حاصل کیا جو اور لوگوں کو ہرگز حاصل نہیں ہوا۔

امریکا کا ایک مشہور مؤرخ اور نامور فلاسفر مسٹر ڈریپر لکھتا ہے: "زمانہ خلفاء میں اگلے مسلمانوں نے نسطوری نصاریٰ اور یہودی عالموں کا صرف معمولی اعزاز واحترام ہی مدنظر نہیں رکھا بلکہ اُنہوں نے بہت سے اہم اور بڑے بڑے کام اُن لوگوں کے سپرد کئے اور انہیں سلطنت کے اچھے اچھے معزز عہدے دیئے یہاں تک کہ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے تمام مدرسوں کا اعلیٰ نگران (ڈائرکٹر جنرل) حنا مسنیہ (یوحنا بن ماسویہ) نام مشہور عالم کو بنا دیا تھا۔" پھر یہی فاضل مؤرخ

ایک اور جگہ لکھتا ہے:- "باوجود اسکے کہ خلفا رخود بڑے ذہین صائب الرائے اور بلند نظر تھے لیکن اونہوں نے اپنے مدارس کا انتظام کبھی نسطوری المذہب علمار کے ہاتھوں میں رکھا اور کبھی علمائے یہود کو تفویض کیا۔ وہ اس بات کو کبھی نہیں دیکھتے تھے کہ عالم کس ملک میں پیدا ہوا۔ اور کہاں اس نے زندگی بسر کی۔ نہ یہ خیال کرتے تھے کہ اسکا دین و مذہب کیا ہے۔ بلکہ وہ صرف اسکے علم اور معرفت کا مرتبہ دیکھتے تھے۔ سب سے بڑا عباسی خلیفہ ماموں الرشید کہتا ہے "حکمار لوگ خلق اللہ میں برگزیدہ مخلوق اور خدا کے بندوں میں سے منتخب ہوتے ہیں۔ کیونکہ اونہوں نے نفس ناطقہ کے فضایل حاصل کرنے اور اپنی قوتوں کو دنیا کی آلودگیوں سے برطرف رکھنے میں اپنی تمام کوششیں صرف کی ہوتی ہیں۔ وہ دنیا کی روشنی اور اسکے قوانین کے واضع ہیں۔ اور اگر حکمار نہوتے تو تمام دنیا جہالت اور وحشت کے تاریک غار میں جا پڑتی" پھر یہی عالم ایک دوسرے مقام پر لکھتا ہے "اہل عرب نے اپنے یہودی طبیبوں اور اپنی اولاد کے نسطوری المذہب ادیبوں کا لشکر ساتھ لیکر علم و فلسفہ کی مملکت پر حملہ کیا اور جتنے عرصہ میں وہ ملکی فتوحات اور تیغ زنی کرتے ہوئے رومن قلمرو کی آخری حدود تک پہونچے تھے اُس سے کہیں جلد علم و فلسفہ کی سرحدوں کو فتح کرلیا۔ میں اس مقام پر اُن مدرسوں۔ صد خانوں اور کتبخانوں وغیرہ کا کوئی ذکر ہی نہیں کرنا چاہتا جو مسلمان خلفار اور تاجداروں نے قایم کئے تھے کیونکہ اس وقت یہ امر ہماری بحث سے خارج ہو مگر انشاء اللہ آگے چلکر اسکا کچھ ذکر ہوگا۔ +

اُن حکما اور علما میں سے چند لوگوں کے نام اور حالات جو خلفا کے درباروں میں باسوخ ہوئے

جن حکمار کو خلفار کے درباروں میں خاص رسوخ حاصل ہوا اُن میں سے "جیورجیس ابن بختیشوع" جندیساپوری خلیفہ منصور کا طبیب تھا یہ شخص بڑا اعلےٰ درجہ کا عالم اور حکیم مانا گیا ہے خلیفہ منصور کی نگاہوں میں اسکی عظمت کو اسلئے اور ترقی ہوئی کہ اسکی بیوی بہت سن رسیدہ تھی۔ خلیفہ منصور نے یہ خبر سُنکر از راہ مہربانی طبیب موصوف کے پاس تین بڑی خوبصورت لونڈیاں بھیجدیں جن کو اس نے یہ کہکر واپس کر دیا "میرا مذہب مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ جبتک میری بیوی زندہ ہے میں کوئی اور شادی کرسکوں" خلیفہ منصور نے یہ معاملہ دیکھ کر

جیورجیس کا مرتبہ اپنے وزیروں سے بھی بالا کر دیا۔ اور جس وقت جیورجیس بیمار ہوا تو خلیفہ نے حکم دیا کہ اُسے دربار عام میں اُٹھا لائیں۔ پھر خود پاپیادہ اُسکی عیادت کے لئے گیا۔
جیورجیس نے خلیفہ سے اپنے وطن جانے کی اجازت مانگی تا کہ اگر مرجائے تو اپنے باپ دادا کے ساتھ ایک ہی قبرستان میں دفن ہو سکے خلیفہ نے اُس سے کہا "تم اسلام کیوں نہیں لے آتے تا کہ چھٹے جنت میں چلے جاؤ" جیورجیس نے جواب دیا "مجھے اپنے باپ دادا ہی کے ساتھ رہنا پسند ہے خواہ جنت میں ہوں یا دوزخ میں" خلیفہ منصور یہ بات سن کر بے اختیار ہنس پڑا اور اُس نے حکم دیا کہ جیورجیس کو اُسکے وطن روانہ کر دیا جائے اور دس ہزار اشرفیاں بطور امداد و انعام عطا کیں۔ حالانکہ منصور بخل اور کفایت شعاری کے ساتھ بدنام کیا جاتا ہے۔
نیز خلیفہ نے اُن لوگوں کو جو اس طبیب کے ساتھ جاتے تھے ہدایت کی کہ اگر وہ راستہ ہی میں مرجائے تو اُسے حسب وصیت اُسکے آبائی قبرستان میں لیجا کر دفن کرنا۔ اور جیورجیس سے دریافت کیا کہ اُسکے بعد شاہی طبیب کی جگہہ کسکو دیجائے۔ جیورجیس نے اپنے ایک شاگرد عیسی بن شہلاثا کو پیش کیا۔ اور منصور نے وہ عہدہ اُسی کو دیا لیکن اُس شریر نے پادریوں اور دینی بطریقوں کو ستانا اور اپنے اُس رسوخ سے جو اُسے بارگاہ خلافت میں حاصل تھا ڈرا کر اُن سے اپنے حسب خواہش کچھ باتیں منوانے پر زور دینا شروع کیا۔ مگر خلیفہ کو اس بات کی خبر لگ گئی تو اُس نے عیسیٰ کو اُسکے منصب سے معزول کر دیا۔
اسی خلیفہ کے دربار میں "نوبخت" اور اُسکا بیٹا "ابوسہل" دونوں باوجود آتش پرست ایرانی ہونیکے شاہی منجم کے منصب پر فائز رہے۔ پھر ابوسہل کی اولاد مسلمان ہوگئی اور وہ سب اعلے درجہ کے منجم اور علم الافلاک کے ماہر تھے۔
خلیفہ مہدی کے پاس تیوفیل ابن توما نام ایک عیسائی منجم کی جولبنان کے رہنے والے فرقہ مارونی کے مذہب کا پابند تھا کئی اعلے درجہ کی تاریخی تصانیف موجود ہیں۔ اور اس نے ہومر شاعر کی کتاب کا یونانی زبان سے سُریانی میں نہایت فصیح ترجمہ کیا تھا۔
خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں بختیشوع طبیب اُسکا بیٹا جبریل اور یوحنا بن ماسویہ نصرانی سُریانی ان سب عالموں کو بہت بڑا اقتدار حاصل ہوا۔ آخر الذکر یوحنا بن ماسویہ کو خلیفہ رشید نے

علم طب اور دیگر فنون کی قدیم کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرنے پر مامور کیا تھا اور وہ رشید کے زمانہ سے لیکر متوکل کے عہد تک یہی خدمت انجام دیتا رہا۔ حنا بن ماسویہ اپنے مکان میں درس اور مناظرہ کی ایک شاندار مجلس ترتیب دیا کرتا تھا۔ اور جس طرح کی مجلس مذاکرہ۔ ہر علم و فن اور ہر ایک زبان کے علم ادب۔ پر بحث کرنیکے لئے حنا بن ماسویہ کے مکان پر منعقد ہوتی تھی ویسی اور کوئی مجلس شہر بغداد تو کیا تمام اسلامی قلمرو میں کہیں نہیں ہوتی تھی۔

مامون رشید ہی کے ایام میں ایک اور عیسائی فاضل مسمّی۔ یوحنا بطریق جو مامون کا مصاحب اور گہرا دوست تھا علوم طب اور فلسفہ کی کتابیں ترجمہ کرنے پر مامور کیا گیا۔ سہل بن شاپور۔ اور اُسکے بیٹے شاپور کی باوجودیکہ یہ دونوں عیسائی تھے بہت کچھ قدر کیجاتی تھی شاپور بن سہل جندیسا پور کے شفاخانہ کا اعلےٰ طبیب مقرر کیا گیا تھا۔

خلیفہ معتصم باللہ عباسی کا طبیب سلمویہ بن بنان نصرانی نہایت معزز و محترم تھا جس وقت اُسکا انتقال ہوا ہے خلیفہ نے اُسکا سخت ماتم کیا اور حکم دیا تھا کہ اُسے عیسائیوں کے طریقہ پر دفن کیا جائے جسکے مصارف خزانہ عامرہ سے دلوائے گئے۔

حکیم بختیشوع بن جبریل ایک دن خلیفہ متوکل کے پاس گیا۔ یہ شاہی طبیب تھا۔ خلیفہ نے اُسے اپنے پہلو میں بٹھالیا۔ بختیشوع رومی حریر کی قبا پہنے تھا جسمیں پہلو کے قریب تھوڑی سی سیون کُھل جانے سے ایک سوراخ پیدا ہو گیا تھا خلیفہ باتیں کرتا جاتا تھا اور اُس شگاف کو اُنگلی سے چھیڑ رہا تھا۔ یہاں تک کہ سیون کُھلتے کُھلتے خلیفہ کی انگلی چولی سے نیچے اور دامن کے قریب تک پہونچ گئی۔ اسی اثنا میں خلیفہ متوکل نے طبیب مذکور سے دریافت کیا "تمھیں یہ کیونکر معلوم ہو جاتا ہے کہ خبطی اور سودائی شخص اب قید و بند میں رکھنے کا محتاج ہو گیا ہے" بختیشوع نے جواب دیا "ہاں جبکہ وہ اپنے طبیب کی قبا کو فضول طریقہ پر چھیڑ کر چولی تک پھاڑ ڈالے تو ہم اُسے فوراً رسیوں میں جکڑ دیں گے" خلیفہ متوکل یہ جواب سنکر ہنستے ہنستے لوٹ گیا۔

متوکل ہی کے عہد میں ارسطو وغیرہ حکمائے یونان کی کتابوں کا مشہور مترجم حنین بن اسحاق نصرانی عبادی "بڑا ذی مرتبہ شخص گذرا ہے خلیفہ متوکل نے اُسکی صداقت کا امتحان

کیا تو معلوم ہوا کہ وہ بڑا باہمت اور اُولوالعزم شخص ہے مشکلات سے نہ گھبرانا اور مصائب میں ثابت قدم رہنا اُسکی فطرت میں داخل ہے۔ اسلئے خلیفہ نے خوش ہوکر اُسکو بہت بڑی بڑی وسیع جاگیریں عطا فرمائیں اور چونکہ وہ مامون الرشید کے عہد میں فصیح انشاء پردازی اور خوبی ترجمہ میں مشہور ہو چکا تھا۔ حالانکہ وہ اُسکے عین شباب کا زمانہ تھا۔ مگر چونکہ اس نے اسی عمر میں ترجمہ کی عمدہ مہارت پیدا کرلی تھی۔ اسلئے متوکل نے اُسے ترجمہ کتب کی خدمت پر مامور کر دیا اور جس قدر وہ ترجمہ کرتا تھا انہی اوراق کے برابر سونا تول کر اُسکو عطا کیا جاتا۔ حنین بن اسحاق اور طیفوری نصرانی کے مابین رشک و حسد کی آگ مشتعل ہوگئی تھی جسکا انجام یہ ہوا کہ اُسقفوں (لاٹ پادریوں) کی مجلس میں حنین پر شرکت کنیسہ سے خارج اور محروم کر دیئے جانے کا حکم لگایا گیا۔ اسلئے حنین اپنے ہم مشربوں کی سخت گیری کے غم میں کونت اُٹھا کر مر گیا۔ اُسے خلیفہ کے دربار میں جو عزت و مرتبت حاصل تھی اُسکے مقابلہ میں خاص اپنے بھائی بندوں کا ایسا ذلیل برتاؤ اُسے سخت ناگوار گذرا اور یہی رنج اُسکے لئے زہر قاتل بن گیا اُسکا رقیب طیفوری بھی خلفاء کے دربار میں مقرب تھا۔

خلیفہ راضی کے عہد حکومت میں متی بن یونس نصرانی نسطوری کو شاہی دربار اور تمام خاص و عام سب کی نگاہوں میں خاص عزت و اقتدار حاصل ہوا۔ یہ بڑا زبردست منطق کا عالم اور جملہ علوم عقلیہ کا ماہر کامل تھا۔ ابونصر فارابی نامور مسلمان حکیم نے علوم عقلیہ میں اسی کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا۔ بغداد کے سرآمد فلاسفہ میں متی بن یونس آخری شخص تھا۔ وہ دیر قنی کا رہنے والا تھا۔ اُس نے مار ماری کے مدرسہ میں ابتدائی تعلیم پائی اور روفائیل اور بنیامین سے جو دونوں یعقوبی مذہب کے پابند اور مشہور فاضل راہب تھے اس نے بہت کچھ پڑھا تھا۔

اسی پر قسطا بعلبکی جو عیسائی تھا۔ مگر خلفاء کا مقرب اور حکومت اسلام کا فلاسفر مانا گیا ہے خلفائے عباسیہ نے اُسکو بغرض ترجمہ کتب بغداد میں طلب کیا تھا۔ پھر یحییٰ بن عدی بن حمید بن زکریا منطقی جو خاتم المنطقین گذرا ہے اور اپنے وقت میں علوم حکمیہ کا سب سے بڑا فاضل مانا گیا۔ وہ متی بن یونس اور ابونصر فارابی دونوں کی شاگردی میں رہ چکا تھا۔

انہی لوگوں میں سے ابوالفرج بن الطیب نامور فیلسوف اور عالم بھی تھا جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ جاثلیق[1] کا سررشتہ دار اور بغداد کے عیسائیوں میں بہت ہی سربرآوردہ شخص تھا

[1] جاثلیق بطریق کے بعد عیسائی مذہبی پیشوا کا ایک عہدہ ہے جو اسلامی ممالک میں ہوا کرتا تھا۔ (فوائد اللغۃ فی الفروق)

وہ شفاخانہ عضدی میں جو عضد الدولہ دیلمی کا بنایا ہوا تھا مطب کیا کرتا اور شیخ الرئیس ابو علی ابن سینا کا ہمعصر تھا شیخ الرئیس اُسکے علاج معالجہ اور طبی قابلیت کا تو مدح ہے مگر اُسکے فلسفہ کا قائل نہیں چنانچہ اُس نے ابو الفرج پر چند دندان اعتراض بھی کئے ہیں۔

اسی طرح جن لوگوں کو تمام خاص عام اور خلفائے اسلام عزت کی نظروں سے دیکھتے تھے ان میں سے ایک شخص مشہور طائفہ صابیین (ستارہ پرست) کا عالم ثابت بن قرہ حرانی" بھی ہے اس نے نامور عالم علم فلک محمد بن موسیٰ بن شاکر کے گھر میں تربیت پائی اور علوم فلسفہ میں جو پایہ اسے حاصل تھا وہ اور کسی کو نصیب نہیں ہوا منطق طب۔ اور ریاضیات میں اسکی بہت سی تالیفات موجود ہیں اسکو خلیفہ معتضد کے دربار میں اتنا رسوخ حاصل تھا کہ اسکے سامنے وزیر دل کی بھی بات نہیں چلتی تھی۔ ثابت بن قرہ مقام حران میں ۲۱۱ھ میں پیدا ہوا۔ اسکے بعد اس کے دو بیٹے ابراہیم اور سنان بھی اپنے باپ ہی کے قدم بقدم چلنے والے نکلے۔ اور اُسکے پوتوں میں ابو الحسن ثابت بن قرہ بڑے پایہ کا عالم ہوا۔ ثابت۔ ابراہیم۔ اور سنان تینوں صابی مذہب رکھتے تھے۔ مگر انکی عزت اور قدر و منزلت مسلمانوں کی نظر میں یہ کچھ تھی جو اوپر ہدیہ ناظرین کی گئی ہے حتی کہ بہت سے مسلمان شعراء نے باوجود اختلاف مذہب کے انکی مدح سرائی بھی کی ہے۔ +

میں رسالہ الحاسعہ کو اُن غیر قوم و غیر مذہب علماء اور فلاسفہ کے نام کہاں تک گناؤں جن کو اسلام نے کشادہ دلی کے ساتھ اپنے سایہ عاطفت میں لیا تھا۔ اور اُن سے رعائیت یا انکی عزت و احترام کرنے میں کچھ بھی مضائقہ نہیں کیا۔ اور اگر اسے منظور ہو تو میں بات پوری کرنے کے لیے اُن بیشمار مسلمان حکما اور فلاسفہ کا بھی ذکر سنادوں جو خلفاء اور تاجداروں کی خدمات میں بڑے بڑے معزز عہدوں اور مناصب پر فائز ہوئے۔ یا جن پر مسلمان حکمرانوں کی خاص نظر عنایت ہوئی۔ مسلمان فلاسفر ابی یوسف یعقوب الکندی کا حال محتاج بیان نہیں۔ وہ شہر بصرہ کے اصلی باشندوں میں سے امیر اسحق کا فرزند تھا۔ امیر اسحق ایک عرصہ تک خلیفہ مہدی اور رشید کیطرف سے شہر کوفہ کا حاکم رہا۔ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معزز صحابی اشعث بن قیس رضی کی نسل سے تھا۔ ابی یوسف یعقوب علم طب۔ فلسفہ۔ ہیئت اور حساب کا زبردست فاضل

ہونیکے علاوہ فن موسیقی میں بھی بخوبی ماہر تھا۔ اُس نے بھی دوسرے مسلمان وغیر مسلم علماء کیطرح ترجمۂ
کتب قدیمہ کا کام کیا۔ اور قدیم فلسفہ یونان کی بہت سی کتابیں عربی میں اس طرح ترجمہ کیں کہ اُن کے
دقیق اور مشکل مقامات کو شرح وبسط سے حاشئے چڑھا کر حل کر دیا۔ ابی یوسف یعقوب کو خلیفہ مامون
معتصم اور اُسکے فرزند احمد بن معتصم کے درباروں میں بہت بڑی عزت حاصل تھی۔ ایسے ہی موسیٰ
بن شاکر کے بیٹوں محمد۔ احمد اور حسن کا نام بھی اظہر من الشمس ہے جنہوں نے کرۂ ارض کی مساحت
اور اُسکا محیط و قطر دریافت کرنے میں بے نظیر محنت برداشت کی۔ اور خلفاء اور اُمراء کے یہاں
انہیں جو اعزاز نصیب ہوا۔ وہ بھی محتاج بیان نہیں۔ شیخ الرئیس ابن سینا کا خود اسکی قوم میں
کیا درجہ تھا؟ تاریخ سے اسکا بخوبی پتہ چل سکتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ شمس الدولہ کا وزیر ہوا۔ فارابی
نے سیف الدولہ ابن حمدان کے دربار میں جو رسوخ پایا وہ بھی قابل لحاظ ہے۔

ہاں جن لوگوں کی سوانح عمریاں رسالہ الجامعہ شایع کیا کرتا ہے اُن میں بھی۔ ابی العلاء معری۔
کا ذکر بلا شبہ قابل اندراج ہے۔ اس زبردست عالم کے اقوال والٹر اور روز کے اقوال سے بھی
زیادہ آزادانہ اور فلسفیانہ رنگ میں بڑھے ہوئے تھے۔ مگر اُس نے بستر مرگ پر کروٹیں لے لیکر جان
دی جسکی قبر آج مخلوق کی زیارتگاہ ہے عقیدہ کی خرابی کے الزام میں اُسے کوئی ضرر نہیں پہنچایا گیا۔

بہرحال اس قدر حالات بیان کرنیکے بعد ہمارا خیال ہے۔ کہ رسالہ الجامعہ کے ناظرین کو معلوم
ہوجائیگا کہ اسلام جس کشادہ دلی سے اپنوں کا پاس۔ لحاظ کرتا تھا ویسے ہی بیگانوں پر بھی نظر
مرحمت رکھتا تھا۔ شاید ہم سے یہ پوچھا جائے کہ وہ میزان ومعیار کیا ہے جسکی رو سے اسلام کا اپنوں
اور بیگانوں کے ساتھ یکساں حسن سلوک جانچا اور بیان کیا گیا ہے؟ تو ہم یہ کہیں گے کہ وہ میزان
علماء کی علمی قدردانی ہے۔ میں اپنے مہربان ایڈیٹر رسالہ الجامعہ کو ایسا لکھنے میں ایکطرح معذور بھی
سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اس عنوان پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے انہوں نے مسلمانوں کے بعض حوادث
کو اپنے پیش نظر پاکر یہ تصور کر لیا کہ ان واقعات کی بنیاد دینی عقاید کا اختلاف یا مذہبی جوش کی تحریک
ہے۔ حالانکہ بات یہ نہ تھی۔ بلکہ انکا اصلی سبب یا تو احمقانہ طرز حکمرانی۔ یا اندھی جہالت۔ یا بعض کمینہ اور
بیوقوف عمال حکومت کی سوء تدبیر کو قرار دیسکتے ہیں۔ بہرحال میں زیادہ طول کلام سے بچکر اب تیسرے
امر کیطرف متوجہ ہوتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مذہب اسلام اور مذہب عیسوی کی طبیعتوں میں مقابلہ کیا جائے

اور یہ مضمون اگلے دو عنوانوں اور آخر یعنی چوتھے عنوان سب سے اہم اور قابل توجہ ہے۔

دین مسیحی کی طبیعت اور اُسکے اُصول

تمہید الجامعہ کا گمان ہے کہ مذہب مسیحی نے دینی اور دنیاوی حکومتوں کے مابین قرار واقعی فیصلہ کر دیا ہے اسی لئے اُسکی طبیعت میں درگذر کا مادہ پایا جاتا ہے۔ مگر مذہب اسلام میں یہہ اصول رکھا گیا ہے کہ بادشاہ و حکمران ہی دنیاوی حاکم اور دینی خلیفہ دونوں منصبوں کا جامع ہوتا ہے۔ لہٰذا اُسکو درگذر کرنے کا کوئی موقع ہی نہیں مل سکتا۔

ہم کہتے ہیں کہ ان ہر دو مذاہب کی طبیعت اور علم یا اپنے کسی مخالف عقیدہ کے ساتھ انکی درگذر وغیرہ کا بیان کرتے ہوئے صرف اتنا ہی کہدینا کافی نہیں ہو سکتا جو رسالہ الجامعہ نے لکھا ہے۔ بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ دین کے ارکان اور وہ اہم اصول بیان کئے جائیں جو تمام مذہبی فروعات اور عقائد کے مرجع ہیں اور پھر اُنہی سے اصل حقیقت کا پتہ لگے۔

ہر ایک مذہب کے کسی اُصول کی خوبی یا خرابی معلوم کرنے کے لئے واجب ہوتا ہے کہ اُس مذہب کے پیرووں کی اُس اصول مذکور سے متعلق بعض ظاہری عادات یا بدعات کو بھی معیار قرار دیا جائے جو شاید اُنہوں نے کسی دوسرے مذہب سے اخذ کی ہیں پس جس وقت کسی دین کے کسی اُصول پر حجت قایم کرنیکے واسطے اُس دین کے پیرووں کا کوئی قول یا فعل پیش کرنا منظور ہو تو اُن لوگوں کے قول و فعل سے بحث کرنی چاہئے جو اُس مذہب کے زمانہ آغاز سے بہت زیادہ قریب تھے اور مذہب کی تعلیم خود بانی مذہب سے بالکل اصلی اور سادہ حالت میں حاصل کر چکے تھے۔ اسی واسطے جو مشہور اناجیل آج عیسائیوں کے ہاتھوں میں موجود ہیں اُنہی کے اقوال ہم مذہب عیسوی کے اصول بیان کرتے ہوئے سنداً پیش کرینگے۔ یا زیادہ سے زیادہ اُن کے ابتدائی ائمہ کے اقوال بھی اسکے بعد یہ دکھائیں گے کہ اُن اُصول پر عمل کرنے سے جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے وہ مذہب کی طبیعت کے لئے کیا حکم تجویز کرتا ہے۔

نصرانیت کی پہلی اصل خوارق اور معجزے ہیں

دین مسیحی کی پہلی اصل اور اُسکا سب سے مضبوط رکن خوارق عادات ہیں۔ تمام اناجیل کو پڑھ جاؤ اُن میں مسیح علیہ السلام کی صداقت پر بجز اسکے اَور کوئی دلیل نہ ملیگی کہ وہ خوارق عادت افعال کر دکھاتے تھے۔ اور انجیلوں میں حضرت مسیح کے ایسے معجزات کی بے شمار تعداد درج ہے۔ پھر مسیح علیہ السلام نے اپنے بعد آنے والوں کے لئے بھی یہی بات صحت دین کی دلیل قرار دی ہے۔ جیسا کہ انجیل متی وغیرہ کے دسویں اصحاح میں مذکور ہے۔ غرضکہ اس دین کے ابتدائی پیرؤوں کے تمام اقوال کی پیروی سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ اُن کے نزدیک خوارق عادت ہی صحت اعتقاد کے روشن ترین نشان ہیں۔ اور یہ مخفی نہیں کہ خارق عادت ایسا امر ہوتا ہے جو قوانین کائنات اور آئین فطرت کے خلاف وقوع میں آئے۔ اسلئے جب یہ بات مان لیجائے کہ ہر ایک مذہبی گروہ اور پابند دین کیلئے خارق عادت اُمور کا دکھا دینا ممکن ہے تو خود بانئ مذہب اور پیغمبر کی کیا خصوصیت رہ گئی؟ اور اُسکے واسطے کون ساخاص حکم دیا جاسکتا ہے؟

انجیل نے تو اسپر اتنا اَور بھی اضافہ کر دیا ہے کہ اگر انسان کے دل میں ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہو تو وہ سلسلہ کائنات کو درہم برہم کر سکنے کے لئے کافی ہے جیسا کہ انجیل متی کے سترہویں باب کی دسویں آیت سے ثابت ہوتا ہے "میں تم سے سچ کہتا ہوں اگر تمہارے پاس ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہوتا تو بیشک تم اس پہاڑ سے کہہ سکتے تھے کہ یہاں سے وہاں ہٹ جا۔ اور وہ ہٹ جاتا۔ اور تمہارے نزدیک کوئی چیز غیر ممکن نہ ہوتی" (متی باب ۱۷۔ ۱۰)۔ اور مرقس۔ باب ۱۱۔ آیت ۲۳۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو شخص اس پہاڑ سے کہے کہ اپنی جگہ سے ہٹ کر دریا میں جا گر۔ اور اپنے دل میں کچھ شک نہ کرے بلکہ ایمان لے آئے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے ضرور ہو جائیگا تو وہ جو چاہے جیسی بات کہی اُسکے واسطے ہو کر رہیگی۔ اور ۲۴۔ اسی واسطے میں تم سے کہتا ہوں کہ جس وقت تم نماز پڑھتے ہو اُس وقت جو کچھ تم مانگو اور اُسکی بابت ایمان رکھو کہ اُسے ضرور پا لوگے تو وہ چیز تمکو ضرور حاصل ہو جائے گی۔"

مگر دنیا کی تمام بحث ابحاث اور تحقیقات کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ عالم کائنات کے چند مستقل اور

مسلمہ وثابت شدہ قوانین ہیں نیز یہ کہ علتیں اپنی معلولات میں شرطیں اپنی مشروطات میں۔ اسباب اپنے مسببات میں اور محالات اُن امور میں جن کا وجود انکی وجہ سے غیر ممکن ہے ضرور کچھ نہ کچھ ایسے احکام اور اثر رکھتے ہیں جو ہر ایک زمانہ میں اس مذکورہ بالا اصل کے خلاف ہوں گے۔ اور دنیا کے تمام علوم میں اس قسم کی بحثوں کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ اسلئے ماننا پڑے گا کہ ہر ایک علم اس اصل کے برخلاف اور اسکا ضد ہے۔ اور پھر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ جو شخص اسکو مانتا ہوگا وہ کبھی اسباب اور اُن کے مسببات میں بحث کرنے کا محتاج ہی نہ ہوگا۔ کیونکہ اُسکا یہ اعتقاد کہ ہر ایک چیز کا ہونا اور اُسکا یہ ارادہ کہ وہ چیز ہو جائے۔ بس یہی دو باتیں اُسکے حصول مدعا کے لئے کافی ہیں۔ اُسے علم کی طرف سے بالکل مستغنی بنا رہا ہے اور علم اُسکے اعتقاد کا دشمن بھی ہے۔ اسلئے جس وقت علم نے بیچ میں آکر اُسکے عقیدہ کی حکومت کی مزاحمت کی تو یہ مصیبت بڑی مشکل سے برداشت کیجا سکے گی۔

نصرانیت کی دوسری اصل دینی رئیسوں کی مطلق حکومت ہے

عیسائیت کی دوسری اصل وہ دینی حکومت ہے جو مذہبی علماء کو عام اہل ملت پر دیگئی ہے اور جسکے ذریعہ سے وہ عوام کے عقائد اور دلوں کے مخفی خیالات کی باگوں پر ہر طرح قابض ہیں جس طرف چاہیں اُن کی باگ موڑ دیں۔ اس اختیار مطلق کو بائبل کے حکم سے۔ اور بھی سند اور تقویت مل گئی ہے۔ دیکھو انجیل متی۔ باب ۱۶۔ آیت ۱۹ "میں تجھکو آسمانوں کے ملکوت کی کنجیاں عطا کرتا ہوں اسلئے جس چیز کو تم زمین پر ربط دو گے۔ آسمان پر بھی اُسکو ربط دیدیا جائے گا۔ اور جس امر کو تم زمین میں حل کر دو گے وہ آسمانوں پر بھی حل کر دیا جائیگا" اور اسی انجیل کے باب ۱۸۔ آیت ۱۸ میں آیا ہے "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جن چیزوں کا تم زمین پر ربط رکھو گے انکا آسمان پر بھی ربط کیا جائے گا۔ اور جس چیز کو تم زمین پر حل کرو گے وہ آسمان میں بھی حل کر دیجائے گی"

اسلئے مذہب عیسوی میں کاہنوں کا رئیس جس شخص کو کہدے کہ وہ عیسائی نہیں ہے بس وہ دائرہ عیسویت سے خارج ہو گیا۔ اور جسکو اس نے مسیحی قرار دیدیا وہ مذہب کے حلقہ میں داخل ہو گیا

غرضکہ مذہب عیسوی کا عام معتقد اپنے اعتقادات میں ایسا آزاد نہیں ہے کہ اپنی عقل کی ہدایت کے موافق سمجھے۔ یوجہکہ اصول مذہب پر عمل کرسکے بلکہ اسکی دل کی آنکھوں پر اسکے مذہبی سرگروہ کے لبوں نے ایک مضبوط پٹی باندھ رکھی ہے جس سے وہ کسی معاملہ پر نگاہ ڈالنے کی قوت ہی نہیں پاتا اور جہاں کسی امر کی تحقیقات کا ارادہ کرتا ہے۔ فوراً مذہبی حکومت اسکو روکدیتی اور اپنے ارادہ سے باز رہنے کی ہدایت کرتی ہے۔ اور گو آج بعض عیسائی اس اصل کو غلط بتانے یا اسکی صحت میں حیل حجت کرنیکے لئے آمادہ ہوں گے۔ لیکن اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ پندرہ صدیوں کی طویل مدت تک عیسائیت کا عملدرآمد اسی پر رہچکا ہے۔ +

نصرانیت کی تیسری اصل ترک دنیا ہے

ہر دو اصول متذکرۂ بالا کے بعد عیسائیت کی تیسری اصل دنیا سے قطع تعلق کرکے آخرت کی طرف مائل ہونا ہے۔ ہم یہ اصل موجودہ اناجیل اور "رسولوں کے اعمال" میں صاف صاف موجود پاتے ہیں اور جب کسی اگلی کتاب کو اٹھا کر مطالعہ کیا جائے تو اس میں بھی یہ اصل ضرور ہی کہیں نہ کہیں ملینگی۔ ان کتب میں اکثر عالم ملکوت کی جانب منقطع ہوجانے اور دنیا سے بھاگتے رہنے کے صریح احکام نظر آئیں گے۔ چنانچہ انجیل متی کے باب ۶ - ۱۰ - اور ۱۶ میں ایسے احکام موجود ہیں جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

متی باب ۶ ۔ "تمکو ہرگز یہ قدرت نہیں کہ خدا اور مال دونوں کی خدمت کرسکو۔ ۲۵۔ اسی واسطے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی زندگی کو محض کھانے پینے کی چیزوں میں مصروف نہ رکھو۔ اور اپنے جسموں کو اچھی پوشاکوں ہی کے لئے خاص نہ سمجھو۔ کیا زندگی کھانے سے اور بدن لباس سے افضل نہیں۔ ۲۳ مگر تم پہلے خدا کے ملکوت اور اسکی نیکی کو طلب کرو۔ اور یہ سب چیزیں تمہارے لئے زیادہ کی جائینگی۔ ۲۴ کل کی فکر نہ کرو۔ کیونکہ کل اپنی آپ ہی فکر کرلیگا اسکے لئے ہی دن کی برائی آج کافی ہے۔"

متی باب ۱۶ - ۲۳ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ کسی مالدار شخص کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا سخت دشوار ہے۔ ۲۴۔ اور میں تم سے یہ بھی کہتا ہوں کہ سوئی کے ناکے سے

اونٹ کا نکل جانا بہ نسبت اسکے بہت آسان ہے کہ کوئی دولتمند شخص خدا کی بادشاہت میں داخل ہو سکے "

متی باب ۱۰ - " ۹ - اپنی کمر کے پٹکوں میں کوئی سونا - چاندی - اور تانبا - نہ رکھو - ۱۰ - اور نہ راستہ کے لئے کوئی توشہ دان - اور نہ دو کپڑے - اور نہ جوتے اور نہ لاٹھی " الخ "

اور مذہب عیسوی نے ہی رہبانیت اختیار کرنے اور شادی بیاہ ترک کر دینے کی ترغیب دلائی ہے جسکی وجہ سے انسانی نسل کا انقطاع ہو جاتا ہے چنانچہ انجیل متی میں آیا ہے -

متی - باب ۱۹ " اور بہت سے ایسے خصی پائے جاتے ہیں جنہوں نے آسمانی بادشاہت کے لئے اپنے تئیں خصی بنا ڈالا ہے جسکو قبول کرنے کی طاقت ہو وہ قبول کرے "

پھر آسمانی بادشاہت کا معاملہ ایسے ایمان کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے جو صحیفہ کائنات پر نظر کرنے سے الگ تھلگ رہے - اسلئے سمجھ میں نہیں آتا کہ جو شخص اس اعتقاد کا پابند ہو وہ کسی علم پر غور کرنے سے کیونکر بہرہ ور ہوگا - کیونکہ علم کا تو آخرت کے کسی معاملہ میں کچھہ دخل ہی نہیں اور دنیا مذہب عیسوی کے پابند پر حرام کر دی گئی ہے ؟ لہٰذا اب کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ ایک عیسائی کی تمام تر توجہ نماز اور دل کو ماسوا سے بالکل پھیر کر عبادت ہی میں لگانے پر منحصر اور مبذول رہے گی - اور اسکے نزدیک مخلوق الٰہی کے حالات پر غور کرنا ہرگز داخل عبادت نہ ہوگا - اس وجہ سے انجیل جس عبادت کی تعلیم دیتی ہے وہ ایمان اور نماز کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی - *

نصرانیت کی چوتھی اصل غیر معقول باتوں پر ایمان رکھنا ہے -

عیسائیت کی چوتھی اصل جو درحقیقت اسکی اصل الاصول اور کیتھلک - ارتھوڈکس - اور پروٹسٹنٹ ہر ایک عیسوی فرقے کے نزدیک بلا اختلاف ایکساں مانی گئی ہے یہ ہے کہ ایمان ایک نعمت الٰہی ہے جسمیں عقل کو کچھہ دخل ہی نہیں اور دین میں بہت سی باتیں فوق العقل یعنی عقل کی رسائی سے بالاتر ہیں - گویا وجود اسکے ان باتوں پر ایمان لانا واجب ہے - سینٹ انسیلم کا قول ہے " تمپر واجب ہے کہ جو چیز پہلے تمہارے دل پر پیش کیجائے اسکو بلا غور و تامل مان لو - پھر اسکے بعد

جو کچھہ تم نے اعتقاد کر لیا ہے اُسکے مفصل طور پر سمجھنے کی سعی کرو۔" لہٰذا ایمان جو نجات کا واحد وسیلہ ہی عقلی نظر کا کچھہ بھی محتاج نہیں نہ اُسکے لئے صحیفہ کائنات کے اصول سے تطبیق دینے کی حاجت ہی اور نہ اس بات کی ضرورت کہ مومن آدمی اپنے ایمان کی کُنہ دریافت کرنیکا ارادہ کرے! اور مقدس سینٹ انسیلم کا آخری فقرہ "پھر اسکے بعد جو کچھہ تم نے اعتقاد کر لیا ہے اُسکے مفصل طور پر سمجھنے کی سعی کرو" انسان کی قدرتی رازجوئی اور فطری خواہش فہم پر احسان رکھنے کے لئے کہدیا گیا ہے تاکہ جب وہ اپنے معتقدات کو بالکل ممنوع الفہم دیکھے تو اُن سے بھڑک نہ اُٹھے۔ ورنہ نجات اور خلاصی پانے کے لئے تو صرف ایمان رکھنا ہی کافی ہے۔ پھر بتاؤ کہ اُس طالب فہم کی مٹی کس قدر خوار ہوگی جسکی کوشش نے اُسے اپنے اعتقاد کے خلاف کسی نتیجہ پر پہنچایا ہو تو گویا مقدس سینٹ نے فہم کے بھی یہی معنے قرار دیئے ہیں کہ مرد مومن اپنے ایمان پر تسلی حاصل کرنے کے واسطے خواہ کوئی ایسی من گھڑت بات بھی بنا لے جو اُس اعتقاد کے مفہوم سے منزلوں دور اور الگ ہو۔!!!

نصرانیت کی پانچویں اصل یہ ہے کہ مقدس کتابیں انسانی معاش و معاد دونوں کی تمام ضروریات پر حاوی ہیں

پیروان مذہب عیسوی کا پانچواں عقیدہ یہ ہے کہ بائبل کے جو حصے عہد قدیم اور عہد جدید کے نام سے مشہور ہیں۔ اُن میں ایسی تمام باتیں پائی جاتی ہیں جنکا جاننا انسان کے لئے ضروری ہے خواہ وہ باتیں دینی عقاید۔ آداب نفس اور اُن اعمال جسمانی سے تعلق رکھتی ہوں جو ملکوت اعلیٰ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے کارآمد ہیں یا اُنکا تعلق اُن علوم سے ہو جو عقل انسانی کے نتائج ہیں اور جن سے وہ جایز فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ "تیر تولیان" جو تیسری صدی عیسوی کے خاتمہ پر مسیحی عقاید کو سب سے اچھے طور پر بیان کرنے والا مانا گیا ہے اور اُس زمانہ تک اس مذہب میں نئی نئی بدعتوں کا کچھہ زیادہ اضافہ بھی نہیں ہوا تھا۔ لکھتا ہے "مسیحی مذہب کے عقاید کی بنیاد آسمانی کتابوں پر رکھی گئی ہے۔ اور ان کتابوں کی صحت کی دلیل اُنکی قدامت ہے۔ یہ کتابیں

"ہومر شاعر" کی تصنیف رومانیوں کے سب سے مشہور تر اور قدیم آثار۔ بلکہ خود رومن حکومت کی بنیاد پڑنے کی تاریخ سے بھی زیادہ قدیم ہیں۔ اور زمانہ حقیقت کا مددگار ہے۔ پھر ان پیشینگوئیوں کا ٹھیک اترنا جوان آسمانی کتابوں میں موجود ہیں۔ یہ بھی انکی صحت پر بڑی بھاری دلیل ہے" بعد ازیں لکھتا ہے "عیسائیوں کے نزدیک ہر ایک علم کی بنیاد بھی کتاب مقدس اور کنیسہ کی تقلید میں ہیں خدا نے ہمکو بذریعۂ وحی صرف دینی تعلیم ہی عطا کرنے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اس نے اسی ذریعہ سے ہمیں ان تمام امور کی بھی تعلیم دی ہے جو اسکے حسب مرضی ہمکو عالم کائینات میں معلوم کرنی ضروری تھیے۔ لہذا کتاب مقدس میں علم و عرفان کا اس قدر کافی ذخیرہ موجود ہے جسکا حاصل کرنا انسان کے لیئے ضروری سمجھا گیا ہے۔" نظر بریں آسمانی کتابوں میں آسمان و زمین اور تمام موجودات عالم یا اقوام عالم کی تواریخ کا جو کچھ بھی ذکر یا بیان ہوا ہے وہ خواہ کتنا ہی معقولات و محسوسات اور مشاہدات سے بعید ہو۔ مگر انسان پر لازم ہے کہ وہ پہلے اسے ٹھنڈے دل سے مان کر اسپر ایمان لائے اور اسکے بعد انکو سمجھنے کی کوشش کریں۔ یعنی پوری طرح مان بھی لیں۔ اور اون کو دل میں جگہ دیں۔ چنانچہ کسی فاضل عیسائی کا قول ہے "کتاب مقدس سے فن معدنیات کو مکمل طور پر حاصل کیا جا سکتا ہے" ۔

عیسائیت کی چھٹی اصل مسیحی مذہب کے پیروؤں اور اُن کے سوا دوسرے لوگوں میں تفریق کرنا ہے (حتی کہ قریبی رشتہ داروں میں بھی)

یہ اصل جہاں تک معلوم ہوتا ہے سب سے آخری اصل ہے اور یہ انجیل متی کے دسویں باب میں بیان کی گئی ہے۔

متی باب ۱۰۔ آیت ۳۴ "تم ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ میں زمین پر امن قایم کرنے آیا ہوں میں امن قایم کرنے نہیں آیا بلکہ تلوار لیکر آیا ہوں۔ ۳۵۔ میں اس واسطے آیا ہوں کہ انسان کو اسکے باپ سے مخالف اور جدا کروں۔ بیٹی کو ماں کا دشمن بنادوں۔ اور بہو کو ساس سسر سے الگ کردوں"۔

۳۶۔ اور انسان کے دشمن اُسی کے گھر والے ہیں" اور انجیل کے متعدد مقاموں میں اس بات کی تصریح کر دی گئی ہے کہ مسیح کی محبت یا انکی چند ہدایتوں کی تعمیل میں ذرا سا خلل بھی ڈالنا ہلاکت کا موجب ہے۔ اور گو اکثر جگہہ آچکا ہے کہ عذاب آخرت سے چھٹکارا پانے کے لئے صرف ایمان رکھنا ہی کافی ہے لیکن وہ سختی کی روح جو "تم یہ گمان نہ کرو کہ میں امن قایم کرنے آیا ہوں۔ الخ" میں پائی جاتی ہے۔ اسکا اثر ابتدائی زمانہ کے معتقدین عیسویت میں پورا پورا باقی رہا۔ اور انہی آثار پر سے وہ تمام فوائد قربان ہو گئے جو چند دوسری نصیحتوں سے لوگوں سمجھ میں آسکتے تھے۔

ان اُصول کے آثار اور نتائج

یہی باعث تھا کہ ابتدائی زمانہ کے عیسائی لوگوں نے مشاغل دنیا سے چشم پوشی کی اور ایمان وعبادت کو ماسوا سے مستغنی بنا دینے والی چیزیں سمجھکر کسی اور بات کو قابل توجہ تصور ہی نہیں کیا۔ بلکہ انکی ساری کوششیں اسی ایمان اور عبادت کی دعوت پھیلانے پر منحصر ہیں اسکے وسایل بھی صرف یہ دو امر یعنی ایمان وعبادت ہی تھے۔ گویا دلیل ومدلول دونوں ایک ہی چیز تھی اور اس وجہ سے انکی ہمتیں بالکل پست ہو گئیں۔ چنانچہ جب انکی عقلوں میں دنیا کی کسی چیز کا علم حاصل کرنے کی رغبت پیدا ہوتی تو وہ عہد قدیم کی کتابیں سامنے رکھکر اسی کی دونوں دفتیوں کے مابین تمام علوم کو منحصر کر دیتے۔ کیونکہ اُن کے خیال میں وحی الٰہی نے عقل کے لئے بطور خود کوئی کام کرنے یا کسی بات پر غور کر سکنے کی ضرورت ہی نہیں رہنے دی تھی۔ پس جو کچھ کام عقل سے لیا جا سکتا وہ صرف اتنا تھا کہ کتاب مقدس کی عبارتوں کو سمجھہ لیا جاوے۔ مگر اسکے ساتھ ہر ایک ذی عقل کو بھی اُسکے سمجھنے کی اجازت نہ تھی بلکہ اس خوف سے کہ مبادا کہیں ایمان سلیم میں خلل آجائے کتاب مقدس کے معانی ومطالب کا سمجھنا اور سمجھا سکنا صرف کنیسوا کے رئیسوں یعنی دینی عالموں کا حق رکھا گیا تھا (لیکن فرقہ پروٹسٹنٹ کے نزدیک اہل کنیسہ کے سوا اور کسی سمجھ کے لوگ بھی کتاب آسمانی کی تفسیر کر سکتے ہیں) تلوار کی چمک اور عزیزوں دوستوں سے جدا ہو جانیکا خوف مذہب عیسوی کے ان تمام ناقابل برداشت اصولوں کی زحمت لوگوں کو گوارا کرا رہا تھا چنانچہ جہاں کسی شخص کے دل میں کوئی ایسا خیال آتا تھا جو ایمان کے مقررہ امور میں سے کسی امر کا معارض ہو

تو فوراً ہی اُس شخص کے اس خیال کی جڑ کاٹنے پر توجہ کیجاتی تھی۔ اور اس بارہ میں اُسکے ساتھ ذرا بھی نرمی اور مہربانی نہیں کی جا سکتی تھی کیونکہ اس بات کو خود مسیح علیہ السلام نے اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا تھا جیسا کہ انجیل میں وارد ہوا ہے کہ ایکبار مسیح علیہ السلام سے کسی نے کہا۔

۴۷ یہ تمہاری ماں اور بہنیں باہر کھڑی ہیں اور تم سے ملنا چاہتی ہیں۔ ۴۸ مسیح علیہ السلام نے جواب دیا میری ماں اور بہنیں کون ہیں؟ ۴۹ پھر اپنے شاگردوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔ یہ ہیں میری ماں بہنیں۔ ایسی ہی اور باتیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جو شخص دین مسیحی کا اعتقاد رکھتا ہو اُسکے اور اُس شخص کے مابین جو ذرا بھی اس مذہب کے عقائد سے خلاف ہو قطع تعلق کر دینا واجب ہے۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ ایک بات جو ابتدا میں بہت تھوڑی ہوتی ہے آخر کار بڑھتے بڑھتے بہت بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ ذیل میں ان ابتدائی سختیوں کا وہ آفت خیز نتیجہ دکھایا جاتا ہے جو بحکم طبیعت مرورِ زمانہ کے بعد نکلنا ضروری تھا۔

مسیحی لوگوں کے دلوں میں یہ بات جم گئی کہ سلامتی اسی میں ہے کہ غور و فکر کو چھوڑ کر رضا و تسلیم کو اختیار کیا جاوے۔ اور اس امر کو قوت حاصل ہونیکے وقت یہ قاعدہ قرار پایا کہ "جہالت خدا ترسی اور پرہیزگاری کی ماں ہے" (اور اکثر عیسائی مذہب اور مسلمانوں کے فرقے آجتک اسی قاعدہ پر چل رہے ہیں جو گذشتہ زمانہ والوں کی وراثت کی برکت کہی جا سکتی ہے!!) غرضکہ تعلیم کا انحصار صرف ان امور میں کیا گیا اور کنیسہ کو بجز اسکے کہ جو کچھ ظاہری طور پر ایمان اور اصلاح کے متعلق دعوت دینے کیلئے لازم ہے۔ عام اشخاص کو مزید تعلیم دینے سے روکدیا گیا۔ اس وجہ سے پادریوں کے علاوہ اور تمام لوگ بالکل جاہل اور کندۂ ناتراش بنگئے حتی کہ امور دین اور اسکے حقائق و اسرار سے بھی لوگ محض ناواقف تھے۔ یورپ کی جہالت اور لاعلمی کا مشہور واقعہ سنہ ۱۴۵۶ء میں دمدار ستارہ کا ظہور ہے جسکو دیکھکر تمام یورپ میں ایک کھلبلی مچگئی اور اس نے پاپا (پوپ) سے پناہ مانگی۔ پوپ نے ان کو پناہ دیکر دمدار ستارہ کو دور ہو جانے کا حکم دیا جسکی لعنت سے ڈر کر وہ ستارہ غائب ہوگیا اور پھر چھتیس سال کی مدت دراز تک نمایان نہ ہو سکا!!

کسی شخص کو اجازت نہ تھی کہ وہ کتاب مقدس کے صریح بیانات اور تعلیمات کے خلاف کوئی رائے ظاہر کر سکے۔ اسی لئے جس وقت "پلاج" نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ آدم علیہ السلام سے پہلے

بھی موت کا وجود تھا یعنی قبل اسکے کہ آدم علیہ السلام ممنوعہ درخت کا پھل کھا لینے کے گناہ کے مرتکب ہوں اُس وقت بھی حیوانات کو موت سے سابقہ پڑا کرتا تھا پس ایک شور مچ گیا۔ اور اس قدر جنگ وجدال برپا ہوئی کہ شاہنشاہی احکام اس رائے کے ہر ایک معتقد کو قتل کر دینے کے لئے صادر ہوئے۔ چنانچہ مؤرخ لکھتا ہے :- "اور اسی طرح یہ اعتقاد کہ آدم علیہ السلام سے پہلے بھی جانوروں کو موت سے سابقہ پڑتا تھا۔ پولیٹیکل جرم قرار دیا گیا"

"جولیس قیصر" کے عہد میں بمقام اسکندریہ بطالسہ اور مصری لوگوں کی تمام کتابیں جلا کر خاک کر دی گئیں۔ پھر اسکے بعد بھی کچھ تھوڑی سی کتابوں کے ضائع کرانے کے لئے جو بطالسہ کے کتب خانہ میں باقی رہ گئی تہیں اسکندریہ کے بطریک "تیوفیل" نے شہر میں ہنگامہ اور شورش برپا کرادی اور جب اونکو ایک سرے سے تلف کرا دیا اُس وقت خاموش ہوا۔ اور "ؤسیوس" مؤرخ کا بیان ہے کہ جب تیوفیل نے شاہنشاہی فرمان اُن کتابوں کے تلف کر دینے کی بابت حاصل کر لیا تو اس کے تقریباً بیس سال بعد خود اس مؤرخ نے کتبخانہ کی خالی الماریوں کا اپنی آنکھوں مشاہدہ کیا تھا۔

تیوفیل کے بعد اُسکا بھانجا "سیریل" اسکندریہ کا بطریک مقرر ہوا یہ شخص بڑا خوش بیان تھا اور اپنی آتش زبانی سے اس نے تمام قوم کے دلوں پر ایسا قابو کر لیا تھا کہ کوئی شخص اسکے احکام سے سرتابی کر سکے کیا مجال تھی۔ انہی دنوں اسکندریہ میں ایک نوجوان لڑکی "ہیپاتی" نامی علوم ریاضی میں بہت بڑی ماہرہ اور فلسفہ وسائینس کی فاضلہ تہی علوم ریاضیہ کے اچھے اچھے عالم اُس یکتائے روزگار کی صحبت سے فیضیاب ہونے کو جمع ہوا کرتے اور ہمیشہ اُسکی مجلس میں بہت سی باتوں پر بحث ہوا کرتی تھی۔ اور منجملہ اُن کے یہ تین مسئلے خاصکر زیر بحث رہتے - ہم کون ہیں ؟ - اور کہاں جائینگے ؟ اور ہم کیا جان سکتے ہیں ؟" سینٹ "سیریل" سے یہ حالت نہ دیکھی گئی اور باوجودیکہ وہ لڑکی مسیحی مذہب کی بھی پابند نہ تھی۔ بلکہ اپنے باپ دادا مصریوں ہی کا مذہب رکھتی تھی "سیریل" نے عیسائی قوم کو اشتعال دلانا شروع کیا اور اس قدر بھڑکایا کہ وہ لوگ اُس لڑکی کے تاک میں لگ گئے۔ آخر ایک دن جبکہ وہ بے نظیر لڑکی اپنے مجلس کے مکان کو جا رہی تھی عیسائیوں نے اُسے پکڑ لیا۔ اور بالکل برہنہ کر کے ویسی ہی ننگی کلیسہ میں لیگئے جہاں اُسے قتل کر کے پھر اُسکے تمام جوڑ بند الگ کر دیئے اور ہڈیوں کو گوشت سے الگ کر لیا جسکے بعد گوشت

آگ میں جلادیا گیا۔ اس قصہ کا راوی مؤرخ لکھتا ہے :۔ اور "سیرِیل" سے کسی نے اتنا بھی نہ پوچھا کہ اس نے بیکس "ہیپاتی" کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ نہ رومانی حکومت نے اس معاملہ پر کوئی توجہ کی"

مذہب عیسوی میں کوئی ایسا عقیدہ نہیں ظاہر ہوا کہ جسکے مقرر کرنے کی کسی فریق نے کوشش کی ہو اور دوسرا فریق اسپر معترض ہوا ہو تو خون کے دریا نہ بہ گئے۔ اور تمام عیسوی مذہب کی تاریخ ایسے خونی واقعات سے بھری پڑی ہے۔ اسپر نظر ڈالکر دیکھو کہ اس وقت سرزمین مصر مختلف عیسائی فرقوں کے خون سے کیونکر رنگین بنی ہے۔ جبکہ کنواری مریم کو معبود اور خدا کی ماں تسلیم کرنے پر باہمی نزاع برپا ہوا تھا۔ یہ بات تو مذہب عیسوی کی طبیعت ہے کہ جو شخص مسیح کی پیروی نہ کرے وہ ضرور ہلاک ہوگا اور جو ہلاک ہی ہوگا اُسے زندہ رہنے کا کوئی استحقاق نہیں۔ دیکھو اعمال کے پانچویں اصحاح میں اُس شخص کا قصہ جس نے اپنا تمام مال و اسباب بیچ ڈالا تھا اور جب وہ مقدس "پطرس" کی خدمت میں حاضر ہوا تو ساری قیمت اُسکے نذر کر دی لیکن کچھہ تھوڑی مقدار مقدس پطرس سے چھپا کر اپنے لئے رکھہ چھوڑی تھی۔ پھر مقدس پطرس کو حقیقت حال کی اطلاع مل گئی۔ اُس نے اُس شخص کو ملامت کر کے معجزہ سے اُسکی جان بھی نکال لی جسکے بعد اُس آدمی کی بیوی مقدس پطرس کے پاس آئی جو اپنے شوہر کے کچھہ مال مخفی رکھنے سے آگاہ تھی مگر اُس نے مقدس پطرس کو خبر نہیں دی جس سے ناراض ہو کر مقدس پطرس نے اُسے بھی بُرا بھلا کہا اور اُسکو آگاہ کیا کہ تیرا شوہر مر گیا ہے۔ چنانچہ وہ عورت بھی اسی صدمہ سے مر گئی"۔ اِسلئے جب خدا کسی آدمی کو خود اپنا کچھہ ذاتی مال اپنے پاس چھپا رکھنے اور اُسے رسولوں کو نذر کے طور پر نہ دینے کی سزا میں جان سے مار دیتا ہے تو پھر جو شخص زمین پر خدا کے نائبوں سے مخالفت کرے اور اُن کے اعتقاد میں کوئی نئی نکال لے۔ اُسے زندہ رہنے کا حق کیونکر دیا جا سکتا ہے؟۔

پوپ "انوسان سوم" نے رومن کیتھلک عقیدہ سے اختلاف رکھنے والے عیسائیوں کا تمام مال ضبط کر لینے کا حکم دیتے وقت جو تقریر کی تھی۔ اُس میں یہ بھی کہا تھا کہ :۔ "اُن منکروں کی اولاد کے لئے صرف اُن کی جان کے سوا کچھہ اور چیز نہ چھوڑنی چاہیئے۔ اور یہ اُنکی جانوں کا چھوڑ دینا بھی نہایت مہربانی اور احسان ہے"۔ کیا اس عبارت میں مقدس پوپ نے سزا کو صرف منکر لوگوں

کی ذات تک محدود رکھا ہے؟ نہیں بلکہ اُس نے صاف طور سے اُنہیں بھی باپ کے گناہوں میں شامل کرلیا۔ ورنہ کیا وجہ تھی کہ اُن غریبوں کو جان کی امان دینا احسان و کرم میں شمار کیا جائے؟ یہی کہ اُن کے باپ منکر دین ہوئے تھے۔ اِس لئے اُن بدبختوں کو بھی زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ +

اشاعتِ علم پر عیسائیت کی روک ٹوک اور بندشیں

قسطنطین اعظم کا عہد مذہب عیسوی کی پوری قوت اور عروج کا زمانہ تھا جسکے بعد وہ قوت ایک عرصہ تک بڑھتی اور ترقی کے اوج پر چڑھتی رہی۔ لیکن اس تمام مدت کی تاریخ مذہب عیسوی اٹھا کر دیکھو کہیں علم اور فلسفہ کا نام تک نہیں نظر آتا۔ ہاں اُن دینی جھگڑوں کے اثنا میں جو کبھی بادشاہوں کے اختیارات سے کام لیکر فیصل کئے جاتے تھے۔ اور گاہے بڑے بڑے جلسے فراہم کرکے تصفیہ ہوتا اور کسی وقت خونریزی اور شمشیر اُن جھگڑوں کو چکاتی تھی آتش علم کے شعلے فرو کرکے محض دین کی اعانت کرنے پر لوگوں کی توجہ منحصر پائی جاتی ہے۔ دیکھنے اور اچھی طرح دیکھنے کی بات تو وہ ہے جبکہ مذہب عیسوی کے پابندوں نے اپنی پڑوسی غیر مذہب اقوام پر انکو عیسائی بنانے کی غرض سے چڑھائیاں کیں۔ یا جبکہ یورپ کے حکمرانوں میں رُوسا و کلیسہ کے اشتعال دلانے سے باہمی خونریزی کا بازار گرم ہوتا تھا اُس وقت علم و فن کی مٹی کیونکر پلید کی جاتی تھی۔ اور اس بات کو ہر شخص بخوبی جانتا اور سمجھ سکتا ہے جسکو علم تاریخ سے کچھ بھی مس ہو لیکن ہمکو اسکی تفصیل دینے کی اسلئے ضرورت نہیں کہ یہ بات ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے۔

البتہ ظہور اسلام اور ملک اندلس میں اسلامی حکومت قائم ہونیکے بعد یورپ میں علم اور مذہب کے مابین ایک طرح کا نزاع برپا ہونا شروع ہوا۔ اور جن دنوں صلیبی لڑائیاں بڑے زور شور سے ہورہی تھیں اُن دنوں اہل یورپ کو مسلمانوں سے زیادہ سابقہ پڑنے کے باعث یہ نزاع اور بھی ترقی پکڑ گیا۔ صلیبی لڑائیوں کی آگ مقدس عیسائی علما اور رُوسا و کلیسہ نے بھڑکائی تھی وہ یورپ کے عیسائیوں سے یہ بیان کیا کرتے تھے کہ مسلمان بُت پرست ہیں اور اونھوں نے ارض مقدس پر قبضہ کرکے وہاں سے دین توحید (عیسویت) کو خارج کردیا اور اُن درندہ وحشیوں (مسلمانوں) نے "یروشلم"

کی پاک سرزمین پر ہر طرح کی خرابی کا بیج بو دیا ہے۔ ایسی باتیں سننے سے یورپ کے نادان عیسائی جوش میں بھر جاتے۔ اور لاکھوں کی تعداد میں حمایتِ صلیب اور بیت المقدس کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے واپس لینے کے لئے جہاد کی نیت سے ملک شام کی طرف آتے رہتے تھے۔ مگر جب یہ مجاہدین اپنے ملکوں کو واپس گئے تو انہوں نے اپنی قوم سے بیان کیا کہ ان کے دشمن (مسلمان) دیندار۔ موحد۔ اہل مروت۔ دوست نواز۔ وفا پرور۔ اور حسن معاشرت میں یکتائے روزگار ہیں۔

پھر جیسا کہ امریکن فیلسوف لکھتا ہے۔ خلیفہ "حکم ثانی" نے ملک اندلس کو جنت نظیر بنا دیا تھا جہاں یہودی اور عیسائی دونوں مذہب کے لوگ امن و آزادی کے زیر سایہ عیش و مسرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ مشہور علامہ "پطرس" لکھتا ہے کہ اس نے بہت سے یوروپین علماء کو ملک اندلس میں علم فلک کی تحصیل کے لئے آتے دیکھا۔ یہاں تک کہ انگلستان تک سے علم و ہنر کے پیاسے اسی علمی سرچشمہ پر آکر سیراب ہو جاتے تھے۔ یہ طالب علم چاہے جس ملک سے آئیں مگر اندلس میں ان کو ہر طرح کی آسایش نصیب ہوتی تھی۔ اور خلیفہ کا محل تو گویا کتاب سازی کا کارخانہ تھا۔ جہاں ہر وقت کتابیں نقل کی جاتی رہتی تھیں۔ کہیں انپر سونے کی جدولیں بنائی جاتیں اور کسی طرف جلد بندی ہوا کرتی۔ غرضکہ اسی طرح "پطرس" نے بہت کچھ بیان کیا ہے۔

اسکے بعد اہل عرب کی ایجاد نے کاغذ سازی کو ترقی دی۔ اور اسکے کچھ زمانہ بعد سنگ چھاپہ کا انکشاف لوگوں کے لئے اظہار خیالات میں موجب سہولت ہوا۔ علم و ہنر کے قاصد یعنی یورپ کے طالبان علوم سپین کے علمی سرچشمہ سے سیراب ہو کر اپنے اپنے ملکوں میں واپس گئے تو انہوں نے اپنی قوموں کو زیور علم و حکمت سے آراستہ بنانے پر توجہ کی۔ ازاں بعد اہل یورپ کی عقلوں میں فلسفہ کی ایک نئی روشنی چمک دکھلانے لگی۔ جسکو یورپ میں فلسفہ ابن رشد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے بس پھر کیا تھا مسیحیت نے علم سے فوراً لڑائی ٹھان دی۔ جہاں کسی کی زبان سے کوئی بات کتب مقدسہ کے نص صریح کے خلاف یا کلیسہ کی حدود تقلید سے متجاوز نکلی۔ یا سنا گیا کہ فلاں شخص یوں کہتا ہے۔ اور اسکی شامت آگئی۔ "ڈی رومنیس" نے کہا کہ:۔ قوس قزح (دھنک) خدا کی جنگی کمان نہیں ہے جسکے ذریعہ سے جب وہ چاہتا ہے اپنے بندوں سے انتقام لیتا ہے۔

بلکہ یہ صورت پانی کے باریک قطروں میں آفتاب کی روشنی کا عکس پڑنے سے پیدا ہوتی ہے۔
پس فوراً ہی اس روشن خیال عالم کو گرفتار کر کے "روما" کی جانب روانہ کر دیا گیا جہاں وہ قید میں
پڑا پڑا مرگیا۔ مگر اس پر بھی عیسائی پیشوایانِ مذہب کو صبر نہ آیا یہاں تک کہ مرنے کے بعد اس بدبخت
عالم کی لاش اور کتابیں فتوے سے دیکر آگ کی نذر کر دی گئیں۔ فتوے دینے کی وجہ یہ قرار دی گئی
کہ اس نے "روما" اور "انگلستان" کے کنیسوں میں باہمی صلح و صفائی کرا دینے کا قصد کیا تھا
اور حق یہ ہے کہ اس گناہ سے بڑھکر دوئی اور گناہ کیا ہو سکتا تھا؟ بے شک یہ گناہ قوس قزح کو
پانی کی باریک بوندوں میں تابشِ آفتاب کے انعکاس کا نتیجہ بتانے سے بدرجہا بڑھا ہوا تھا۔

چھپی ہوئی کتابوں کی نگرانی اور تفتیش کا محکمہ۔

چھپی ہوئی کتابوں پر سخت نگرانی قایم کی گئی۔ ہر ایک
مؤلف اور چھاپنے والے پر ضروری تھا کہ وہ پہلے
اپنی تصنیف کردہ کتاب یا جس کتاب و مضمون کو وہ
چھپوانا چاہتا ہے پادریوں یا اس مجلس کو دکھادے جو نگرانی کے لئے متعین ہوئی تھی۔
مجمع مقدس نے حکم صادر کر دیا کہ جو شخص بغیر نگران کی منظوری کے کوئی کتاب یا کاغذ شایع کریگا
اسکو بہت بھاری سزا دی جائے گی اور نگران افسر کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ جس کتاب میں
کیتھولک عقیدہ کے مخالف کوئی بات بھی پائی جائے وہ ہرگز نہ چھپنے پائے۔ مالکان مطابع
پر باوجود کسی نہ منظور شدہ کتاب چھاپ لینے کے بہت بھاری جرمانہ ہونیکے علاوہ اُن کو
کنیسہ کی رعایت سے بھی خارج کر دیا جاتا تھا۔

یہ محکمہ تفتیش مطبوعات کا مخص علم اور فلسفہ کی روک تھام کیلئے قایم کیا گیا۔ کیونکہ جب
قاضی "ابن رُشد" اندلسی کا فلسفہ اُسکے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کی کوششوں
سے دنیا میں پھیلنے لگا تو خاصکر ملک فرانس کے جنوبی حصہ اور مملکت اٹلی میں ایسا محکمہ قایم کرنے
کی ضرورت پڑی اور پادری "لوئی کیانیڈ" اسکے قیام کا محرک اول ہوا۔

اس محکمہ نے اپنی خدمات نہایت خوبی سے انجام دیں چنانچہ ۱۸ سال کی قلیل مدت میں
یعنی ۱۴۸۱ء سے لیکر ۱۴۹۹ء تک اس نے ۱۰۲۲۰ شخصوں کو زندہ جلوا دیا۔ ۶۸۶۰ شخصوں کو
تشہیر کرانے کے بعد پھانسی دیگئی۔ اور ۹۷ ہزار ۲۳ شخصوں کو مختلف سزائیں دیں۔ اور آخر میں

تمام عبری زبان کی توراۃ کی کتابیں آگ میں ڈلوادیں۔ اب سوال کیا جائے گا کہ اس محکمہ مقدسہ کے پاس تحقیقات کے وسایل کون کون سے تھے؟ صرف ایک وسیلہ مگر اپنے طرز میں فرد یعنی متہم شخص کو پکڑ کے طرح طرح کے تکلیف رساں آلات کے ذریعے سے ایذا دیجاتی۔ یہاں تک کہ وہ خواہ مخواہ اپنے سر پر لگائے گئے الزام کا اقرار کر لیتا۔ اور اقرار ہوتے ہی حکم اور سزا کا نفاذ چند منٹوں میں ہوجاتا تھا۔ سنہ ۱۵۱۵ء میں "مجمع لاتران" نے قرار دیا کہ جو شخص فلسفہ ابن رشد پر غور کرے اُسکو ملعون کر دیا جائے۔ تاہم ذی مقدرت لوگوں اور ہر طبقہ کے شایقین علم نے جہاں تک ممکن ہوا فلسفہ ابن رشد کے انوار سے اپنے دماغوں اور عقلوں کو منور کیا محکمہ تفتیش بھی ایسے بادی چوروں کی طرف سے غافل نہیں رہا۔ وہ بھی اس بدعت کو ظاہر کرنے اور جہاں کوئی سوپردوں میں اپنے آپ کو چھپائے مگر وہاں سے بھی نکال لانے میں سرگرم رہا۔ کیا شہر کیا مکانات۔ کیا تہ خانے۔ سرنگیں۔ مخازن۔ باورچیخانے۔ پہاڑوں کے غار۔ جنگلوں کی جھاڑیاں۔ کھیت اور کھلیان۔ غرضکہ کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں علوم و فلسفہ کے قدردانوں نے پناہ نہ لی ہو اور اپنے تئیں چھپایا نہ ہو۔ مگر مقدس محکمہ کے بھیدی اور مستعد و کارگزار گماشتے اونھیں ڈھونڈھ ہی لاتے تھے۔ اور کیفر کردار کو پہنچا کر ہی دم لیتے تھے۔ اور کیوں نہ ہو "میں اس لئے نہیں آیا ہوں کہ امن قائم کردوں۔ بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں" اس کلام ضلالت التیام پر عمل کرنے کے لئے دینی غیرت مندوں کو ایسی ہی ہمت و تندہی دکھانی لازم تھی!!۔

پادری اور راہب لوگ گرجا گھروں اور خانقاہوں میں۔ اشراف اپنے محلوں میں۔ تاجر اپنے گوداموں میں۔ کاریگر کارخانوں میں۔ اور عام لوگ اپنے اپنے گھروں اور کھیتوں میں سے جہاں ملتے پکڑ بلائے جاتے اور محکمہ میں حاضر ہو کر اپنے ذمہ لگائے گئے الزام کی جوابدہی کرتے اور سزا پاتے تھے۔

لاتران کے مجمع نے قرار دے رکھا تھا کہ رومن کیتھلک مذہب کے ضروری عقیدہ کے مطابق لوگ کلیسوں میں آکر پادریوں کے روبرو اپنے اپنے گناہوں کا اعتراف کردیں تو وہ گناہ کی آلودگی سے پاک ہوجائیں گے۔ یہ طریقہ تھا جسکی وساطت سے وہ لوگوں کے عندیہ پر آگاہی حاصل کر کے انہیں مقدس محکمہ کے شکنجہ میں کس لیتے تھے۔ جب کوئی لڑکی یا کوئی بیاہی ہوئی عورت یا کسی کی بہن اتوار کے دن کلیسہ میں اعتراف گناہ کے لئے حاضر ہوتی تو اس سے اُسکے باپ۔ شوہر۔ یا بھائی کا عقیدہ دریافت کیا جاتا اور پوچھا جاتا کہ وہ گھر میں کس طرح کی باتیں کیا کرتا ہے اور اُسکے کاروبار کی کیا حالت ہے

اُسکا طرز عمل کیسا ہے؟

یہ سوالات کچھ ایسے پیچدار طریقہ سے کئے جاتے تھے کہ جس شخص کا حال پوچھا جا رہا ہے وہ اگر علم مقدس کے سوا کسی دوسرے علم کو حاصل کرتا ہو تو ضرور اُسکا راز کھل جائے اور جہاں ایسے شبہ کا موقع ملا۔ پس فوراً اُسکا مقدمہ مقدس مجمع کے سامنے پیش ہو گیا۔ اب آیندہ کیا ہوتا تھا؟ کیا اُس شخص کو حق تھا کہ وہ اپنے سر تھُپے ہوئے الزام کے شاہد طلب کرے؟ کبھی نہیں۔ اسکا کوئی جواب بجز اسکے نہ تھا کہ جان گزا تکلیفوں میں مبتلا کیا جائے جن کے صدمہ و الم سے دق آکر آخر جار و ناچار الزام کا اعتراف کر لے۔ اور نہنگ اجل کے منہ میں کود پڑے!!!

خلاصہ یہ ہے کہ اس مقدس مجمع نے تمام اہل یورپ کے دلوں میں ایسا رعب ڈال رکھا تھا کہ جسکے دل میں علم اور ذہن سلیم سے کام لینے کا ذرا سا خیال بھی آجاتا تھا ساتھ ہی وہ اس بات کو بھی تصور کر لیتا تھا کہ اب اوسکی شامت آگئی اور قید و بند سختی اور مار پیٹ شکنجہ اور گرم آہنی سلاخیں یہ سب چیزیں اوسکو تکلیف دینے کے لئے تیار ہیں۔ لہٰذا اگر اُس نے وہ خیال اُسی وقت دل سے نکال دیا تو اسکی خیر تھی ورنہ کُتے کی موت مرنا ضروری تھا۔ اُس زمانہ کے تمام لوگوں کا قول تھا کہ "تقریباً یہ ایک محال امر ہے کہ آدمی مذہب عیسوی کا پابند ہو اور پھر بستر پر پڑا ہوا اپنی موت سے مرے"

اس محکمہ نے اپنے قائم ہونیکے دن یعنی ۱۴۸۱ع سے لیکر ۱۸۰۸ع تک ۳۲۷ سال کے عرصہ میں تین لاکھ چالیس ہزار جانیں ضائع کیں جن میں تقریباً دو لاکھ آدمیوں کو زندہ آگ میں پھونک دیا گیا۔

مسیحیت کا یہودیوں مسلمانوں اور عام اہل علم پر ظلم و ستم توڑنا۔

چونکہ مقدس پادریوں کے گمان میں یورپ میں علم اور شخصی آزادی کے سیلاب آنیکا سرچشمہ قاضی ابن رشد اندلس کا مشہور فلاسفر اور مسلمان عالم قرار پایا تھا۔ اور ابن رشد کے حلقہ درس میں زیادہ تر یہودی طالب علم شریک ہوتے تھے جو اپنے فاضل اوستاد کے خیالات پھیلانے کے الزام میں مجرم قرار پائے۔ اور پھر چونکہ ابن رشد خود مسلمان تھا۔ اسواسطے کنیسہ کی آتش غضب نے مشتعل ہو کر یہودی اور مسلمان دونوں قوموں کو جلا کر خاک کر دیا۔ ۳۰ مارچ ۱۴۹۲ع کو یہ حکم صادر ہوا کہ جو یہودی بپتسمہ لینا قبول نہ کرے اُسکی عمر خواہ کتنی ہی ہو اور وہ جس حالت میں بھی ہو حکم جولائی سنہ رواں سے پہلے پہلے سرزمین سپین سے نکل جائے۔ اور اُن میں جو شخص پھر

اس ملک میں قدم رکھے گا وہ قتل کر دیا جائیگا۔ ہاں اُن کو یہ اجازت دیجاتی ہے کہ اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیدادوں کو فروخت کر دیں لیکن اس شرط سے کہ اوسکی قیمت میں سونا یا چاندی نہ لیں (یعنے زر نقد نہ لیں) بلکہ ہنڈیاں اور چک لکھوالیں۔ مگر بھلا اُنکے مال کا خریدار کون ہو سکتا تھا اسلئے کہ جو چیز تین ماہ بعد بلا قیمت اُن کے ہاتھ آتی تھی اُسے قیمت دیکر خریدنا کسکے نزدیک عقلمندی ہو سکتی تھی "تورکماندو" کا حکم تھا کہ اسپین کا کوئی باشندہ اُن یہودیوں کو کچھہ بھی امداد نہ دے۔ غرضکہ اس قابل رحم حالت کے ساتھ یہودی لوگ اپنے وطن سے جلا وطن کئے گئے اور وہ بچارے "جان بچی لاکھوں پائے" کہکر سب مال و دولت چھوڑ کے بھاگ نکلے لیکن اسپر بھی ہزاروں راستہ میں بھوکوں مر گئے۔ کیونکہ تنگدستی کے علاوہ سفر کی مصیبت بھی ناقابل برداشت تھی۔

اِس واقعہ کے دسویں سال یعنی فروری سنہ ۱۵۰۲ء میں ازابلا نے دشمن مغربی لوگوں (مسلمانوں) کو حکم ملا کہ "اشبیلیہ" اور اُسکے قرب وجوار سے نکل جائیں۔ اُنکے لئے بھی وہی شرطیں قرار دی گئی تھیں جو یہودیوں پر پہلے گذر چکی ہیں جن کے ساتھہ ہی ایک خاص شرط یہ بھی رکھی گئی تھی کہ وہ ایسے راستہ سے ہو کر نہ جائیں جو کسی اسلامی ملک کو جاتا ہے۔ خلاف ورزی کی سزا قتل تھی۔ اسلئے بیکس مسلمان سب کے سب اگرچہ تلواروں سے نہیں قتل کئے گئے۔ تاہم موت کے مُنہ میں ڈھکیل کر گویا ہلاک ہی کر دیئے گئے کیونکہ اسلامی ممالک میں نہ جائیں تو کہاں جائیں؟ صحرا اور پہاڑوں میں ننگے بھوکے ٹھوکریں کھا کھا کر جان دیں۔

کیا ناظرین اس بات کو دیکھکر متحیر نہ ہو جائینگے کہ سنہ ۱۶۰۰ء میں "برونو" ایک مدت دراز قید رکھے جانے کے بعد زندہ جلا دیا گیا؟ کیوں؟ اسلئے کہ اُس نے وحدت الوجود کا مسئلہ صوفیہ کے قول کے مطابق بیان کیا تھا۔ زمین کے کروی ہونے کا مسئلہ پہلے پہل مسلمانوں ہی میں ظاہر ہوا۔ خلافت عباسیہ کے ابتدائی دور میں اس رائے کا اظہار ہوا تھا۔ اسکو سُن کر کسی شخص کے کان پر جوں تک نہیں رینگی لیکن اس مسئلہ کے ظہور نے عالم نصرانیت میں جو ہلچل پیدا کیا وہ حیز تحریر میں نہیں آسکتا جسکو دیکھنا ہو تاریخ اٹھا کر دیکھہ لے۔

کیا ناظرین اس بات کو سچ مان سکتے ہیں کہ جس وقت کولمبس نے بحر اطلانتک میں کوئی نئی زمین تلاش کرنیکے خیال سے سفر کا ارادہ ظاہر کیا تو کلیسہ نے اس بات کو بہت کچھہ قابل توجہ سمجھکر اُسکے

اصول دین سے مخالف ہونیکی رائے قایم کی اور "سلامانک" کے مجمع نے اسکے عدم جواز کا حکم دیدیا۔ گو اسپر دوبارہ غور کیا گیا اور بڑے بڑے نامی عیسوی مذہبی مقتداؤں کے اقوال رسولوں کے قول۔ اناجیل اور کتب مقدسہ کی پیشینگوئیاں اسکے متعلق نکالی گئیں لیکن نتیجہ کیا تھا وہی مرغی کی ایک ٹانگ "ناجائز۔ کفر۔ بدعت۔ آخر کینسہ کے خلاف رائے ایک بادشاہ نے "کولمبس" کو مدد دی اور اس نے اپنا عزم پورا کیا جسکا حال تاریخ سے عیاں ہوتا ہے۔ کرسٹوفر کولمبس" لکھتا ہے کہ "یہ اپنا عظیم الشان اور جلیل ارادہ ابن رشد کی کتابیں دیکھنے سے اسکے دل میں پیدا ہوا تھا" اور اب ہم صاف طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ چرچ کی ناراضی کس بنیاد پر تھی کینسہ نے اس اصل کو دانتوں سے پکڑ رکھا تھا کہ "مذہبی علما کے اختیارات غیر محدود ہیں اور عوام پر صرف ان کے اوامر کی پابندی واجب ہے" لہذا ہر ایک ایسی رائے جو زمین و آسمان میں حل و عقد کرنے والے دینی مقتداؤں سے نہ نکلی ہو۔ باطل اور قابل تردید ہے جہاں تک ممکن ہو اسے مٹانا چاہیئے۔ یہی باعث تھا کہ "گلیلی" جس نے ستاروں کی گردش موجودہ زمانہ کے علمائے فلک کی رائے کے مطابق بتائی تھی مقدس مجمع کے حکم کی لپیٹ میں آگیا۔ +

کینسہ کی طرف سے ٹیکا لگانے کی روک ٹوک۔

جس وقت متعدی امراض کا ٹیکا ایجاد ہوا تمہیں معلوم ہے کہ کیا آفت برپا ہوئی تھی؟ سنو! یہ طریقہ آستانہ علیہ میں مسلمانوں کے ہاں مدت سے رائج تھا اور انہیں میں سے کسی نے اسکا انکشاف بھی کیا تھا۔ پھر ایک عورت "ماری مونتاجو" نامی ۱۷۲۱ع میں اس فن کی واقفکار ہو کر اسے یورپ میں منتقل کر لے گئی۔ پھر کیا تھا۔ پادریوں نے زمین سر پر اٹھا لی اور کہا کہ اسکا استعمال ناجائز ہے۔ آخر اسکو رواج دینے کے لیئے شاہ انگلستان سے مدد لینے کی ضرورت پڑی۔ پھر جب چیچک کا ٹیکہ ایجاد ہوا تو اس وقت بھی پادریوں نے بڑا شور وغل مچایا اور اسے ناجائز قرار دیا۔ +

تسہیل ولادت کی روک تھام

اسی طرح جب ولادت کے وقت عورت کو بےحس بنا دینے کی تدبیر سوچی گئی تاکہ وہ بچہ جننے کی تکلیف محسوس نہ کر سکے تو اسکے واسطے بھی پادری صاحبان کی طرف سے یاؤں کہئے کہ چرچ اور

مذہب عیسوی کی جانب سے اس امریکن ایجاد پر یہ اعتراض جڑا گیا کہ یہہ امر عورت کو اُس لعنت اور اس سزا سے چھٹکارا دلاویگا جو سفر تکوین (کتاب پیدایش بائبل) میں اُسکے لئے ضروری بتائی گئی ہے کیونکہ اوسکے تیسرے اصحاح میں آیا ہے "اور عورت سے بخیال کثرت کہا گیا کہ تیری زیادہ تکلیفین تیرا حمل ہی تو درد کے ساتھ بچے جنیگی +

تمدنی حکومت اور حریتِ اعتقاد کی روک تھام

سنہ ۱۸۶۴ء مین پوپ روم نے ایک فرمان شایع کیا جسمین درج تھا کہ جو شخص کنیسہ کو دنیاوی حکومت کے ماتحت رہنے کو جایز قرار دے یا اس بات کو جایز سمجھے کہ کوئی شخص کنیسہ کی رائے کے خلاف کتب مقدسہ کی کچھہ تفسیر کر سکتا ہے۔ یا یہ خیال کرے کہ ہر شخص اپنے عقیدہ اور خدا کو ماننے کے بارہ مین آزادی رکھتا ہے یعنی جس طرح وہ خدا کو سمجھتا اور مانتا ہے اوسکے لئے وہی ٹہیک ہے۔ تو ایسے لوگوں پر لعنت کیجائیگی۔ اور پوپ ہی کا ایک دوسرا فرمان سنہ ۱۸۶۵ء مین شایع ہوا جسمین تحریر تہا کہ اہل ایمان کو کنیسہ کی عظمت اور اوسکا اقتدار قایم رکہنے کے لئے اپنی جانین۔ اور اپنے مال فدا کر دینے واجب ہین۔ اور اُنپر لازم ہے کہ کنیسہ کی متابعت مین اپنی رائے اور اپنے خیالات سے دست بردار ہو جائین بلکہ جو احکام کنیسہ کیطرف سے ملتے ہین اونکو بلا چون و چرا تسلیم کر لیں۔ پوپ نے آرتہوڈکس رومیوں اور پروٹسٹنٹ دونون کو اس طریقہ سے رومن کیتہلک چرچ کی پیروی کرنیکے لئے ہدایت کی تہی *

سنہ ۱۸۷۱ء مین سلطنت پرشیا (جرمنی) اور حکومت پوپ (اٹلی) کے مابین ایک یونیورسٹی کالج کے پروفیسر کو اوسکے عہدہ سے برطرف کرنیکے بارہ مین نزاع پیدا ہو گیا۔ اُس پروفیسر نے کوئی ایسا خیال ظاہر کیا تہا جو کیتہلک فرقہ کے مناسب حال اور دلپسند نہ تھا۔ اسلئے پوپ نے اُس پروفیسر کو شرکت کنیسہ سے محروم اور خارج از مذہب قرار دیکر حکومت جرمنی سے اوسکو برطرف کر دینے کی ہدایت کی۔ اور یہ ایک پولیٹکل (سیاسی) پیچیدگی تھی جسپر عمل کرنے مین سخت مشکل آپڑتی لیکن پرنس "بسمارک" کے استقلال اور ہمت نے انیسوین صدی کی مدنیت کا

پلہ غالب رکھا اور کنیسہ کی حکومت کو ایسے امور میں مداخلت کر کے پروفیسر کو اپنے عہدہ پر قایم رکھا اور محکمہ تعلیم کو دنیاوی سلطنت کی ماتحتی میں داخل کر لیا۔

علمی مجلسوں اور کتابوں کی روک ٹوک

میں اون علمی مجلسوں (اکاڈیمیوں) کا کوئی ذکر بھی نہیں کرنا چاہتا جو کہ انسانی عقلوں کو جلا دینے۔ انہیں اونکے فوائد کی طرف ہدایت کرنے۔ اور انپر اسرار کائنات کا انکشاف کر کے انکی چشم بصیرت کو منور بنانے کے لئے قایم ہوئی تھیں اور جنکا اصول یہہ تھا کہ نظری بحث و تحقیقات سے اسرار فطرت کا پتا لگائیں اور انسان کو انسے اپنے مقصد و مطلب کا کام لینے کی ہدایت کریں۔ اس بارہ میں اون علمی مجمعوں نے زبانی فرمان والیئ کنیسہ سے پروانہ حاصل کرنا ضروری نہیں تصور کیا تھا اور یہی امر ان خدائی فوجداروں کی ناراضی کا باعث تھا۔ یہ امر قابل غور ہے کہ دیکھو کارڈنل اکسمنس نے مقام غرناطہ میں آٹھ ہزار قلمی کتابوں کے بیش بہا نسخے آگ میں جلوا دیئے جن میں بہت سے نسخے اون کتابوں کے ترجمے تھے جو اس زمانہ میں علمائے یورپ کی علمی تحقیقات اور اکتشافات کے ذریعے شمار کئے جاتے تھے۔

فرقہ پروٹسٹنٹ یا مصلح جماعت

اس مقام پر ممکن ہے کہ کوئی یہہ بات کہہ اٹھے کہ تم نے جو اسوقت بیان کئے وہ رومن کیتھلک چرچ کے اعمال تھے۔ مگر مذہب عیسوی میں بہت سے مصلح بھی ہوئے ہیں جنہوں نے مذہب کو اصل مقدس کتابوں کی جانب رجوع کرانے میں سعی کی ہے۔ وہ عام پیروان مذہب کو اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ کتب مقدسہ پر غور کرو اور اونکا مفہوم سمجھنے کی سعی کرو چنانچہ ظہور اصلاح کے زمانہ سے جبکہ لوگوں کے دل و دماغ سوچنے سمجھنے کے واسطے آزاد کر دیئے گئے عام طور پر انسانوں نے مذہب کے ابتدائی اصول کیطرف رجوع کرنا شروع کر دیا ہے اور مغرب کی سرزمین آفتاب علم و ہنر کا مطلع بنگئی ہے۔ اب وہاں علم و فن کے لئے آسانی اور ترقی کا راستہ صاف ہو کر شارع عام بنگیا ہے۔ اور یہ بات سمجھ سکے نہیں ہو سکتی تھی کہ دین کی طبیعت ایسا کرنے کا حکم دیتی

مین اسکے جواب مین اپنی طرف سے کوئی بات کہنے کے بجائے صرف یہی امر لکھدینا مناسب سمجھتا ہون جو خود پروٹسٹنٹ لوگون نے تاریخ اصلاح مین درج کیا ہے۔ سزائے موت ہمیشہ ایک ایسا قانون رہا ہے جسکا نفاذ ان لوگون پر ہوتا تہا جو کسی گروہ کے کسی اعتقاد کی مخالفت کرین "کلفان" جو فرقہ پروٹسٹنٹ کا سرغنہ تہا اُس نے بمقام "جینوا" "سیرفت" کو زندہ جلادینے کا فتوے اور حکم دیا۔ وجہ کیا تہی؟ یہی کہ اُسکے اعتقاد مین "مجمع نیقیہ" کے انعقاد سے قبل ہی مذہب عیسوی مین کچھہ بدعتین داخل ہو چکی تہین۔ اور وہ کہتا تہا کہ "روح القدس ہی تمام موجودات کو اپنے اپنے فرائض ادا کرنیکی قوت دیتا ہے" چنانچہ اس جرم کی سزا یہ ملی کہ وہ زندہ آگ پر بہونا گیا یہانتک کہ بڑی سختیون سے اُسکی جان نکلی۔ اسی طرح سنہ ۱۶۱۹ع مین "فانینی" کو بہی آگ مین جلا کر قتل کیا گیا تہا۔

"لوتہر" کو اُس شخص سے بہت سخت عداوت تہی جو ارسطو کے فلسفہ پر غور کرتا ہو۔ یہ مُصلح اُس عالم اور حکیم کو ناپاک اور کذاب سُؤر کہا کرتا تہا۔ اور اسی وضع کے اور بہی ناسزا وناگوار نام رکہتا رہا۔ کیون نہ ہو۔ یہی غیر متشددون کی زبان سے اس قسم کی باتین نکلنی کوئی عیب نہین!! ہان "کلفان" بہ نسبت "لوتہر" کے اس حکیم کو بہت کم بہلا برا کہتا تہا۔ تاہم وہ اسکے ساتھ کوئی حسن ظن بہی نہ رکہتا تہا۔ اور نہ اُس شخص کو کچھہ اچہا سمجہتا جو ارسطو کی کتابین دیکہنے مین ساعی ہو۔ مگر اسی کے بالمقابل مسلمان لوگ ارسطو کو "معلم اول" کے معزز نام سے یاد کرتے ہین۔ اب سوچو کہ ان دونون حالتون مین کیا فرق ہے!! بیان کیا جاتا ہے کہ پروٹسٹنٹ فرقہ کے لوگون نے کتب مقدسہ کے سمجہنے اور اُسکے مطالب حل کرنے مین عام لوگون کو آزادی عطا کی اونہون نے نجات کی تجارت جو پادریون اور چرچ کی مقدس جماعت نے رواج دے رکہی تہی دنیا سے مٹادی۔ بت پرستی کو نابود کیا۔ مگر یہ کہنا مشکل ہے کہ اونہون نے اس اعتقاد مین ذرا بہی تغیر کیا ہو کہ تمام انسانی علوم وفنون کی جڑ کتاب مقدس اور صحائف آسمانی ہی ہین اور جس طرح وہ دینی امور کے لئے نور ایمان حاصل کرسکنے کے سرچشمے ہین اُسی طرح دنیاوی اور عقلی علوم وفنون

کا انکا اس بھی اُنہی سے ہے عقل کو ہرگز اس بات کی اجازت نہین مل سکتی کہ وہ ان کتب مقدسہ سے باہر اور کسی امر پر اپنی نظر ڈالے اور نہ کوئی ایسا علم جو کتب سماوی کے احاطہ سے خارج ہو انسانی ضروریات کے لئے سود مند ہو سکتا ہے۔ بہر حال پروٹسٹنٹ لوگون نے مذکورہ بالا چھہ اصولون مین سے کسی اصل کو باطل نہین کیا۔ ہان اتنا کام اونہون نے ضرور کیا کہ دینی پیشواؤن کو اونکی اُس حکومت مین غلو کرنے سے روکدیا جو سابق الذکر دوسری اصل کی بنیاد پر حد سے بڑہا دیگئی تہی اسلئے مذہب اصلاح بہی علم پر کچھہ ہم کم سختی کرنیوالا نہ تہا۔ اور نہ اُسکا معاملہ اس بارہ مین کیتہلک فرقہ سے کچھہ بڑہا ہوا ہے۔ بلکہ دونون مذہبون کی ایک ہی طبیعت پائی جاتی ہے جو چھہ اصول متذکرہ صدر پر قایم ہے چنانچہ دونون مذہبون مین عقل و فکر سے کام لینے والون کی سزا قتل و خونریزی کے سوا کوئی اور بات نہ تہی۔

بیشک اگر مین مذہبی مباحثہ کرنے والون مین شامل ہونا چاہتا تو دین مسیحی کے عناصر اور اجزا گناتے ہوئے مین بھی اون لوگون کی طرح جنہون نے صلیبی جنگ کے حالات پر تنقیدی نظر یا کینہ کے مظالم پر نکتہ چینی کی ہے یون لکھدیتا کہ "جو لوگ اپنی عبادت مین خونخواری کو جزو اعظم سمجھتے ہین اونکے نزدیک قتل اور خونریزی کونسی بڑی بات ہی؟ جن لوگون کا یہ اعتقاد ہو کہ نجات کا مقصد ظالمون اور ناخدا ترسون کے ہاتہون ایک بیگناہ (مسیح) کا خون کرنے سے حاصل ہو چکا ہے وہ انسان کی جان لینے مین کب چوک سکتے ہین؟ مگر بات یہ ہے کہ مین اپنی اس بحث مین جدال اور کج بحثی کو چھوڑکر۔ اور الزامی جوابات سی قطع نظر کرکے صرف تحقیقی دلیلین اور واقعی شواہد پیش کرنا چاہتا ہون۔ اور جو کچھہ مین نے لکھا یا آیندہ لکھونگا وہ سب بلا قیل و قال قابل تسلیم ہے کسی کو اُسکی صحت مین دم مارنے کی گنجایش نہین۔ +

کیا مسیحیت مین دینی اور دنیاوی حکومتون کے مابین امتیاز کیا گیا ہے؟

اب ہمکو معترض رسالہ الجامعہ کے اُس دعوی پر نظر کرنا باقی رہگیا جس مین اُس نے کتاب مقدس کی عبارت سے مذہب عیسوی

مین دینی اور دنیاوی حکومتون کا جدا جدا ہونا ثابت کیا ہے۔ اور دکھایا ہے کہ اسی امتیازی
فرق کی وجہ سے دین عیسوی کی طبیعت علم وکمال کے لیئے آسانیان بہم پہونچانے مین
اپنی آپ نظیر رہی۔ خیر ہم مانے لیتے ہین کہ ظاہر عبارت سے وہی معنی نکلتے ہین جو ہمارے
مخاطب نے بیان کئے ہین یا اُسکے سوا اور بہت سے اون لوگون نے بہی ایسی ہی تاویل
کی ہے جنہون نے دینی اختیارات اور حکومت کو گھٹانا چاہا تھا۔ مگر اب ہم سوال کرتے
ہین کہ جب خود بادشاہ کا دین۔ مذہب اُسے علم کے ساتھ عداوت رکھنے کا حکم دے رہا ہے
تو پہر حکومت سے الگ کرنے کا فایدہ کیا ہوگا۔ ؟ کیا بادشاہ کا اعتقاد اور جو چیز خود اسکی ملک
ہے وہ ایسی چیز کو چھوڑ کر جس مین اسکی روحانی نجات ہو سکتی ہے اُسے دنیاوی حکومت
و سلطنت کا لحاظ کرنے پر متوجہ رکہیگی ؟ بہت سے بادشاہ ایسے ملینگے جنہون نے اپنے عقائد
کی حکومت پر اپنی سلطنت کی بہبودیون کو قربان کر ڈالا ہوگا۔ اور تم یہ بھی مان لو کہ ملکی
مصلحتین عقیدہ کی غیر مغلوب طاقت کو زیر کر لیتی ہین۔ اور ہمیشہ سیاسی معاملات مین
ملت و مذہب کا کوئی دخل نہین ہو نے دیتین۔ وہ ایمان اور جوش مذہبی کو اپنے سامنے
دبا ہوا رکہتی ہین۔ اسلیئے یہ کہنا درست ہے کہ مذہب نے دو جدا گانہ حکومتین قایم کی ہین جنمین سے
ایک محض دنیاوی معاملات کی حل وعقد کرتی رہتی ہے۔ اور دوسری دنیا و آخرت یا زمین و
آسمان دونون جہانون مین بارسوخ اور صاحب حل وعقد ہے تو کیا یہ فاصلہ اُن دونو حکومتون
کے باہمی تنازع کی جڑ نہ ہوگا ؟ اور اون مین سے ہر ایک حکومت اس بات کی خواہش نکریگی
کہ جو لوگ اون دونون کے زیر اثر ہین اُنپر بلا شرکت غیرے قابض اور حکمران رہے ؟ -
یا کیا دینی حکومت اِس بات کو ٹہنڈے دل سے گوارا کریگی کہ اُسکی رعایا کے جان و مال
بلکہ اُن کی عقلون تک پر دنیاوی بادشاہ فانی حکومت کے فواید اور مصالح کا خیال رکھکر جسطرح
چاہین تصرف کرتے رہین خصوصًا جبکہ وہ تصرف آسمانی کتابون کے نص صریح اور روحانی پیشواؤن
کی تاویل اور اونکی طرز عمل کے خلاف بھی ہو ؟ - پہر اس صورت مین اگر دینی حکومت دنیاوی

حکومت کو روکنے اور اوسکو اوسکے ارادون سے باز رکھنے پر زور لگاتے تو کیا دنیاوی سلطنت
اس دخل در معقولات پر رضامند رہے گی ؟ ہرگز نہین - اور دینی حکومت کے غالب آنے
کے وقت سے اب تک مسیحی دنیا مین یہی خرابی پڑی رہی ہے - +

یہ ایک انہونی بات ہے کہ دنیاوی حکومت دینی حکمرانی کو مغلوب کر کے اُسے ایک خاص حد
پر قایم کر دے - کیونکہ دینی حکومت کے احکام مؤید من اللہ ہوتے ہین اور اونکا اثر انسانون کے
دلون پر محیط ہو کر اُنہین جس طرف چاہتا ہے لے چلتا ہے - اور دنیاوی حکومت کی قوت
تو آخر اُنہین انسانون پر منحصر ہے جو طوعاً دینی حکومت کے سامنے سر نیاز جھکاتے ہین ؟
اسلئے دنیاوی بادشاہ دینی حکومت کو اُس وقت تک ہرگز مغلوب نہین کر سکتا جبتک کہ
بیشمار وسائل اُسکی قوت اور رسوخ کو کمزور کرنے کے لئے بہم نہ پہنچا لے - البتہ اگر یہ بات
ہو سکتی کہ بدن جو دنیاوی حکمران کے زیر اثر ہوتے ہین بلا امداد روح کے جو اونکی مایہ حیات ہے
اپنے کاروبار انجام دے سکتے - اور روحین بھی اسی طرح بغیر وسیلہ بدن کے جو اوسکی قوتون کو اُٹھائے
رہتے ہین اپنا کام کر سکتین تب تو بلا شبہ جس قسم کی علیحدگی دونون سلطنتون مین قرار دیگئی ہے
وہ بآسانی جلوہ گر ہو سکتی اور علم و ہنر کے ساتھ ہر طرح کا تسامح بھی ممکن ہوتا - +

علاوہ برین مین دریافت کرتا ہون کہ آیا انجیل کی عبارت کے یہی معنے ہین جو ہمارے
معترض نے بیان کئے ؟ انجیل مین جو قصہ بیان کیا گیا ہے وہ تو یہ ہے کہ بعض ظاہرداروں
اور منافقون نے مسیح کو دہوکا دیکر اُنہین کسی غلطی مین مبتلا کرنا چاہا - تاکہ جب وہ کوئی خلاف
اصول بات کہین تو اون لوگون کو چُغلی کہانے اور بدنام کرنے کا موقع ملے - اسلئے اُس منافق
شخص نے مسیح سے سوال کیا - وہ کیا یہ بات جائز ہے کہ ہم قیصر کو خراج دین ؟ مسیح نے
جواب دیا - تم مجھے آزماتے کیون ہو ؟ ایک اشرفی میرے پاس لاؤ تاکہ مین اوسکو دیکھون -
لوگ ایک اشرفی مسیح کے پاس لے آئے تو مسیح نے کہا - اسپر یہ صورت اور کتابت کسکی ہے ؟
لوگون نے کہا - قیصر کی - تو مسیح نے کہا " جو قیصر کا حق ہے وہ قیصر کو اور جو خداوند کا حق ہے وہ

خداوند کو دوگے اب اس عبارت کے وہ معنے جو سیاق قصہ سے عیان ہوتے ہین۔ یہ ہین۔ کہ جن سکون کے ساتھہ تم لوگ باہم معاملت کرتے ہو اُن کے مالک اور بنانے والے نے اگر تم پر کوئی رقم خراج کی مقرر کر دی ہے تو وہ اُسے ضرور دو لیکن تمہارے دل۔ اور تمہاری عقلین۔ اور تمام وہ چیزین جو خدا کی ملک ہین۔ اور جنپر اُسکی صنعت کی مُہر لگی ہے اُن مین سے قیصر کو کچھہ بہی نہ دو۔ اور علم پر قیصر کا نہین ہوتا بلکہ خدا کا سکہ ہے۔ اسلئے علم محض روحانی اور دینی سلطنت ہی کے زیر اثر رہ سکتا ہے۔ دنیاوی حکومت کو اسپر قبضہ کرنے کا کچھہ بہی حق نہین۔ اب بتاؤ کہ اس عبارت مین علم کے ساتھہ کونسا تسامح پایا گیا؟۔

مسیح اور مسیحیت کے بارہ مین مسلمانون کا اعتقاد۔

ہم نے یہ جو کچھہ دین مسیحی کی طبیعت۔ اور اوسکے شارب کے حالات بیان کئے اور ابتدائے قیام دین عیسوی سے آج تک اس مذہب کے پیرو دن نے طالبانِ علم اور کاملانِ فن کے ساتھہ جو سلوک کئے یہ سب خاص عیسائیون ہی کی تاریخی کتابون سے ماخوذ ہین جو اُنہی کے ہاتہون کی لکہی ہوئی ہین یا اُنکی اُن دینی کتابون کی عبارتین ہین جنپر وہ اپنے طرز عمل مین استناد کرتے ہین۔

اب رہی یہ بات کہ خود ہماری اور صحیح العقیدہ مسلمانون کی مسیح علیہ السلام اور مذہب عیسوی کے بارہ مین کیا رائے ہے؟ تو ہم کہتے ہین کہ وہ خیال اُن خیالات سے بالکل جُدا گانہ اور مختلف ہے جن کو ناظرین قبل ازین مطالعہ کر چکے ہین۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ مسیح علیہ السلام خدا کی روح اور اوسکے کلمہ اور بنی اسرائیل کیجانب خدا کے رسول بنا کر بہیجے گئے تہے۔ وہ توراۃ کی تصدیق کرتے تہے اور بنی اسرائیل کو ایسا دین سکہلاتے تہے جس مین اونکی دینی اور اخلاقی ہدایتین شامل تہین اور معاد و معاش کے معاملات مین راہ راست پر چلنے کے احکام درج تہے مسیح علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے یہ کبہی نہین کہا کہ تم اپنی کسی ایسی قوت کو جو خداوند پاک نے تمہین عطا کی ہے معطل کر دو۔ بلکہ اونہون نے یہی ہدایت کی کہ ان نعمتون اور قوتون سے

عطا ہونے پر خدا کا شکر بجالاؤ۔ اور شکر بجالانے کا حق اُسی وقت ادا ہو سکتا ہے جبکہ اُن قوتوں کو اون کے موقعوں پر صحیح طور سے استعمال کیا جائے۔ ہمکو جناب مسیح علیہ السلام کے جس قدر صحیح حالات معلوم ہوئے ہین اُن مین سے کوئی بات مذکورہ بالا عقاید کے مخالف نہین۔ اسلئے اگر انکی کوئی ایسی بات بھی معلوم ہو جو بظاہر ان عقاید اور اصول کے مخالف پائی جائے تو ممکن ہے کہ ہم اُسکی تاویل کرکے اُسکے معنی ٹھیک کرلین یا اُسکے سمجھنے کا معاملہ خدا پر چھوڑکر کہین۔ کہ "لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا"

دین الٰہی اگلی اور پچھلی سب قومون اور زمانون مین ایک رہا اور ایک ہی رہے گا۔ ہان اوسکی صورتین اور ظاہری اطوار کسی قدر ایک دوسرے سے الگ الگ ہون گے۔ لیکن اوسکی روح اور وہ ماہیت جسکے ماننے کا حکم انبیاء اور رسولون (علیہم السلام) کی زبانی تمام دنیا والون کو دیا گیا ہے۔ ہرگز بدل نہین سکتی۔ وہ دین الٰہی کی ماہیت کیا ہے؟ خدائے واحد پر ایمان لانا۔ خلوص نیت اور سچے دل سے اُسکی عبادت کرنا۔ نیک کامون مین ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ ایک دوسرے کو تا امکان ایذا اور تکلیف نہ پہونچانا۔ اور یہ امر اسکا منافی نہین پڑتا کہ انسانون کی عقلی ترقی اور اُنکے کمال ہدایت کے لئے مستعد ہونے پر دین مین بھی ترقی ہوتی جائے۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ اسلام تمام انسانون کو انہی اصول پر متفق بنانے کے لئے دنیا مین آیا۔ اُسکا اہم فرض یہ ہے کہ اہل کتاب مین جو اختلاف پڑا ہوا ہے اوسکو دور کرکے اُن مین باہمی بھائی چارہ قایم کرے اور دوستی اور محبت پر عمل کرنا سکھانے کی سعی کرے اور مسلمان لوگ کئی صدیون تک جیسے جیسے وہ دین اسلام کے اصولون پر بخوبی قایم رہے اِس بات کے کر دکھانے مین بھی کامیاب پائے گئے۔

اب اگر کوئی شخص یہہ سوال کرے۔ کہ جب خود فضلاء یورپ تمہارے بیان کے مطابق اِس بات کے معترف ہین کہ اُن کے مذہب کی طبیعت ہی علم کے منافی اور اوسکی سخت دشمن ہے تو آخر اس انقلاب کو کیا سمجھنا چاہئے جو آج یورپ کی علمی دنیا مین نظر آتا ہے؟ اور اسے

کیا کہنا چاہئے کہ وہان آج گوشہ گوشہ مین علم کو عام رواج ہو رہا ہے؟ تو ممکنا ہو آ
دین اسلام کی طبیعت بیان کر دینے کے بعد دیا جائیگا۔ جبکہ یہہ بات دکھلا دی جائے گی کہ
اسلام مذہب کے ساتھہ کیسا سلوک کرنا چاہتا ہے۔ اور اس طبیعت کا کیا اثر ہوا پھر کن باتون
نے دین اسلام اور اوسکے طرز عمل دونون کے ساتھ لاحق ہو کر اسکی طبیعت کے اثر پر پچھلے
زمانہ مین گہرا اثر ڈالدیا چنانچہ آگے چلکر ہم اسکا مختصر ذکر کئے دیتے ہین۔*

دوسری قسم اسلام کے بیان مین

(طبیعت اسلام اپنے اصول کے اقتضا سے علم کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے؟)

پہلی اصل کی تمہید درا صل اسلام دو باتون کی طرف بلاتا ہے۔ ایک خدا کے وجود اور اسکی توحید کا اعتقاد کرنا۔ دوسرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو سچ ماننا یہ پہلی دعوت مین تمام دار و مدار خود انسان کی عقل پر رکھا گیا ہے۔ اسے ہدایت اور تنبیہ کی گئی ہے کہ صحیفہ کائنات کا مطالعہ کرے۔ قیاس صحیح سے کام لے۔ اور دیکھے کہ دنیا کی ترتیب اور اسکا نظام۔ پھر اسباب کا مسببات کے ساتھ وابستہ ہونا اور ہر ایک کام کا مقررہ اصول پر چلتے رہنا یہہ سب باتین ضرور اس نتیجہ پر پہنچاتی ہین کہ دنیا کا کوئی بنانے والا بھی ہے اور وہ بے عیب کاریگر واجب الوجود ہے۔ عالم ہے۔ حکیم ہے۔ اور ہر امر پر قدرت رکھتا ہے پھر اسی کے ساتھ نظام کائنات کی یکرنگی یہ بھی بتاتی ہے کہ وہ صانع مطلق یکتا اور فرد ہے جسکا کوئی نظیر و شریک نہین۔ مذہب اسلام نے انسانی عقل کو اوس کے فطری راستہ پر بالکل مطلق العنان چھوڑ دیا ہے اور اسے آگاہ کر دیا ہے کہ آسمان و زمین کا پیدا کرنا۔ رات دن کا پے در پے لانا۔ ہواون کو اس طرح پر چلانا کہ انسان انسے اپنے فوائد مین تسخیر فلک کا عمل لے سکے تاکہ وہ ہوائین ابر کو اٹھا کر لائین اور ابر سے پانی برسے جس سے مردہ زمین زندہ ہو کر خدا کے حسب منشا نباتات اگائے۔ جو حیوانات کا رزق اور ان کے

لیے ممد حیات ہونے مین کار آمد ہون۔ یہ سب باتین خدا کی قدرت کاملہ کی نشانیان ہین اور انسان کو ان باتو نپر غور کرنا چاہیے تاکہ وہ خداشناسی کے مرتبہ پر فائز ہوسکے۔

اسکے علاوہ مذہب اسلام نے انسانی عقل کی مزید تنبیہ کے لیے کائینات کی ایک ایسی اصل کا بھی ذکر کیا ہے کہ اگر عالم ہستی کے اتار چڑھاؤ پر غور کیا جائے تو اُس اصل کا کسی قدر راز منکشف ہوسکتا ہے چنانچہ ابتداے آفرینش مین زمین و آسمان کی جو حالت تھی ذیل کی آیت مین اُسکا پورا نقشہ کھینچ کر دکھایا گیا ہے:-

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ پارہ-۱۷- رکوع ۳-

کیا نہین دیکھا اُن منکرون نے کہ آسمان و زمین بستہ (غنچہ کیطرح) تھے پھر ہمنے اُنکو کھولا۔ اور بنائی ہمنے پانی سے ہر ایک چیز جاندار کیا پھر بھی لوگ ایمان نہین لاتے

یا ایسی ہی اور آیتین بھی ہین جنمین عقل کو آزادی دیگئی ہے تاکہ وہ آفرینش عالم کی حقیقت معلوم کرنے کے میدان مین اپنی جولانیان دکھا سکے۔ پھر احادیث نبوی مین اس سے بھی بڑھکر تنبیہ کی گئی ہے جو سمند ناز پر تازیانہ کا کام دیتی ہے۔ مثلاً کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "آسمانون اور زمین کے قبل ہمارا پروردگار کہان تھا؟" رسول علیہ السلام نے اُسکو جواب دیا "کَانَ فِیْ عَمَاءٍ تَحْتَ ھَوَاءٍ"[۱]

"عماء" اہل عرب ابر کو کہتے ہین غرض کہ قرآن ایسے بڑے مسئلہ مین بھی عقل کو مقید نہین کرتا۔ نہ اس بارہ مین اُسپر کوئی محاسبہ کیا جاسکتا ہے۔ ناظرین قرآن کریم کو پڑھین اور مجکو اُن بیشمار آیتون کے فرداً فرداً بیان کرنے سے معاف رکھین جن مین سے چند آیتین حسب ذیل ہین:-

(۱) اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ (پ ۹ رکوع ۱۳)

کیا نگاہ نہین کی زمین و آسمان کے نظام سلطنت پر اور جو چیزین کہ اللہ نے بنائی ہین انپر۔

[۱] یہ حدیث ابن جریر- طبرانی- اور ابو الشیخ نے عظمت مین ابی رزینؓ سائل سے روایت کی ہے۔ اور یہ حدیث متشابہات مین داخل ہے اسکی تاویل صرف راسخ العلم علما کو معلوم ہوسکتی ہے۔

(۲) وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْکُلُوْنَ (پ ۲۳ رکوع ۱)

اور ایک نشانی اُنکے لئے مری ہوئی زمین ہے جسکو زندہ کیا ہمنے اور نکالے اُس سے غلون کے دانے جس مین سے وہ کھاتے ہین ۔

(۳) وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ ۔ (پ ۲۱ رکوع ۶)

اور اُسکی نشانیون مین سے ہے آسمان زمین کا بنانا اور مختلف ہونا تمہاری زبانون اور رنگتون کا ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر وہ سب آیتین بیان کیجائین تو ایک ثلث قرآن سے زیادہ بلکہ نصف سے بھی بڑھکر یہان نقل کرنا پڑے گا ۔

قرآن کریم عالم کائنات مین آثار قدرت الٰہی پر غور کرنیکی اجمالی ہدایت کیون کرتا ہے؟ اسی لئے کہ اُس سے عبرت حاصل کیجائے ۔ نعمت ایزدی کو یاد کیا جائے ۔ اور فکر کو اپنی قوت سے کام لینے پر برانگیختہ کیا جائے ۔ نہ یہ کہ اس سے کوئی فطری قانون طے کرنا مراد ہے ۔ یا خلقت عالم کی بابت کوئی خاص عقیدہ لازم کر لینے پر زور دیا ہے ۔ بلکہ اُس نے توحید باری پر دلیل لاتے ہوئے اس راستہ سے کبھی قدم نہین ہٹایا ہے ۔ چنانچہ دیکھو وہ کس طرح استدلال کرتا ہے :۔

لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۔ (پ ۱۷ ۔ رکوع ۲) ۔

اگر ہوتے ان دونون (آسمان زمین) مین اور کوئی معبود بجز اللہ کے تو بیشک یہ دونون خراب برباد ہو جاتے ۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا کَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ کُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۙ

(پ ۱۸ ۔ رکوع ۵)

نہین اختیار کیا خدا نے کوئی بیٹا اور نہین ہے اُسکے ساتھ کوئی دوسرا معبود ۔ ورنہ لیجاتا ہوتا تو لیجاتا ہر ایک معبود اپنی بنائی کو اور بیشک چڑھ جاتا ایک پر ایک ۔ اللہ پاک ہے ان کی (ایسی) باتون سے ۔

غرضکہ اس دعوت اور خدا اور اُسکی وحدانیت پر ایمان لانیکے بارہ مین اسلام بجز دلیل عقلی کے اور کسی چیز کو قابل سند نہین مانتا ۔ وہ صرف انسانی فکر کو جو کہ اپنے فطری نظام (جسکو نظام طبیعی بھی کہتے ہین) کے مطابق عمل کرتی ہے ۔ اس بارہ مین قابل استدلال سمجھتا ہے ۔ خارق عادت امور دکھا

دہڑکے نہین دیتا۔ غیر معتاد طریقون کے ذریعے سے انسانون کی آنکھون مین پٹیا چوندہ نہین ڈالتا نہ بلائے آسمانی نازل کرکے کسی کی زبان بند کرتا ہے۔ اور نہ خداوندی ڈانٹ اور کڑک کے ذریعے سے کسی کی فکری حرکت کو منقطع کرنا چاہتا ہے۔ مسلمانون مین سے معدودے چند لوگون کے سوا جنکی راے کچہہ ایسی قابل اعتماد نہین۔ اور باقی سب لوگون کا اسپر اتفاق ہے کہ نبوت پر ایمان لانے سے خدا پر ایمان لانا مقدم ہے۔ اور جبتک خدا پر ایمان نہ لایا جائے اُس وقت تک رسولان پر ایمان لانا ممکن ہی نہین ہے اسلئے ایمان باللہ کو رسولون کی ہدایتون اور کتب آسمانی کی آیتون سے اخذ کرنا درست ہی نہین ہوسکتا[۱]۔ کیونکہ جب تک کوئی خدا کی تصدیق کرکے اس بات کو نہ مان لے کہ خدا کتاب۔ اور رسول نازل کرسکتا ہے۔ اُس وقت تک کیونکر سمجہہ مین آسکتا ہے کہ وہ شخص خدا کی نازل فرمائی ہوئی کتاب پر ایمان لائیگا۔ اور علمانے یہہ بہی بیان کیا ہے کہ مکلف پر سب سے پہلے یہ بات واجب ہوتی ہے کہ وہ خدا کا اعتقاد حاصل کرنیکے لئے غور و فکر سے کام لے۔ تاکہ اُسکے بعد اعتقاد باللہ سے منتقل ہوکر اُسکا عقیدہ انبیاء و رسل اور اُنپر اُتری ہوئی کتابون پر بہی راسخ ہوجائے۔

رہی دوسری دعوت یعنی تصدیق رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بلاتے ہوئے اسلام خارق عادت کو دلیل مین پیش کرتا ہے۔ مگر وہ خارق عادت اور معجزہ جسے اسلام بطور حجت تصدیق نبی علیہ السلام پیش کرتا ہے نہایت معتبر اور اتنی متواتر خبرون سے ثابت ہے جسکے ماننے مین انکار یا شبہ کی گنجائش ہی نہین۔ وہ معجزہ ازلی اور ابدی ہے۔ نہ اُس مین کبہی پہلے کلام کرنیکی گنجایش ملی ہے اور نہ آیندہ ملیگی۔ اور یہی معجزہ صداقت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی

---

[۱] یعنی خواہ مخواہ رسول اور کتاب کو منجانب اللہ مانکر بلا دلیل انکی صداقت اور خدا پر ایمان لانے کی ضرورت نہین بلکہ دیکہنا چاہئے کہ وہ پیغمبر اور کتابین وجود باری اور توحید کی عقلی دلیلین کیا پیش کرسکتے ہین۔ پہر اس طرح سمجہہ بوجہکر ایمان لانے کے بعد انسان مومن کامل ہوتا ہے۔ اور وہ ان کتابون اور اقوال انبیا کے مطابق بخوبی عمل کرسکتا ہے۔+

واحد دلیل ہے۔ جسکے علاوہ اور معجزات جو احادیث مین وارد ہوئے ہین خواہ اُنکی سند صحیح یا مشہور یا کمزور ہو یا ناقابل التفات۔ مگر انکا مسلمانون کے نزدیک یقینی طور پر ماننا واجب نہین لہذا اگر وہ معجزات کبھی بطور دلیل کے پیش بھی کیئے جایئن تو اُن سے یہ غرض ہوتی ہے کہ جو لوگ اسلام کو اپنے دل مین جگہہ دے چکے ہین اُن کا ایمان اور پختہ ہو جائے۔ اور وہ نور علی نور ہو لنے کا فایدہ دین۔ قرآن کے معجزہ اور منزل من اللہ ہونیکی اور اختراع بشر نہ ہونیکی سب سے بڑی دلیل یہہ ہے کہ قرآن ایک ایسے اُمّی کی زبان پر جاری ہوا جس نے کبھی کوئی کتاب نہین پڑہی تھی۔ نہ اُس نے تحصیل علوم کی تہی پہر سارا قرآن ایک ہی وتیرہ پر نازل ہوا ہے۔ وہ گمراہون کو راہ راست دکھاتا۔ کجروون کو سیدھا بناتا۔ اپنے طریقہ پر چلنے والی قومون کے عام نظام حیات کا کفیل بنکر اُنہین اُس خسران سے نجات دیتا ہے جسمین وہ مبتلا تہین۔ اور اُن کو ہلاکت کے غار مین گرنے سے بچاتا ہے۔ اور مزید برآن اسلوب بیان کی بلاغت مین آج تک کوئی کلام اسکا مقابلہ ہی نہ کر سکا بڑہجانا تو مشکل بلکہ ناممکن تھا یہانتک کہ خاص ملک عرب کے بڑے بڑے آتش زبان سحر بیان زباندانون اور سخن سنجون کو اُس نے تحدی کے ساتھہ اپنے مقابلہ پر بُلایا اور ڈنکے کی چوٹ کہا کہ اگر مجھکو کلام بشری سمجھتے ہو تو باوجودیکہ تم لوگ اپنی زباندانی اور طلاقت لسانی پر نازان ہو ایک جملہ ہی میرے جملے سے ملتا ہوا بنا کر پیش کرو۔ مگر کسی کا حوصلہ نہین پڑا کہ مقابلہ پر آتا۔ اور ایک چھوٹی سے چھوٹی آیت بھی پیش کر سکتا۔ ہان جب زبان سے عہدہ برآ نہ ہو سکے تو شرمندہ ہو کر آمادہ جنگ و پیکار اور مومنین کو ایذائین دینے پر طیار ہو گئے۔ تیغ بکف ہو کر خونریزی کے لیئے سامنے آئے جسکا انجام یہ ہوا کہ مومن لوگون نے بھی حفاظت خود اختیاری اور مدافعت پر کمر باندھی اور چونکہ وہ برسر حق تہے۔ اسلیئے خداوند کریم نے حق کا پلہ غالب کیا۔ اور آفتاب اسلام کی چمک دمک نے عرصۂ دنیا سے کفر و ضلال کی تاریکی مٹا کر اُسے منور بنا دیا۔ لَقَدْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ؕ حق آیا اور باطل نابود ہوا بے شک باطل نابود ہونے کے ہی قابل تھا۔ +

رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ابدی معجزہ ہے کہ قرآن کھلے بندون تمام انسانون
کو دعوت دیتا ہے کہ عقل و خرد سے کام لو۔ مجھے غور کی نگاہون سے دیکھو اور جہانتک
تم مین فکر و تامل کی قوت ہے میرے سمجھنے پر خرچ کرو۔ پھر اسکے بعد اگر تم میرے اعجاز کو باطل
اور مجھے اپنے دعوی پر دلیل پیش کرسکنے کے ناقابل پاؤ تو اس بارہ مین اپنی حجت لاؤ
خداوند کریم فرماتا ہے :-

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ "	"اور اگر تم کو ہماری اپنے بندہ پر اُتاری ہوئی کتاب مین کچھ شک و شبہ ہو تو اُسکی سی ایک ہی سورت بنا لاؤ "

اور ارشاد کیا :-

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا " (پ ۵ - رکوع ۸)	"کیون نہین قرآن کو غور سے دیکھتے اور سمجھتے ؟ اور اگر وہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے آیا ہوتا تو اُس مین بہت سا اختلاف پایا جاتا "

اِسی طرح متعدد مقامات پر دلیل و حجت کے مقابلہ اور تردید کے لئے منکرین سے بھی
دلایل قطعی طلب کئے ہین اور یہ نہین کہا کہ قرآن کو خواہ عقل و فہم مین آئے یا نہ آئے ضرور مان ہی لو۔
قرآن کا معجزہ قول اور علم کا جامع ہے اور ان دونون باتون مین سے ہر ایک بات ایسی
ہے جو انسان کی عقل و فہم مین آسکتی ہے۔ یہ ایسا معجزہ ہے جو خاصکر عقل کے سامنے پیش کیا
گیا ہے اور عقل کو اسپر غور و فکر کرنے کا حق دیا گیا ہے تاکہ وہ پوری طرح اسکے اسرار و نکات پر
حاوی ہو سکے اور خوب چھان بین کر کے اس سے اپنا حق بلا کم و کاست حاصل کر لے غرض
کہ قرآن ہی ایک ایسا معجزہ ہے جس نے تمام معارضہ کی طاقت رکھنے والون کو اپنا مثل پیش کرنے
سے عاجز کر دیا۔ اور انصاف سے دیکھا جائے تو لطف بھی یہی ہے کہ جو چیز طاقت بشری کے
احاطہ مین داخل ہے اور جسے ایک انسان کر سکتا ہے اُسی مین کوئی ایسی خرق العادت بات
پیدا کی جائے جسکے معارضہ سے لوگ عاجز آجائین مگر اسی کے ساتھ قرآن کریم نے ہر درجہ

کی قدرت رکھنے والے کو دعوت دی ہے کہ باندازہ اپنے ظرف کے مجھ سے حاصل کرو۔
اب رہی یہ بات کہ مردہ کو زندہ بنا دینا یا زندہ کو بلا کسی خاص سبب کے مردہ کر ڈالنا۔ یا شیطان کا کسی
جسم سے نکالدینا یا بیماری کو دور کر دینا تو یہ باتین ایسی ہین جو عقل و فہم کے حیز مین آنے سے باہر
ہین۔ اور اس مقام پر سمجھ بے حس ہو کر رہجاتی ہے۔ اور اللہ پاک ایسے معجزے اپنے رسولون کے
ہاتھون صرف اسلئے دکھاتا ہے کہ وہم پرست اور جاہل قومون کے مُنہ بند ہو جاوین۔ اور
اُن کو انبیاء اور رسولون کی تصدیق مین کلام کرنے کی گنجایش نہ باقی رہے۔ اگرچہ پھر بھی
وہ اپنے انکار اور کفر پر قایم رہین اور رہتی ہین۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ پاک ہر ایک قوم کے
لئے اُن کی حالت اور استعداد کے مطابق اپنی نشانیان دکھاتا ہے۔

پھر اسلام نے انبیا علیہم السلام کے سوا اور کسی کے لئے معجزات کو دلیل حق نہین
قرار دیا ہے۔ اور اسلام کی کتاب "قرآن" مین ایک لفظ بھی ایسا نہین مل سکتا جس سے
یہہ پایا جاتا ہو کہ اُسکے دعوت دینے والون کو سنت اللہ اور قوانین فطرت مین تغیر و تبدل
کر سکنے کا کوئی اختیار دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہہ امر اس قدر واضح ہے کہ اسکے بیان کرنے اور
بتانے کی بھی ضرورت نہ تھی۔

اسلام کی پہلی اصل تحصیل ایمان مین عقلی نظر اور غور سے کام لینا ہے۔

اسلام کی سب سے پہلی بنیاد یہ ہے کہ عقل سے غور و فکر کا کام لیا جائے۔ اسلام نے اسی غور
کو ایمان صحیح کا وسیلہ قرار دیا ہے۔ وہ انسان کو حجت کے طریقہ پر اپنے سامنے بلاتا ہے اور اپنی
صداقت پیش کرنیکے لئے عقل کو قاضی عادل تصور کرتا ہے۔ پھر یہ مانی ہوئی بات ہے کہ جس
وقت کوئی شخص کسی معاملہ مین کسی کو حَکَم اور قاضی مانتا ہے تو وہ پہلے اُسکے احکام اور فیصلہ
کو قبول کر لینے کا ارادہ ٹھان لیتا ہے اس لئے ہرگز ممکن نہین کہ بعد مین وہ اُسکے فیصلہ سے
پھر جائے یا اُس سے بغاوت کرنے پر آمادہ ہو۔

مسلمانون نے اس اصل کی ایسی پابندی کی کہ جیسی کرنی چاہئے یہانتک کہ اہل سنت مین سے

بہت سے لوگون نے تو یہ کہدیا ہے کہ جو شخص تلاش حق مین پوری کوشش سے کام لیتا رہے مگر وہ منزل مقصود تک پہونچنے سے قبل اُسی حالت طلب مین مربھی جائے لیکن ظن کے درجہ پر توقف نہ کرے تو وہ ضرور نجات پائیگا۔ اب اس سے بڑھکر جولانی عقل کے لئے اور کون سا میدان مل سکتا ہے؟۔

اسلام کی دوسری اصل یہ ہے کہ تعارض پڑنیکے وقت ظاہر شرع پر عقل کو ترجیح دیجائیگی

قبل اسکے کہ مین کوئی اور اصل بیان کرون ذیل مین دوسرے نمبر پر ایسی اصل کا ذکر کئے دیتا ہون جو اصل اول کی تابع ہے اور وہ یہ ہے کہ بجز معدودے ناقابل اعتماد لوگون کے باقی تمام اسلامی فرقون کا اس بات پر اتفاق ہو کہ جس وقت عقل اور نقل مین تعارض آپڑے تو اُس وقت عقل ہی کی ہدائیت پر کاربند ہونا چاہئیے اور نقل کے لئے دو طریقے باقی رہینگے۔ ایک طریقہ تو یہ ہوگا کہ منقول کو صحیح مانکر اپنے قصور فہم کا اعتراف کیا جائے اور اُسکے علم کا معاملہ خداوندکریم کی ہدایت پر چھوڑ دیا جائے۔ اور دوسرا طریق یہ ہے کہ زباندانی کے قوانین پیش نظر رکھکر اُس نقل کی کوئی ایسی صحیح تاویل کرلی جائے جو عقل کے ثابت کردہ مفہوم سے معنیً متفق ہو۔ غرض کہ اس اصل کے ذریعے سے جو کتاب الٰہی۔ حدیث صحیح۔ اور فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز اور حکم پر قایم ہوئی ہے عقل کے سامنے تمام راستے صاف ہو گئے ہین۔ اور اب اُسکے راہ مین کوئی روک ٹوک باقی ہی نہین رہی۔ اور جبکہ عقل کو اپنی جولانی دکھلانے کے لئے ایسا بے پایان اور وسیع میدان ملگیا ہے۔ تو سمجھہ مین نہین آتا کہ ایک فیلسوف اور حکیم کو اس سے بڑھکر اور کیا بات چاہئیے؟ اور اہل نظر اور طالبان علم کے لئے اگر اتنی وسیع فضا بھی کافی نہو تو یہ ارض و سما باوجود اس تمام وسعت و فسحت کے بھی اُن کے سمائی کے لئے کافی نہ ہونگے؟۔

اسلام مین صدور احکام کی اصول سے تیسری اصل یہ ہے کہ "تکفیر" سے دور بھاگنا چاہئیے

مذکورہ بالا دونون اصلون سے مسلمانون کی اس مشہور اصل کا بھی پتا چلتا ہے جو اُن کے دینی احکام کے قواعد مین ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ اور وہ اصل یہ ہے کہ اگر کسی کی زبان سے

کوئی ایسی بات نکلے جو ۹۹ حصے کفر کا احتمال رکھتی ہو اور ایک حصہ ایمان میں شامل کیجا سکے تو اُس بات کو ایمان ہی پر محمول کرینگے اور کفر مین داخل نہ سمجھینگے - انصاف سے بتاؤ کہ فلاسفہ اور حکماء کے اقوال کے ساتھ اس سے زیادہ کچھہ اور آسانی اور درگزر ہوسکتی ہے؟ - اور کیا کوئی حکیم اس درجہ کا احمق ہوگا کہ اُسکے قول مین ایک فیصدی وجہ بھی ایمان پر محمول کرنیکی نہ پائی جائے بیشک اگر وہ ایسا ہی احمق ہے تو اُسکے لیئے یہی زیبا ہوگا کہ پوپ روم کے محکمہ تفتیش مین پیش کردیا جائے جہان اُسے زندہ آگ مین جلنے کا ذائقہ چکھنا نصیب ہو - +

اسلام کی چوتھی اصل مخلوقات مین سنت الٰہی کو بنظر عبرت دیکھنا ہے -

انبیا علیہم السلام کے بعد دعوت حق کے بارہ مین دلایل عقلی کے سوا اور کسی امر پر اعتماد نہ کرنا - اور عجیب و غریب باتون یا خارق عادت امور پر کبھی متوجہ نہونا - اسلامی عقاید کی پہلی اصل ہے اور اسی کے ساتھ ایک اور اصل بھی اسلیئے موضوع ہوئی ہے کہ جو نفوس طریق اسلام پر قایم ہین اُن کے ملکات سُدھر جائین اور وہ اپنے اعمال معاش و معاد کی اصلاح کرسکین - اور وہ اصل یہ ہے کہ گزشتہ اور موجودہ انسانون کے طرز و روش اور اُنکی سرگزشتون سے اس بات کا پتا لگایا جائے کہ قانون قدرت اور عادت اللہ اُن پر کیا عمل کرتی ہے - کتاب عزیز یعنی قرآن کریم نے اس اصل کی تاکید مین حسب ذیل احکام دیئے ہین :—

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ - (پ ۴ - رکوع ۵)	"بیشک تم سے پہلے بھی بہت سے دستور گزر چکے ہین - اسلیئے تم زمین مین پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والونکا انجام کیسا ہوا"
سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا - (پ ۱۵ - رکوع ۸)	"دستور چلا ہوا ہے اُن رسولون کا جو ہمنے تجھسے پہلے بھیجے - اور نہ پائیگا تو ہمارے دستور مین تفاوت (یا تغیر) -
فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا - وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ	پھر اب یہی راہ دیکھتے ہین اگلون کے دستور کی سو تو نہ پائیگا اللہ کے دستور مین تبدیلی - اور نہ پائیگا اللہ کا دستور ٹلتا -

اللّٰہِ تَحْوِیْلًا ۔ اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ " (پ ۲۲ - رکوع ۱۷)	کیا پھرے نہین ملک مین کہ دیکھین کیسا ہوا انجام ان لوگون کا جو اُن سے پہلے اور وہ ان سے بہت زیادہ طاقتور تھے ۔

قرآن کریم نے ان آیتون مین اس بات کی تصریح کردی ہے کہ قومون اور موجودات مین خدا کی چند غیر متبدل سنتین ہین، اور سنتین ان مقررہ طریقون کو کہتے ہین جنپر کاربار عالم چلتا رہتا ہے اور جنکے مطابق ہر ایک امر کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ انہین سنتون کو شرائع اور نوامیس بھی کہتے ہین اور بعض لوگون نے اسی کا نام قانون قدرت رکھا ہے بہرحال ہم نزاع لفظی سے قطع نظر کرکے کہتے ہین کہ قرآن کریم پکار پکار کر جتا رہا ہے کہ جمعیت بشری اور اُس مین حادث ہونیوالے حالات کا نظام سرتاسر یکسان اور ناقابل تغیر و تبدل ہے اسلیے جو شخص اس اجتماع مین سعادت کا طالب ہو اُسے مذکورہ بالا نظام کے اصول پر نظر کرنا ضروری ہے تاکہ وہ اپنے اعمال اور طرز و انداز کو اُسی کے مطابق رکھہ سکے اور جو کام کرے اسی نظام کے اعتبار سے اور اُسی کے اصول پر کاربند ہوکے کرے۔ پھر اگر کوئی نادان اور غافل شخص اس نظام فطرت کی طرف سے غفلت کرے گا تو لازمی امر ہے کہ آفت و بلا مین مبتلا ہوگا اور ناقابل برداشت مصیبت مین پھنسیگا۔ اس بارہ مین نہ عالی نسبی کام آئیگی اور نہ بیسرزادگی اور پیرزادگی کچھہ نفع دیگی۔ غرض چاہیے جس قدر غور و فکر اور کشف و استقرار سے کام لیکر ان سنتون کے احکام کی جانچ پڑتال کیجائے نتیجہ بہرحال یہی ہوگا کہ وہ دین اسلام کی طبیعت کے ساتھہ چلتے ہین اور طبیعت دین اُن سے کسی حالت مین پہلو تہی یا تنفر نہین ظاہر کرتی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مذہب اُسکے ساتھہ اعلیٰ درجہ کا تسامح نہ کرے؟

اسلام دنیا سے بت پرستی کا نام و نشان مٹانیکے لیے آیا تھا۔ اسی لیے اُس نے عربی، یونانی یا رومانی وغیرہ ہر وضع اور ہر مقام کی بت پرستیون کو صفحۂ دنیا سے محو کرنے پر کمر باندھی لیکن مذہب اسلام کی کتاب آسمانی عربی ہے اور عربیت انہین بُت پرستون کی زبان ہے جو اسلام کو سب سے بڑھکر نزدیکی دشمن تھے۔ اُس کتاب کے معانی کا سمجھنا اوضاع زبان کی معرفت پر موقوف ہے اور

زبان کے اوضاع اُس وقت تک نہین معلوم ہو سکتے جبتک اُسکے کلمات کے مواقع استعمال اور اُسلوب بیان کا علم نہ حاصل ہو۔ اور راسیات کا دار مدار اسپر تھا کہ اہل عرب کے تمام نظم و نثر کلامون کو محفوظ رکھا جائے جسمین اُنکے اخلاق۔ عادات۔ اور اعتقادات کا ایسا صحیح خاکہ کھینچ دیا گیا ہو جسکو دیکھتے ہی دیکھنے والے کے روبرو عرب کے زمانہ جاہلیت کی ہوبہو تصویر کھنچ جائے۔ اور اُس وقت کی بُت پرستی اور عادات و اطوار کا بلاکم و کاست نقشہ نگاہون مین پھرنے لگے۔ ابتدائی زمانہ کے مسلمانون نے ایسا ہی کر دکھایا۔ اُنہون نے کلام عرب کے جمع کرنے۔ اسکو محفوظ و مدوّن بنانے۔ اور اُسکی تفسیر کرنے مین ہزارون کوس کی منزلین پا پیادہ طے کین۔ اسکے پیچھے عمرین گنوادین۔ دماغی اور قلمی محنت کے علاوہ درہم و دینار کے خرچ کرنے مین بھی دریغ نہین کیا اور ان تمام باتون کا مقصد کیا تھا؟ صرف یہی کہ عربی علم ادب کے ذخیرہ کو اپنی کتاب منزّل کے سمجھنے کا وسیلہ قرار دین۔ چنانچہ وہ اسکو ایک طرح کی عبادت تصوّر کرکے خدا سے اسکے لئے طالب ثواب رہتے تھے۔ اور یہان سے ظاہر ہوتا ہے کہ دین اسلام کی طبیعت اُس دین شرک و بت پرستی کے علم کو بھی حقیر نہین سمجھتی تھی جسکی گود مین وہ پیدا ہوا اور پھر پرورش پایا۔ بلکہ اسلام نے خارج از مذہب باتون کا علم بھی نیک نیتی سے حاصل کرنا دینی اصول مین داخل رکھا۔ اور اس تسامح و آسانی کی وسعت کا اندازہ وہی لوگ کرسکتے ہین جو اسکا علم بھی رکھتے ہون۔ اور اس کے بالمقابل جب ابتدائی زمانہ کے مسیحی لوگون پر نظر ڈالی جائے تو دکھائی دیگا کہ اُنہون نے مسیح علیہ السلام کی اصلی اور مادری زبان جو عبرانی رہی ہو یا سُریانی بالکل ترک کردی۔ اُنہون نے انجیل کے نسخے یونانی زبان مین لکھے اور عبرانی زبان مین صرف ایک نسخہ "متی" کی انجیل کا لکھا گیا تھا۔ مگر یہ بھی ضعیف روایت ہے۔ اسکا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ "انجیل" کا نام خود ہی یونانی زبان کا لفظ ہے اب سوال ہوگا کہ قدیم اور دَور اول کے پیروانِ مذہب عیسوی نے ایسا کیون کیا؟ محض اسلئے کہ وہ یہودیون سے خار کھاتے تھے لہٰذا اُنکی زبان جو در اصل مسیح علیہ السلام کی مادری زبان تھی جسکو وہ ہمیشہ بولتے رہے اور جس مین اونہون نے لوگون کو وعظ و نصیحت کی۔ دَور اول کے

عیسائیون کو پسند نہ آئی۔ نہ اُنھون نے یہودیون کے ذخیرۂ علم ادب اور اُن کے مُورثی عادات واطوار پر نظر ڈالی۔

اسلام کی پانچوین اصل دینی حکومت کو مٹا دینا ہے

اِسلام کی سب سے اعلےٰ اور قابل قدر اصل یہ ہے کہ اُس نے دینی اقتدار اور حکومت کو جڑ سے اُکھاڑ ڈالا اور کہین اسکا نام ونشان تک نہین رہنے دیا۔ جمہور اہل اسلام کے لئے دینی حکومت کوئی چیز ہی نہین رکھی گئی ہے۔ اسلام نے خدا اور اُس کے رسول کے بعد کسی شخص کو دوسرے شخص کے عقیدہ اور ایمان پر کوئی اختیار ہی نہین دیا ہے۔ اور مزید برین رسول علیہ السلام کو بھی تبلیغ دیاددہانی کرنے والے کے درجہ سے آگے بڑھا کر زبردستی اور زور وقوت سے اپنی بات منوا لینے کے مرتبہ پر نہین پہنچایا چنانچہ خود جناب باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :۔

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ "بس تو سمجھا دے کیونکہ تیرا کام بھی محض سمجھانا ہے۔ تو اُن پر داروغہ نہین"

اِسلام نے اپنے پیرووں مین سے کسی کو اس بات کا حق نہین دیا کہ وہ زمین یا آسمان مین صاحب حل وعقد بنے۔ بلکہ ایمان ایک ایسی چیز ہے جو بندۂ مومن کو ماسوی اللہ سے آزاد کرتا اور خدا کی بندگی کے سوا ہر ایک بندگی کے طوق سے نجات عطا کر دیتا ہے۔ اسی لئے ایک مسلمان جو پابندی مذہب اور علم وفضیلت مین بہت بڑا مرتبہ رکھتا ہو دوسرے مسلمان پر جو اُس سے درجۂ پابندی مذہب اور علم وکمال مین بہت کچھ گرا ہوا ہے۔ اسکے سوا اور کوئی حق نہین رکھتا کہ اُسے راہ راست دکھائے اور نصیحت وپند کرے۔ اللہ پاک نجات پانے والون کی صفت مین فرماتا ہے :۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ (سورہ عصر)	"اور آپسمین تقید کیا سچے دین کا اور آپسمین تقید کیا صبر کا"

اور فرماتا ہے :- وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ؕ

"اور چاہیئے کہ ہو تم مین سے ایک جماعت جو بلاتی رہے نیکی کی طرف اور حکم دے اچھے کامون کا اور منع کرے بُری باتون سے یہی لوگ فلاح پانے والے ہین"

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ

(پ ۱۱ رکوع ۴)

"پھر کیون نہ نکلے ہر فرقے مین سے اُن کا ایک حصہ تاکہ سمجھ پیدا کرین دین مین اور تاکہ خبر پہنچاوین اپنی قوم کو جب پھر آوین اُن کی طرف شاید وہ بچتے رہین (برائیون سے)۔

بہرحال مسلمانون کو ایک دوسرے پر حق نصیحت حاصل ہے جسکے بعد اُنپر یہ واجب ہے کہ ایک گروہ نیکی کی طرف بُلانے والا طیار کرین مگر اس طرح کہ وہ جماعت عام مسلمانون کی زیر نگرانی کام کرے اور جہان اُس نے ذرا بھی کجروی اختیار کی جمہور اسلام اُسے سیدھا بناکر پھر راہِ راست پر لے آئین گے۔ اب اُس جماعت کا فرض ہوگا ۔ صرف اس قدر کہ وعظ و نصیحت اور تبلیغ احکام الٰہی کرتی رہے اُسکو یا اُسکے علاوہ اور آدمی کو اس بات کا بالکل حق نہین دیا گیا کہ کسی کی راز جوئی کرے ۔ یا کسی کے مخفی عقیدہ کی ٹوہ لگائے ۔ نہ کسی طاقتور کو کمزور کے مخالف عقیدہ پر دباو ڈالنے کی اجازت ہے۔ ایک مسلمان کو اپنا صحیح عقیدہ اور اصول عمل معلوم کرنے کے لئے کتاب الٰہی اور حدیث نبوی کو استاد اور ہادی بنانا واجب ہے نہ یہ کہ وہ کسی اپنے ہی جیسے دوسرے مرد مسلمان کے قول پر عمل کرنا ضروری تصور کرے۔ غرضکہ ہر ایک مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ احکام الٰہی کو کتاب خداوندی سے اور ارشادات نبوی کو حدیث رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا توسط کسی سلف یا خلف کے سمجھنے کی کوشش کرے ہان اسکے ساتھ ہی اُسپر یہ بھی واجب ہے کہ اس فہم کے ایسے وسایل مہیا کرلے جو اُسکو سمجھنے کے لائق بنا سکین۔ مثلاً عربی زبان کے قواعد۔ اُسکے علم ادب۔ اُسکے اسلوب بیان۔ اور خاصکر

زمانہ بعثت مین اہل عرب کے جو حالات تھے اُن سے آگاہی حاصل کرے اور اس بات کا بھی علم بہم پہنچائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین لوگون کی کیا کیفیت تھی۔ نزول وحی کے وقت کیا کیا باتین پیش آئی تھین۔ اور اسی کے ساتھہ آثار کے ناسخ و منسوخ ہونیکی حالت بھی اسپر واضح ہو۔ پھر اگر وہ اپنے آپ مین اتنی قوت نہ پائے جسکے ذریعہ سے کتاب الٰہی اور حدیث شریف کو صحت کے ساتھ سمجھہ سکے تو اب اُسپر یہ واجب ہوگا کہ ان دونون چیزون کا علم رکھنے والے لوگون سے دریافت کرے مگر نہ اس طرح کہ جو کچھہ وہ لوگ بتائین اُسے کورانہ تقلید کے انداز سے مان لے۔ بلکہ اُن سے ہر ایک بات کی قابل تشفی دلیل طلب کرے عام اس سے کہ وہ سوال اعتقادات سے تعلق رکھتا ہو یا معاملات سے تاکہ جو کچھہ وہ سمجھے پوری طرح اور علی وجہ البصیرت سمجھے۔ غرضکہ اسلام مین اُس دینی اقتدار اور حکومت کا کوئی نام و نشان بھی نہین پایا جاتا جو مذہب عیسوی کا جزو اعظم ہے اور جسپر اُس دین کی پابندی کا دار و مدار ہے +

اسلامی سلطنت

مگر چونکہ اسلام ایک دین اور آئین شریعت ہے اسلئے اُس نے جرائم کی سزائین اور لوگون کے حقوق و فرائض قایم کیئے ہین۔ اور چونکہ ہر ایک معتقد اپنے ظاہری معاملات مین خود ہی حکم نہین بن سکتا۔ کیونکہ بسا اوقات نفسانی خواہشین اور برُے ارادے انسانی طبیعت پر غالب آکر اُسے حق کی جانب سے چشم پوشی کرنے اور حد اعتدال سے بڑھ جانے کی ترغیب دیتی ہین۔ اسلئے جبتک کوئی ایسی قوت نہ پائی جائے جو حدود شرعی کو قایم کرسکے اُس وقت تک تشریع احکام کی حکمت مکمل نہین ہوسکتی۔ اور وہ قوت ایسی ہونی چاہیئے جو نظام جماعت کی محافظت اور حق و واجبی احکام کا اجرا کرسکے۔ پھر یہ قوت بہت سے افراد مین بطور طوایف الملوکی نہ ہونی چاہیئے۔ بلکہ ایک ہی شخص کے قابو مین ہنی مناسب ہے

جو سلطان یا خلیفہ کہلاتا ہے۔

مسلمانون کے یہان خلیفہ کو معصوم نہین مانا جاتا۔ نہ اُسے مہبط وحی تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور نہ اُسے یہ حق دیا گیا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر مین اورون کی نسبت زیادہ اختیارات اور امتیاز شرف رکھنے کی آرزو کرے۔ البتہ اُس کے لئے مجتہد ہونا شرط ہے یعنی اُسکو زبان عربی اور اُس کے متعلقات کا ایسا علم ہو جسکے ذریعہ سے وہ استنباط احکام کے وقت حسب ضرورت کتاب و سنت کے مطالب بآسانی سمجھ سکے تاکہ بذات خاص حق و باطل اور صحیح و فاسد مین امتیاز کر سکے اور سہولت کے ساتھ اُس عدل کو قایم کر سکے جو دین اور قوم دونون اُس سے طلب کرتے ہین۔+

دین نے خلیفہ کو کتاب اللہ کے سمجھنے اور احکام کا استنباط کر سکنے مین کوئی مزید خصوصیت اور امتیازی درجہ عطا نہین کیا بلکہ اس بارہ مین جیسے اور لوگ سمجھنے کی کوشش کرتے ہون ویسا ہی ایک فرد وہ بھی ہے۔ ہان اگر اس مین کوئی فضیلت ہے تو اُس شخص کو جسکی عقل زیادہ صاف ہو اور جو بکثرت صحیح احکام استنباط کر سکے[۵۱]۔ پھر وہ خلیفہ یا مسلمان حکمران اُسی وقت تک قابل اطاعت ہے جبتک اعتدال کے مسلک پر چلتا رہے اور کتاب و سنت کی مقرر کی ہوئی شاہراہ سے انحراف نہ کرے ورنہ عام مسلمان اوسکی تاک مین لگے رہین گے کہ ذرا بھی وہ سیدھے راستہ سے الگ ہٹے تو فوراً اُسے روکدین اور سیدھے چلنے کی ہدایت کرین[۵۲]۔ مگر کیونکر؟ اس طرح کہ خداوند

[۵۱] اسکے شواہد مین یہ بات ہے کہ مسلمان خلفاء اپنے سے زاید علم و فہم رکھنے والے علما کی ہمیشہ قدر کرتے تھے خلیفہ رشید اور امام مالک رح کی حکایت مشہور ہے کہ امام مالک رح نے درس دیتے وقت خلیفہ رشید کو مسند خلافت سے اتار کس طرح عام لوگون کے برابر بیٹھا دیا تھا کیونکہ اُس وقت خلیفہ کی حیثیت شاگرد کی تھی۔ اور اُسے شاگردون کے مقام پر بیٹھنا مناسب تھا۔ +

[۵۲] دیکھو خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کا قول جو اُنھون نے اپنے پہلے خطبہ مین کہا تھا "اِنْ زِغْتُ فَقَوِّمُوْنِیْ" اگر مین ٹیڑھا چلون تو تم لوگ مجھے سیدھا کر دو۔ +

احکام سے خلاف ورزی کرنیکی صورت مین کسی مخلوق کی اطاعت نہ ماننی چاہئیے[۵۱]۔ یہ امر اُس کے گوش گزار کردین۔ چنانچہ جب وہ کتاب و سنت پر عمل کرنے مین قاصر ہوجائے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایسے خلیفہ یا حاکم کو معزول کر کے اُسکی جگہ دوسرا لایق اور صالح حاکم مقرر کر دین۔ لیکن اسکا خیال رکھنا چاہئیے کہ آیا اُس خلیفہ کے عزل اور دوسرے خلیفہ کے نصب کرنے مین کوئی ایسا فساد تو نہ پیدا ہوجائے گا جو اُسکے علیحدہ کرنے کی مصلحت پر بھی فوق لیجائے اور کوئی سخت خرابی پیدا کرے[۵۲]۔ بہر حال قوم یا نائب قوم ہی خلیفہ اور حاکم کو مقرر کرتا ہے اور قوم کو خلیفہ کے بحال رکھنے یا معزول کر دینے کا پورا حق حاصل ہے۔ کہ جب اُسے خلیفہ کو اُسکے منصب سے جدا کر دینا مصلحت معلوم ہو وہ کر سکتی ہے۔ اور اس اعتبار سے خلیفہ اسلام من کل الوجوہ ایک دنیاوی حکمران کی حیثیت رکھتا ہے۔

ایک صحیح النظر شخص کبھی مسلمان خلیفہ کو اُس عہدہ کی سطح پر نہ لاسکے گا جس کو اہل یورپ "تھیوکراٹیک" یعنی سلطان الٰہی کے نام سے موسوم کرتے ہین۔ اہل یورپ کے خیال مین "تھیوکراٹیک" ایسا فرد واحد ہوتا ہے جو بلا واسطہ خداوند پاک سے اصول مذہبی کی تعلیم حاصل کرے اور مذہبی قوانین نافذ اور وضع کرنے کا اختیار کامل رکھتا ہے۔ لوگون پر اُسکی اطاعت جزو ایمان قرار دی گئی ہے نہ یہ کہ محض بیعت کر لینے اور طلب عدل و داد کی غرض سے اُسکی فرمانبرداری کرنی واجب ہو۔ اِس لئے ایک مومن شخص کسی طرح اُس دینی فرمانروا کی مخالفت نہین کر سکتا۔ اگرچہ اُسپر یہ بھی ثابت ہوجائے کہ مقدس پیشوا دین الٰہی کا دشمن اور اُسکے احکام و شرائع کا تارک اور ایسا گمراہ ہے کہ اُسکے اعمال و اقوال کو اصولِ شریعت سے کوئی مناسبت ہی نہین کیونکہ مسیحی مذہب مین دینی فرمانروا کا قول اور فعل دونون خواہ کسی صورت مین ظاہر ہون در اصل وہی دین

---

[۵۱] حدیث "لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق" بروایت بخاری و مسلم وغیرہ۔

[۵۲] مثلاً یہ کہ اُس حاکم یا خلیفہ کا کنبہ اور قبیلہ اس قدر زبردست ہے کہ بحالت برہمی قوم کو بالکل تباہ کر ڈالیگا اور اس خوف سے اُسکو چھیڑنا مصلحت نہین کیونکہ "حصول فایدہ کی کوشش کرنے سے فساد اور جھگڑے کی باتون کا دور کرنا مقدم ہے"

و شرع سمجھے جاتے ہین۔ قرونِ وسطیٰ مین کلیسہ کی فرمانروائی ایسی ہی مانی جاتی تھی۔ اور
آجتک رومن کیتھالک چرچ اسی غلبہ اور قوت کا مدعی ہے جسکو ہم اوپر بیان کر آئے ہین۔

تمدن جدید نے یہ کارگزاری کی کہ دینی اور دنیاوی حکومتون کو ایک دوسرے سے الگ
الگ کر دیا۔ کلیسہ کو صرف انہی عقاید اور اعمال پر حقِ حکومت دیا گیا جو بندہ اور خدا کے مابین
قابلِ عملدرآمد ہین اور جن کی پابندی ازروئے مذہب اُسپر واجب ہے۔ اب کلیسہ کو اختیار ہے کہ وہ
ان امور مین جس امر کو چاہے منسوخ کرے اور جو چاہے اضافہ کرے۔ اور جیسی اُسکی مرضی ہو اُسی
طرح کی نگرانی۔ اور محاسبہ قایم کرے۔ اور جسے چاہے کچھ دے۔ اور جسکو چاہے محروم کر دے
اور دنیاوی حکومت کو انسانون کے باہمی معاملات اور اُن امور کی بابت قانون بنانیکا اختیار
دیا گیا ہے جو اُن کے نظام اجتماعی کو خرابی سے محفوظ رکھکر اُن کے اُمور معاش کو درست
طریقہ پر چلا سکے۔ دنیاوی سلطنت کو امور معاد اور دینی معاملات مین ذرا بھی مداخلت کرنیکا
حق نہین اور اسی طرح دینی یا کلیسہ کی حکومت دنیاوی کاروبار کے تعلقات اور امور معاش
مین کوئی دخل نہین دیسکتی۔ اہل یورپ نے حکومتون کے اس فیصلہ کو اپنے خیال مین بہت ہی خیر و
برکت کا موجب سمجھا ہے۔ اور حتی کہ اُن کے نزدیک یورپ کی ترقی اور تمدن کا منبع یہی امر ہوا۔
اور اسی بناء پر وہ اسلام کے ذمہ یہ الزام تھوپنے کی کوشش کرتے ہین کہ اُس نے ایک ہی شخص
مین دونون حکومتون کا جمع کرنا ضروری قرار دیا ہے جسکے معنے وہ اپنے زعم باطل مین یہ سمجھتے ہین
کہ ایک مسلمان کی رائے مین سلطان ہی دین کو مقرر کرنے والا اُسکے احکام کا واضع۔ اور پھر خود
ہی ان احکام کو نافذ کرنے والا بھی ہے۔ اور ان امور کو انجام دینے کے لئے تمام مسلمانون کی
دلی اطاعت حاصل کرنے کا جو آلہ اُسکے ہاتھ مین موجود ہے وہ قوتِ ایمان ہے جس کے وسیلہ
سے وہ دلون کو اپنے شکنجۂ حکومت مین جکڑ لیتا ہے اور عقل و فہم کو سر اُٹھانے کا موقع نہین دیتا
غرضکہ عقل اور ضمیر اُس کے نزدیک ناقابل التفات چیزین ہین۔ اب یہ کلیہ قایم کر کے وہ لوگ
مسلمانون کو اپنے دینی فرمانروا کا غلام قرار دیتے اور کہتے ہین کہ مسلمانون کا دینی حکمران ہمیشہ علم

ہنر کا دشمن اور اُسکے نابود کرنے کے درپے رہا اور جہالت و نادانی کا جنبہ دار بنا رہا۔ لہذا جس وقت تک اسلام کا یہ اصول قائم رہیگا کہ اسکا سلطان دینی مقتضی کے مطابق مقرر ہونا چاہئے اُس وقت تک یہ مذہب کبھی علم و ہنر کے ساتھ آسانی اور سہولت کا برتاؤ نہیں کر سکتا۔ مگر ہمارے سابقہ بیان سے واضح ہوگیا ہوگا کہ ایسا خیال سراسر غلط اور بے بنیاد ہے اور اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ اسلام کی اس اصل کے معنی بالکل مخالفین کے سمجھ مین ہی نہین آئے کیونکہ ہمارے بیان مجولہ سے صاف معلوم ہوگیا ہوگا کہ اسلام مین بجز نیک نصیحت کرنے۔ نیکی کی طرف بلانے۔ اور بدی سے دور رہنے کی ہدایت کرنے کے اور کوئی دینی حکومت رکھی ہی نہین گئی ہے۔ اور یہ ایک ایسی حکومت اور اس طرح کا اقتدار ہے جو خداوند کریم نے ایک ادنیٰ درجہ کے مسلمان کو بھی اُسی درجہ تک عطا کیا ہے جیسا کہ ایک عالی مرتبت سلطان کو دیا گیا ہے۔ اور اسی لیے ہمارے مخالف نے ”رسالہ الجامعہ“ کو واضح ہو کہ اسلامی حکومت کا مسئلہ ایسا نہین ہے جو علم کے ساتھ تنگ دلی برتنے اور اُسکی اشاعت کو روکے۔ چنانچہ اس دعویٰ کو ثبوت اور دلیل مین ہم پہلے بھی عباسی اور اندلس کے اموی خلفاء کے اُن سلوکون اور برتاؤن کا بیان کر چکے ہین جو اُنہون نے علم اور علماء کے ساتھ کئے تھے۔ اور ممکن ہے کہ آئندہ بھی اسکے مزید شواہد پیش کر سکین۔

ہان اس موقع پر مخالفین یہ بھی کہہ اُٹھین گے کہ اچھا اگر خلیفہ کو وہ دینی اقتدار حاصل نہین تھا تو قاضی۔ مفتی۔ یا شیخ الاسلام کو تو ضرور ایسے مذہبی اختیارات حاصل ہین؟ ہم کہین گے کہ اسلام نے ان لوگون کو بھی عقاید اور تقرر احکام پر کوئی اختیار تصرف نہین دیا ہے۔ اور یہ عہدہ دار جس قسم کے اختیارات رکھتے ہین وہ سب ایسے تمدنی اختیارات ہین جو اسلامی شریعت نے حفاظت نظام تمدن کی غرض سے اُن کو عطا کئے ہین۔ اور قاضی۔ مفتی۔ یا شیخ الاسلام کو ہرگز اس بات کا حق حاصل نہین کہ وہ کسی شخص کے ایمان۔ طریق عبادت اور اصول فہم دین مین کوئی مداخلت کر سکین +

اسلام کی چھٹی اصل یہ ہے کہ فتنہ کو روکنے کیلئے دعوت مذہبی کی حمایت کیجائے۔

معترضین یہ بھی کہتے ہین کہ دین اسلام جہاد کا مذہب ہے اُسکی اشاعت جنگ اور تلوار کے ذریعہ سے کی گئی۔ برخلاف اُس کے مذہب عیسوی میں جنگ ممنوع ہے بلکہ وہ نرمی اور آشتی کے ساتھ اپنی دعوت مخلوق خدا تک پہونچانا چاہتا ہے اس لئے مذہب اسلام کی طبیعت مین اپنے مخالفین کے بالمقابل ایک طرح سختی اور جوش کی روح پائی جاتی ہے اور اُس مین اُتنا صبر و تحمل نہین ہے جسکی حاجت صلح جو شریعت کو ہے اور وہ صلح و آشتی کی شریعت عیسوی شریعت ہے جس مین نرمی اور تحمل کی بکثرت ہدایتین موجود ہین مثلاً "جو تیرے داہنے کلّے پر ایک تھپڑ مارے تو بایان کلاّ بھی اُسکے سامنے کر دے۔ جو شخص تجھکو بیگار مین پکڑ کے ایک میل لیجلے تو اُس کے ساتھ دو میل چلا جا" یا ایسی ہی بہت سی مثالیں جو دشمنون کے ساتھ بھی محبت کرنے کی تاکید کر رہی ہین۔ اگرچہ دشمن کے ساتھ محبت کرنا اختیاری امر نہین بلکہ بعض اوقات دوستون سے بھی محبت نہین کی جا سکتی۔ ان جو انسان کے بس میں ہے وہ یہ ہے کہ دشمنون اور دوستون کے مابین عدل کے مسلک پر چلے مگر خدا کے حکومت مین ہر چیز ممکن ہے وہان کوئی بات محال نہین پائی جاتی۔ لیکن ہم کہتے ہین۔ قابل غور امر یہ ہے کہ آیا قابو پانے کی حالت مین شر کو شر کے ذریعے سے دور کرنا صرف مذہب اسلام ہی کی طبیعت مین داخل ہے یا ہر ایک ایسا شخص جو اپنے دشمن پر غالب آئے ایسا ہی عمل کرتا ہے؟ اگر اسلام کی طبیعت کا حال معلوم کرنا چاہو تو ہم کہتے ہین کہ اُسکے مزاج کو قتل اور خونریزی سے کچھ بھی لگاؤ نہین۔ بلکہ وہ تو برائی کرنے والون کے ساتھ درگذر کرنے اور خطا کارون کو معاف کر دینے کا حکم دیتا ہے: قرآن پاک کی ہدایت ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ۔"	"معافی کو اختیار کرو اور نیک باتون کا حکم دو اور نادانون سے چشم پوشی کرو۔"

لیکن جنگ وجدل کا حکم اس لئے دیا گیا کہ حق اور اہل حق کے سر چڑھنے والے دشمنوں کو انکی

عداوت اور شرارت کا معاوضہ دیا جاسکے۔ تاکہ پھر وہ لوگ خدا کے بندون کو ستانے اور حق کو پردۂ دنیا سے محو کرنے کے درپے نہ ہون۔ اسلام مین قتال کا حکم اس غرض سے ہرگز نہین دیا گیا تھا کہ اُس کے ذریعے سے لوگون کو زبردستی مسلمان بنایا جائے یا مخالفین اسلام سے انتقام کشی کی جائے۔ اسی لئے فتوحات اسلامی کی تاریخ مین ویسی باتین کہین بھی نظر نہین آتین جیسی مسیحی لڑائیون کے حالات مین بے حد بے شمار موجود ہین اور معلوم ہوتا ہے کہ صلح و آشتی کی شریعت کے پابندون نے جس وقت اپنے دشمنون پر فتح پائی ہے تو انھون نے اُس وقت بڈھے آدمیون۔ عورتون۔ اور بچون کے قتل کرنے سے بھی دریغ نہین کیا۔

مسلمانون نے کبھی اس ارادہ سے کوئی جنگ ہی نہین کی کہ کسی قوم یا ملک کے لوگون کو ایک سرے سے تباہ و فنا کر ڈالین مگر نصاریٰ کے ہاتھون ایسی کیفیتین بارہا دیکھنے مین آئین اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ صبر اور آشتی کا حکم صرف اُس وقت تک احکام مذہبی مین شمار کیا جاتا تھا جبتک کہ مذہب کو زور و قوت سے کوئی حصہ نہین ملا تھا۔ غرضکہ ان تمام باتون کا خلاصہ یہ ہے کہ عنایت الٰہی نے اسلام کو بہت تھوڑے زمانہ کے اندر اپنے دشمنون کی مدافعت کی وہ قوت عطا فرمائی جو اُسکے سوا دوسرے مذہب والون کو مدت ہائے دراز مین بھی نہ حاصل ہو سکی اور اسلام نے اپنے عنفوان شباب ہی مین وہ عروج و شوکت حاصل کر لی جو اورون کو ادھیڑ عمر یا بڑھاپے کے سن مین بھی نصیب نہ ہوئی۔

جنگجو اسلام اور امن پسند مسیحیت کا مقابلہ

اسلام بحالت جنگ صرف اسی امر پر اکتفا کیا کرتا تھا کہ مفتوحہ سرزمین کو اپنے زیر اثر لا کر وہان کے اصلی باشندون کو انکے اپنے سابق دین و اعتقاد پر باقی رہنے دیتا تاکہ وہ جس طرح چاہین بلا روک ٹوک اپنے مذہبی فرائض بجا لائین۔ ہان اُس حفاظت جان و مال اور قیام امن کی ذمہ داری کے لئے جو مسلمانون کو مفتوحہ اقوام کے واسطے برداشت کرنی پڑتی تھی اُنپر ایک خفیف ٹیکس ”جزیہ“ کے نام سے لگایا جاتا۔ اور وہ بھی اُن لوگون سے وصول کیا جاتا

جو صاحب استطاعت۔ تندرست اور کاروبار کرنے کے قابل ہوتے۔ اور کما کر جزیہ کی رقم ادا کر سکتے۔ اس کے بالمقابل مسلمانون کے فرائض یہ ہوتے تھے کہ ذمی رعایا کو ہر طرح امن و آزادی سے بہرہ ور کرین اور اپنے سایۂ حافظت مین اُن کو پابندی عقاید۔ آبادی معابد۔ پیروی رسم و رواج اور ایسے ہی ہر ایک معاملہ مین بلا مزاحمت مصروف ہونیکا موقع دین اُنپر کسی طرح کا ظلم و ستم نہین ہونے پاتا تھا۔ خلفائے اسلام اپنے سپہ سالارون کو یہ وصیت کر دیتے تھے۔ کہ گوشہ نشین عبادت گزارون اور تارک الدنیا فقیرون کی پوری طرح عزت کرنا۔ بچون۔ عورتون۔ اور بوڑھون کو جو شریک جنگ نہین ہو سکتے یا ایسے ہی وہ لوگ بھی جن کو جنگ سے کوئی تعلق نہین ہوتا۔ اُن کو ہرگز قتل نہ کرنا ذمی رعایا کو تکلیف نہ پہونچانے اور اُن کے حقوق کا خیال رکھنے کی حدیث شریف مین متواتر تاکید آئی ہے۔ اور مسلمانون کو بتا دیا گیا ہے کہ "لَهُمْ مَا لَنَا وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَيْنَا" اُنپر ہمارے حقوق ادا کرنے واجب ہین اور ہم پر اُن کے حقوق کا خیال رکھنا لازم۔ یا "مَنْ آذَى ذِمِّيًّا فَلَيْسَ مِنَّا" جس شخص نے کسی ذمی کو ستایا وہ ہماری جماعت سے خارج ہے۔ اور جبتک اسلام کی قوت قایم رہی اِس قاعدہ پر پوری طرح عملدرآمد ہوتا رہا۔ اور مین اِس بات کی کوئی پروا نہین کرتا کہ ضعف اور اختلال کے زمانہ مین بعض مسلمانون نے اِس قانون کو توڑ دیا اور ان احکام سے سرتابی کی۔ کیونکہ حالت کمزوری مین انسان کی طبیعت مین ایک قسم کی کبیدگی کا آجانا ایک فطری امر ہے اور اس سے خاص اسلام کی طبیعت پر کوئی بُرا اثر نہین پڑ سکتا۔ +

مگر اسی کے بالمقابل مسیحیت بجانت امن کیا کرتی تھی؟ ۔ وہ ہر ایک مذہب پر جو اُس کے زیر تحت آئے نگرانی قایم کرنے کا اپنے آپ کو مستحق سمجھتی۔ وہ غیر مذہب والون کے اعمال پر سخت نگرانی قایم کرتی اور مسیحی مذہب کے پیرون کے علاوہ اور لوگون پر ایسے ناقابل برداشت بار ڈالدیتی جس کے اُٹھانے سے وہ عاجز آجاتے۔ یہان تک کہ جب اُسی اُن لوگون کو

اُن کے دین سے پھیر لینے مین ناکامیابی ہوتی تو اُن کو اپنے مقبوضہ ممالک سے نکال لینے پر کمر باندھ کر مقدس عیسوی سرزمین کو ناپاک غیر مذہب والون کے وجود سے پاک کر دیتی۔ چنانچہ اسکے پہلے بھی اسکی مثالین گزر چکی ہین اور لطف یہ ہے کہ اس تمدن و تہذیب کے دور مین بھی جدھر دیکھو یہی تماشا نظر آئے گا بلکہ جہان کوئی مسیحی قوم حقیقی طور سے فرمانروا ہے وہان غیر مسیحی کو مسیحیون کی تعدی سے اگر کوئی چیز بچا تی ہے تو اُنکی کثرت تعداد یا کسی قوی پشت و پناہ کی امداد کا اعتماد۔ ورنہ وہ لامحالہ کتون کی موت مارے جاتے یا جلائے وطن کئے جاتے ہین۔ روسی مسلمانون کی حالت آجکل کسی قدر سُدھر گئی ہے۔ اور اب اُنھون نے اپنے اخبارات نکال لئے ہین اسلئے دنیا کو پتا لگتا ہے کہ اُن پر کیسے کیسے مظالم آج تک ہوتے رہے۔ زبردستی عیسائی بنائے گئے۔ اُن کی جایدادین اور اراضیان ضبط کر لگئیں اُن کو انسانی حقوق سے محروم کیا گیا۔ اُن کی تعلیم بند کر کے اکثر مقامات کے لوگون کو بالکل جاہل بنا دیا گیا۔ اسی طرح جاوہ مین گورنمنٹ ہالینڈ کے زیر حکومت مسلمانون پر صدہا ظلم و ستم ہو رہے ہین اُن کی آزادی اور اُن کے حقوق کا خون کیا جاتا ہے۔ فرانس ہین الجیریا کے مسلمانون سے نہایت ناقابل بیان بدسلوکیان ہوتی ہین۔ یہودیون پر تو عیسائیت کا قہر اُترنا ایک لازمی امر ہے۔ اور یہ سب کس لئے ہے؟ اس واسطے کہ "مذہب عیسوی امن پھیلانے نہین آیا بلکہ دنیا مین تلوار چلانے کو آیا ہے۔ اور اسلئے کہ وہ بیٹی کو مان سے اور بیٹے کو باپ سے جدا کرنے کی غرض سے دنیا پر نازل ہوا ہے[له]۔ اور اسلام کی کتاب والدین کے بارہ مین یہ

[له] اسکی بابت انجیل متی کی عبارت پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اور ویسے ہی دیکھو لوقا کی انجیل باب ۱۴ مین ۲۵ و ۲۶ ۔ اور اُس سے یسوع نے کہا "اگر کوئی میرے پاس آئے اور وہ اپنے باپ۔ مان بیوی اولاد۔ بہنون اور بھائیون یہان تک کہ خود اپنے نفس سے بھی عداوت نہ رکھتا ہو تو وہ کبھی میرا شاگرد نہین بن سکتا۔" نیز باب ۱۹ آیت ۲۷ "بہرحال میرے دشمن وہ لوگ ہین جنھون نے مجھے اپنا مالک نہین بنانا چاہا اُنکو یہان لاکر میرے سامنے ذبح کر دو۔" اسی طرح اسفار توریت مین بھی مخالف لوگون پر سختی کرنے اور تمام

حکم دیتی ہے :-

وَاِنْ جَاھَدَاكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ - +

"اور اگر تیرے ماں باپ اس بات کی کوشش کرین کہ تو ایسی چیز کو میرے ساتھ شریک بنائے تو اُنکی بات ہرگز نہ مان اور دنیا مین اُن کے ساتھ اچھا سلوک کر اور اُس شخص کی راہ پر چل جو میری طرف واپس آیا ہے"

دیکھو! اور انصاف کرو! مذہب اسلام کس طرح باوجود اپنے پیرو ون کو اُنکے دکھ دینے والون پر سختی کا حکم دینے کے باپ کو بیٹے سے اور ماں کو بیٹی سے جدا نہین کرتا۔ بلکہ ایماندار اولاد کو حکم دیتا ہے کہ اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے دنیا مین مشرک والدین کا ساتھ دو اور اُن کے ساتھ احسان کرو ع "گوش سخن شنو کجا دیدۂ اعتبار کو!"

اب دیکھو کہ اسلام ایک جانب تو اپنی مغلوب قومون اور فرقون سے ایسا خفیف ٹکس لینے پر اکتفا کرتا ہے جو قبل از فتوحات اسلام اُن پر مقرر شدہ محصولون سے کہین کم ہے اور اس کے ساتھ اُن کو امن و امان کے ساتھ رہنے حکومت کے معاملات مین خلل نہ ڈالنے یا اُس سے بغاوت نہ برپا کرنے اور عام حکمرانی کے نظام کو درہم و برہم کرنے کا قصد نہ کرنے کی خواہش رکھتا ہے جسکے بعد اُن کی باگ ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے تاکہ وہ اپنے خاص کاروبار جس طرح

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲ ۔۔۔ کو برباد کردینے کا جابجا صریحی حکم موجود ہے۔ تثنیۃ الاشتراع باب ۱۳ : ۹- جبکہ در پردہ تیرا ماں جایا بھائی۔ یا تیرا بیٹا یا بیٹی۔ یا تیری ہمنشین عورت۔ یا تیرا جانی دوست تجھے اغوا کرکے کہے کہ آؤ ہم اور تم سب چلکر اُن دوسرے معبودون کی پرستش کرین جن کو نہ تم جانتے ہو اور نہ تمہارے ماں باپ جانتے تھے۔ اور وہ معبود دنیا کی تم سے تمام دور و نزدیک رہنے والی قومون کے بھی معبود نہین ہین تو تم کبھی اُن کے کہنے پر راضی نہ ہونا۔ اُن کی بات نہ سُننا اور نہ اُنپر رحم کی نظر ڈالنا۔ نہ اُن کو چھپانا۔ بلکہ فوراً قتل کر ڈالنا! الخ۔ غرضکہ ایسی ہی بہت سی آئتین موجود ہین جنکے کہان تک ۔۔۔ کیا جاسکتا ہے ۔۔۔

دل مین آئے انجام دین نہ اُنپر کسی طرح کی نگرانی ہے نہ کوئی روک ٹوک صرف اُنہی کے ضمیرون پر تمام باتون کی تعمیل کا دارومدار ہے۔ اور دوسری جانب سے مومن لوگون کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے مشرک عزیزون اور رشتہ دارون سے قطع تعلق نہ کرین۔ بلکہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرین۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوگون کے اندرونی معاملات کا خدا پر چھوڑ دینا اسلام کی طبیعت مین داخل ہے۔ اور اسکی سرشت یہ ہے کہ اپنے عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھنے والون کو ہر طرح پناہ دے۔ اُن کی حفاظت کرے۔ گو وہ لوگ کیسی ہی سخت گمراہی اور جہالت مین گرفتار ہون۔ مگر اسلام اُنہین زبردستی اپنے نور ہدایت سے منور بنانا نہین چاہتا۔ پھر کیا ان تمام باتون کو معلوم کرکے بھی کسی شخص کو یہ کہنے کا موقع مل سکتا ہے کہ اسلام علم اور علماء کو ٹھنڈے دل سے نہین دیکھ سکتا؟ یا اُس مین فضیلت اور اُن اہل فضیلت لوگون کے ساتھ جنھون نے اپنی ساری عمر کسی بہترین حقیقت کے انکشاف یا ثبوت یا کسی علمی طریقہ کے آسان بنانے مین صرف کر دی ہے سلوک اور رعایت کرنیکا مادہ نہین؟ نہین۔ کوئی شخص بشرطیکہ وہ منصف بھی ہو ایسی لغویات زبان پر لائیگا غرضکہ علمی تحقیقات کے بارہ مین جسکا دل چاہے آزادی کے ساتھ آسمان و زمین کے قلابے ملائے آسمان پر چڑھ جائے۔ قطب جنوبی کی سیر کر آئے۔ اسلام اُسکی راہ مین ہرگز حائل نہ ہوگا۔ البتہ اگر وہ کسی قسم کا فساد برپا کرنا چاہے یا امن عامہ مین خلل انداز ہو تو بیشک اُس وقت اسلام حکومت کے ہاتھ سے کام لے گا۔ اور مکار کو اس کے مکر و فریب کا مزہ چکھائیگا

اسلام کی ساتوین اصل مخالف عقیدہ رکھنے والون کے ساتھ دوستی اور محبت کرنا ہے

شادی کا ناطہ

اسلام نے مسلمان کے لئے کتابی عورت سے شادی کرنا مباح کر دیا ہے خواہ وہ یہودیہ ہو یا نصرانیہ۔ اور مسلمان شوہر پر کتابیہ بیوی کے حقوق یہ رکھے ہین کہ اُسے اپنے عقیدہ پر قائم رہنے اور اپنے فرائض عبادت بجا لانے۔ اور اپنے معبدون مین

جانے کی پوری آزادی عطا کرے۔ حالانکہ عورت مرد کے بدن کا ایک حصہ۔ اُسکے رنج و راحت سفر و حضر کی شریک۔ اُسکے بچون کی مان۔ اُسکی رفیق تنہائی۔ اُسکے گھر کی ملکہ اور کنبہ پر حکومت کرنے مین اُسکی شریک ہے۔ اسلام نے کتابیہ اور مسلمہ بیوی کے حقوق مین کوئی امتیازی درجہ نہین قائم کیا ہے۔ نہ کتابیہ بیوی کو اختلاف عقیدہ کی وجہ سے شوہر کا ساتھی ہونے سے الگ کیا گیا۔ بلکہ جس طرح ایک مسلمان بیوی کو اپنے (مسلمان) شوہر کے لئے آرام جان اور راحت روح کہا گیا ہے اُسی طرح کتابیہ عورت کو بھی اُس کے دل و جگر کی مالک اور اُسکے راحت و آرام کی موجب تسلیم کیا ہے چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے:—

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۟	"اور خدا کی نشانیون مین سے ایک نشان یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری ہی ذاتون مین سے تمہاری بیوی جوڑے بنائے تاکہ تم اون کے ساتھ تسکین پاؤ اور تمہارے باہم محبت اور رحم ڈالا بیشک اس بات مین غور کرنے والون کے لئے بہت سی نشانیان ہین۔"

لہذا کتابیہ عورت کو بھی محبت اور مہربانی کا ویسا ہی حصہ ملیگا جیسا مسلمان عورت کو ملتا ہے اور جس طرح مسلمان شوہر مسلمہ بیوی کی ذات سے آرام پاتا ہے ویسے ہی کتابیہ بیوی بھی اُسکے لئے موجب آرام و راحت ہوگی۔ پھر اس بات کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ بیوی اور شوہر کے رشتہ دارون مین ایسی شادیون سے کس قسم کے دوستانہ تعلقات قایم ہو جائینگے۔ دونون فریقین مین باہمی الفت اور اعانت کے روابط مستحکم ہون گے جو انسانی فطرت کا تقاضا ہے جس پر طرہ یہ ہوگا کہ ایسی بیوی سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ ہر طرح اپنے ننہال والون کی نگاہون مین عزیز اور اُن سے قریبانہ تعلقات قائم کرنے والی ہوگی۔ غرضکہ اسلام نے مسلم اور غیر مسلم اہل کتاب کے باہمی محبت و یگانگت بڑھانے کا یہ ایسا آسان ذریعہ قرار دیا ہے جو اُس سے پہلے یا پیچھے کسی دین و ملت مین نہین پایا جاتا۔ یہان تک کہ دنیا کے دو قدیم اور صحیح کتابی مذہب

یعنی یہودیت اور نصرانیت بھی اسکی نظیر پیش کرسکنے سے عاجز ہین۔[۱]

ایک صحیح النظر اور صاحب عقل سلیم انسان اس طرح کے تسامح اور درگزر کی قرارداد کو دیکھکر بلا تامل سمجھ سکتا ہے کہ اسلام نے دین کو ایک ایسا معاملہ قرار دیا ہے جو بالخصوص صرف بندہ اور خدا کے مابین ہونا چاہئیے۔ اور عقیدہ ایک دلی خیال کا نام ہے جسکا انجام محض خدائے غیب دان کے ہاتھون مین رہنا چاہئیے۔ وہی اس بارہ مین اپنے بندہ سے محاسبہ کرسکتا ہے اور جس طرح چاہے مواخذہ کرسکتا ہے کسی مخلوق کو اس مین دست اندازی کا حق نہین۔ ہان کسی حق آگاہ شخص سے جو کچھہ بن پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ غافلون کو متنبہ کردے۔ نادانون کو تعلیم دے۔ گمراہون کو راہ راست دکھائے۔ اور کجروی اختیار کرنے والون کو نصیحت کرے۔ مگر کس طرح؟ اس طرح کہ نہایت نرمی اور محبت وہمدردی خواہی کے اصول سے تاکہ اسکی نصیحتون کا پوری طرح اثر بھی پڑے یا اگر اسکی بات کارگر نہ ہو تو معاملہ مین کوئی مزید پیچیدگی بھی نہ واقع ہوسکے۔

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ کتابیہ بیوی اگر روشن خیال اور علم وادراک حقایق کی دلدادہ ہوگی اور اپنے مسلمان شوہر کے خلاف عقیدہ کسی دوسرے عقیدہ کو اختیار رکھے گی تو اس سے مرد کی وہ محبت جو

---

[۱] بعض عیسائی یہ اعتراض کرتے ہین کہ جس حالت مین مسلمان مرد کو کتابیہ عورت سے نکاح کرنے کی اجازت دیگئی ہے اور اسکا مدعا یہ قرار دیا گیا ہے کہ نوع بشر آپسمین اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کے لئے عقیدہ اور مذہب کے اختلاف کی پروا نکرے تو اسکی کیا وجہ ہے کہ کتابی مرد کو مسلمہ عورت سے نکاح کرنے کی رخصت نہین دی گئی ہے کیونکہ اس مین بھی وہی غرض مضمر تھی؟ ہم کہتے ہین۔۔ مانی ہوئی بات ہے کہ مرد عورتون کی نسبت زیادہ قوی اور صاحب طاقت ہوتے ہین اور وہ عورتون پر حکمران رہتے ہین۔ اسلئے یہ بات قرین عدل اور مقتضائے رحمت نہ تھی کہ ایک قوی فرد کو جو اپنے دینی احکام کے لحاظ سے مخالف عقیدہ بیوی۔ بچون۔ اور والدین کو برا سمجھنے پر مجبور ہے کمزور فرد (بیوی) پر مسلط کرکے اسکی زندگی تلخ کردیجائے۔ ہان اسلام نے یہ امر اس شخص کے لئے مباح کردیا جو عدل اور مہربانی کے اصول پر عمل رکھنے پر مامور ہے اور ان کی پابندی بھی کرتا ہے۔ اور وہ صرف مسلمان مرد ہے۔۔+ (المنار)

اُسے اپنی بیوی کے ساتھ ہونی چاہئیے کم ہو جائے گی ؟ یا وہ مہربانی کا احساس جو خداوند کریم نے شوہر اور بیوی کے دلون مین ڈالا ہے باقی نہ رہیگا ؟ ہرگز نہین - کیونکہ جس حالت مین مسلمان شخص اپنے عقیدہ کے مخالف عقیدہ رکھنے والون سے الفت واعانت کا برتاؤ کرنے پر طیار ہے اور اُن سے اصول مجاملت کا برتاؤ برتتا ہے تو اسکی کوئی وجہ نہین ہوسکتی کہ وہ ایک عالمہ اور محققہ بیوی کے ساتھ زندگی بسر کرنے مین تنگدلی کا اظہار کرے جو اپنی روشن باطنی اور بلند نظری کو کسی اہم علمی راز یا اسرار کائنات اور قاعدہ صنعت کے انکشاف و تعیین مین صرف کر رہی ہو اور اس طرح دنیا کو دماغی فوائد پہونچانے پر آمادہ ہو - اگرچہ یہ اُمور بظاہر اُس مسلمان شوہر کے ذاتی عقاید سے مخالف ہون لیکن وہ کبھی اس بارہ مین روک ٹوک نہین کریگا -

بہرحال اگر مین اُن عناصر اور اجزا کو ایک سرے سے گنانا شروع کرون جو اسلام کی طبیعت مین رحم وکرم کا مزاج جمع کرتے ہین اور علم کے ساتھ آسانی برتنے کی حقیقت کو وجود مین لاتے ہین تو غالباً ایسے ایسے رسالے تو کیا ہین صدہا دفتر بھی اسکے لئے کافی نہونگے لہذا میرا فرض ہے کہ اب ایک آخری اور ضروری اصل کا ذکر کر لینے کے بعد اس گفتگو کا سلسلہ ختم کر دون اور وہ حسب ذیل ہے :—

اسلام کی آٹھوین اصل دین و دنیا کی خوبیون کا باہم جمع کر لینا ہے

صحت | اسلام مین زندگی دین پر مقدم رکھی گئی ہے - اگرچہ پاکیزہ مذہب حنیفی کے احکام بندہ کو خدا کی طرف کھینچ لئے جاتے ہین - اُسکے قلب مین خوف خدا بھرے دیتے ہین اور ایمان کا مرکز رجا اور خوف کے مابین قرار دیتے ہین تاہم باوجود اسکے وہ کچھ اُسے اپنی روزی کمانے سے نہین روکتے اور نہ اپنی کمائی ہوئی دولت سے فایدہ اُٹھانے کو منع کرتے ہین - اسلام اپنے پیرو پر خشک زاہد بننے اور فوق العادت ترک لذات کر دینے کا حکم نہین لگاتا - +

شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کبھی نہین فرمایا کہ وہ اپنی تمام ملکیت بیچکر میری پیروی کرو گے لیکن جس شخص نے اپنے مال مین سے از خود ہی کچھہ صدقہ اور خیرات کی مین دینے کا مشورہ طلب کیا تو آپنے اُس سے یہ ارشاد فرمایا وہ "الثلث والثلث کثیر- انک ان تذر ورثتک اغنیاء خیر من ان تدعھم عالة یتکففون الناس[۵]"

نرمی اور آسانی مسلمانون پر روزہ فرض ہے مگر جس وقت روزہ رکھنے سے بیماری پیدا ہونے یا بڑہجانے کا خوف ہو یا اُس مین تکلیف زیادہ ہوجائے تو اُسکا ترک کردینا جائز ہی بلکہ بعض اوقات جبکہ اُس مین ضرر کا گمان غالب ہو تو ترک صوم واجب ہوجاتا ہے- وضو اور غسل صحت نماز کے شرائط مین داخل ہین لیکن جس وقت اُن سے کسی نقصان کا خوف ہو یا پانی ملنے مین کوئی دشواری پیش آئے تو اس وقت یہ شرط ساقط ہوجاتی ہے قیام صحت نماز کے لئے واجب ہے مگر جب اس مین کوئی سخت تکلیف ہو تو حکم ہے کہ بیٹھکر نماز پڑھ لے- جمعہ کی نماز کے لئے مسجد مین جانا واجب ہے لیکن جس وقت راستہ مین سخت کیچڑ ہو یا پانی زور کا پڑ رہا ہو جسکی وجہ سے مسجد تک جانے مین دقت اور مشکل پڑتی ہے تو جمعہ بھی ساقط ہوجاتا ہے- اور اسی طرح یہ عام قاعدہ پایا جاتا ہے کہ وہ جسمانی صحت دینی صحت

---

[۵] یہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث کی جانب اشارہ ہے جسکو امام بخاری رحمہ اور امام مسلم رحمہ اور اصحاب سنن اربعہ نے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہین کہ سعد رض حج وداع کے زمانہ مین مریض تھے- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی عیادت کے لئے تشریف لیگئے- سعد رض کا ارادہ تہا کہ اپنے مال کے دو تہائی حصے- اور ایک روایت مین ہی کہ اپنا سارا مال راہ خدا مین دیدین- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے دریافت کیا کہ تم نے اپنے بیٹون کے واسطے کیا چھوڑا ہے؟ سعد رض نے کہا کہ وہ خود دولتمند ہین- اور ایک جماعت کی روایت مین آیا ہی کہ سعد رض کی ایک لڑکی تھی اور احمد رح اور نسائی رح کی روایت مین آیا ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد رض کو پہلے اپنے مال کا دسوان حصہ صدقہ مین دینے کی ہدایت فرمائی- اور خلاصہ یہ ہی کہ سعد رض بار بار زیادتی کا اصرار کرتے رہے یہانتک کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک ثلث پر راضی ہوگئے- اور اس حدیث سے زیادتی حرام قرار پائی- (المنار)

پر مقدم ہے"۔ اور اس طرح صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ مذہب نے اپنے احکام مین جس طرح روح کی صحت و سلامتی کا لحاظ رکھا ہے ویسے ہی جسمانی تندرستی پر بھی خیال کیا ہے۔

زیب و زینت اسلام نے اپنے پابندون کے واسطے بشرط اعتدال پسندی اور میانہ روی کے زیب و زینت کے جملہ اقسام اور جائز انسانی خواہشون سے تمتع اُٹھانا مباح کر دیا ہے۔ البتہ ان اُمور مین نیک نیتی۔ حدود شرعی سے آگے نہ بڑھنا۔ اور مردانہ صفات کی حفاظت کرنا بھی لازم ہے۔ چنانچہ قرآن کریم مین آیا ہے:۔

يَا بَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ. قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ. قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ. قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (پارہ ۸۔ سورہ اعراف رکوع ۳)	اے اولاد آدم! لو تم زینت اپنی وقت ہر نماز کے اور کہاؤ اور پیو۔ اور اسراف نہ کرو۔ بیشک اُسکو (خدا کو) اسراف کرنیوالے اچھے نہین معلوم ہوتے۔ تو کہدے (اے پیغمبرؐ) کس نے حرام کی ہو زینت اللہ کی جو پیدا کی ہے اُسنے اپنے بندون کے واسطے اور ستھری چیزین کہانے کی۔ کہدے وہ اُن ایمان والون ہی کیلئے ہے جو دنیا کی زندگی مین ایمان لائے (اور) قیامت کے دن خالص اُنہین کیلئے ہے۔ اسی طرح کھولکر بیان کرتے ہین ہم نشانیان (اپنی) اُن لوگون کے لیے جو سمجھتے ہین۔ کہدے کہ میرے خدا نے صرف بُری کامون کو منع کیا ہے جو اُن مین سے کھلے ہوئے ہین اور جو ڈھکے ہوئے ہین اور گناہ۔ اور ناحق کی زیادتی کو اور اس بات کو

کہ تم اُس شخص کو خدا کا شریک بناؤ جسکی اُس نے کوئی سند نہین اُتاری۔ اور یہ کہ جھوٹھ بولو اللہ پر جو تمکو معلوم نہین"۔

پھر خداوند کریم نے اپنی اُن نعمتون اور زیب و زینت کی چیزون کا شمار دیا ہے جو اُس نے

ہم پر نازل کی ہیں اور اپنے احسانات کو یاد دلایا ہے اور اس طریقہ سے ہماری طبیعتوں کو انکو یاد کرنے اور شکر گزاری کرتے رہنے کی ترغیب دی ہے جیسا کہ فرماتا ہے :-

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

"اور تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے جنمیں گرمی (اون) ہے اور فائدے ہیں اور انہیں سے بعض کو تم کھاتے ہو اور تمہارے لئے ان میں رونق و خوبی ہے جبکہ تم انہیں شام کو گھر لا کر باندھتے ہو اور (صبح کو) چرنے کو کھولتے ہو اور وہ تمہارا بوجھ اٹھا کر اس شہر کی طرف لیجاتے ہیں جہاں تم نہیں پہونچ سکتے تھے۔ مگر بڑی جانکاہی سے بیشک تمہارا پروردگار رؤف و رحیم ہے۔ اور گھوڑے اور خچر اور گدھے تاکہ تم اُنپر سوار ہو اور وہ زینت ہیں۔ اور پیدا کریگا جو کہ تم نہیں جانتے۔"

پھر فرماتا ہے :-

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

(سورہ نحل - رکوع اول - پارہ ۱۴)

"اور وہی (خدا) ہے جسنے دریا کو تمہارے قابو میں دیا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زیور (موتی) نکالو جسے تم پہنتے ہو۔ اور دیکھو تو کشتیاں اسمیں (پانی کو) پھاڑتی چلتی اور تاکہ چاہو تم فضل اسکا اور شاید کہ تم اسکا شکر کرو۔"

کفایت شعاری اسی طرح اسلام نے مال کو خرچ کرنے اور محفوظ رکھنے کے لئے بھی ایک اہم قانون بنایا ہے چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے :-

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا

"بیشک فضول خرچ اور دولت کو اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا نافرمان ہے اور نہ رکھو تو اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے

كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۔ ساتھ ۔ اور نہ کھولدے اُسکو بالکل کھولدینا کہ پھر تو ملامت کیا گیا حسرت زدہ ہوکر بیٹھ رہے "
(سورہ بنی اسرائیل رکوع ۳ - پارہ - ۱۵)

دین مین غلو کرنیکی ممانعت | چونکہ مومن کیطرف سے اس بات کا اندیشہ تھا کہ وہ طلب آخرت مین غلو کرکے اور اُسی کے خیال مین ڈوب کر اپنی دنیا کو بالکل تباہ کرڈالیگا اور اس بات کو بھول جائیگا کہ اُسے دنیا مین بھی کچھ کرنا چاہئیے ۔ اسلئے قرآن پاک نے ہمین تبلایا ہے کہ ہم دنیا مین نعمائے الٰہی سے لطف حاصل کرنیکے ساتھ ہی آخرت کی خوبی حاصل کرسکتے ہین ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ
(سورہ قصص رکوع ۸ - پارہ ۲۰)

"اور خواہش کر اُس چیز سے جو تجھکو خدا نے دی ہے پچھلے گھر کی اور اپنا حصہ دنیا سے نہ بھول اور بھلائی کر جیسے اللہ نے تجھسے بھلائی کی ہے اور نہ چاہ ہو زمین مین فساد پھیلانا ۔ بیشک اللہ کو خرابی ڈالنے والے لوگ پسند نہین آتے "

اب معلوم ہوسکتا ہے کہ اسلام نے حواس انسانی کے حق مین کوئی کمی نہین کی ہے بلکہ اُنھین پوری طرح اُن کے حقوق سے بہرہ ور ہونے کا اذن عام دیا ہے اور جس طرح اُس نے روح کو انسان کے مرتبہ کمال پر پہونچنے کے لئے آمادہ کیا ہے ویسے ہی اُسکے جسم کو اپنی جائز خواہشون سے تمتع اُٹھانے کی آزادی عطا کی ہے ۔ اسلئے اسلام اور صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے انسان کی حقیقت کے اجزا ایک جا جمع کردیئے ہین ۔ اور اُسکو حیوان ناطق شمار کیا ہے یعنی نہ صرف بندہ جسم اور تن پرور بنایا ہے اور نہ خالص ملکوتی اور فرشتہ نوری بلکہ جس طرح اُسے آخرت کے کام کا بنایا ویسے ہی اُسکو دنیا کی آبادی کا بھی اہل کیا ہے ۔ اور جیسے اُسکو اپنا روحانی مرتبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنیکے لئے دعوت دی ہے ویسے ہی اُسے اس جسمانی دنیا والون کے زمرہ مین بھی باقی رکھا ہے ۔ جیسا کہ آیت مذکورہ بالا سے

ثابت ہوتا ہے اور اسی کے موافق خداوند کریم کا قول :-

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ وہی خدا ہے جس نے تمہارے لئے تمام روئے زمین کی چیزیں پیدا کین"

انسان کی تمام قوتوں کو مطلق العنان اور آزاد بنا رہا ہے تاکہ وہ میانہ روی کے ساتھ لذات زندگی سے حصہ لیکر اپنے انتہائی مرکز۔ عالم روحانی۔ پر جا پہونچے۔ اور نفوس انسانی کی سرشت مین ایک دوسرے سے چشمک رکھنا اور جس چیز کو وہ بہتر سمجھتا یا لذید اور مفید پاتا ہو اُسکے لیئے ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی سعی کرنا۔ داخل کر دیا گیا ہے۔

اور انسان کی یہ فطری خواہش کسی مقررہ حد پر پہونچکر رک نہین جاتی بلکہ خداوند کریم نے اُسے ہر طرح کے کمالات مین من کل الوجوہ ایسی روز افزون ترقی کرنے کی قوت و استعداد عطا فرمائی ہے کہ جسکے لیئے کوئی حد ہی نہین قرار پا سکتی۔

نتیجہ :- اسلیئے جبکہ خالق جان آفرین اور دل و دماغ کے سچے رہبر و ہادی نے ہر ایک نفس کے لیئے حصول فلاح کی رغبت دلانے والے اور اُسپر برانگیختہ کرنیوالے دو ذریعے جمع فرمادیئے ہین۔ جن مین سے ایک ذریعہ اسباب زندگی سے لطف اٹھانے اور دوسرا ذریعہ آخرت کی نعیم جاودانی کے جانب مایل ہونے کے لیئے کار آمد ہے تو اس طریقہ سے گویا اُسکے واسطے دنیا مین ادنیٰ اور حقیر چیزون پر نظر نہ ڈالنے اور آخرت مین سخت عذاب سے بچنے کی تدبیر کرنیکا پورا سامان فراہم کر دیا گیا ہے۔ اب ہر ایک نفس اپنی استعداد کے مطابق ہمت اور عالی حوصلگی سے کام لیکر اس عالم ہستی مین بھی اپنے فوائد کی جستجو کرتا ہے جسمین وہ پیدا کیا گیا ہے اور جو اُسی کے لیئے پیدا ہوا۔ جغرافیائی تحقیقات۔ علم طبقات الارض۔ علم خواص الاشیاء۔ علم الہوا۔ علم الماء۔ علم نجوم۔ علم الفلاک۔ وغیرہ وغیرہ یہ سب کیا ہین؟ محض انسانی دماغ اور بشری غور و فکر اور تلاش و تفحص کے نتایج ہین۔ اور مذہب اسلام ان مین مصروف ہونے سے کسی کو نہین روکتا۔ بلکہ وہ صلائے عام دیتا ہے کہ اپنی ضرورتین پوری کرنے۔ اپنے فوائد حاصل کرنے۔ اپنی طبیعی اور جائز خواہشون سے حظ اٹھانے مین تمام انسان آزاد ہین بشرطیکہ ان امور مین وہ شریعت الٰہی اور سنت

فطری کے حدود سے قدم نہ نکالین اور اخلاق و انسانیت کے دائرہ سے خارج نہ ہو جائین پہر اگر اسکے مقابلہ پر مذہب عیسوی کے اصول و قوانین کو رکھکر جانچا جائے تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ کہان اسلام کی ترقی تمدن، اصلاح معاشرت، تحقیقات علمی اور آبادی عالم مین کوشش کرنے کی عام اجازت اور کہان مذہب عیسوی کی یہ ہدایت کہ نجات کا راستہ بجز اس دنیا سے ترک تعلق کرنے اور اسکی لذتون سے کنارہ کش ہونے کے مل ہی نہین سکتا۔ مسیحیت کا زرین اصول یہ ہے کہ دولتمندی اور تمول ایک تاریک پردہ ہے جو نفس انسانی اور ملکوت آسمانی کے مابین حائل ہے اور ممکن نہین کہ اس پردہ کو کسی طرح چاک کر کے نور الٰہی کی تجلی کا نظارہ کیا جا سکے۔ +

ایک مسلمان اس وقت تک نعمت الٰہی کا شکریہ ادا ہی نہین کر سکتا جبتک تمام عالم کائنات کو اپنے نظر غور کے تحت مین نہ لائے۔ تاکہ اسکے ظاہری آثار سے اسکے باطنی اسرار کا انکشاف کر سکے۔ اور قوانین قدرت اور نوامیس طبیعت کا پتا لگائے تاکہ جو باتین اسکو منفعت بخش معلوم ہون۔ انہین اپنی ضروریات مین استعمال کرے اور زبان کو نغمۂ شکر ایزدی سے مترنم رکھے۔ ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار + ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

اور اگر وہ صحیفۂ فطرت کے مطالعہ مین کاہلی یا غفلت سے کام لیگا تو علاوہ اسکے کہ خالق عالم جل شانہ کا حق شکر نہ ادا کر سکیگا۔ کتاب الٰہی اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے سرتابی کرنیکا بھی مجرم قرار پائے گا۔ کیونکہ قرآن پاک اور ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کہلے کہلے لفظون مین بیان کرتے ہین کہ یہ عالم ہستی صرف انسان ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور خداوند کریم نے اسے سراسر عقل بشری کے قبضہ و تصرف مین دیدیا ہے۔ دیکھو سابق الذکر آیت کریمہ " قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ۔ الآیہ " مین کس لطف اور خوبی کا اشارہ کیا گیا ہے جہان کہ پروردگار عالم فرماتا ہے " كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ " جس سے ثابت ہوتا ہے کہ

اہل علم وہی لوگ ہین جو اپنے بسر اوقات کے اسباب بہ رحمت۔ اپنی معاشرت کے سامان زینت۔ اور اپنی حالت کو درست بنانے والے ذرائع مین نعمت الٰہی اور افضال یزدی کی مقدار سے واقفیت حاصل کرتے ہین۔

مسلمان اپنے دینی احکام کی رو سے عزت و برتری عظمت و جبروت اور حکومت و ایالت کے اسباب فراہم کرنے پر آمادہ بنائے گئے ہین۔ وہ ان امور کی تحصیل مین کسی معمولی یا ادنی درجہ پر رکنا نہین چاہتے۔ بلکہ اعلیٰ سے اعلیٰ رتبہ پر فائز ہونے کے خواہشمند ہوتے ہین جسکا حصول اور جسکے وسائل کی زیادتی علم و ہنر پر موقوف ہے لہذا وہ بالطبع طلب علم پر والہ و شیدا رہتے ہین۔ انکو تحصیل علم کے وقت اس بات کی کوئی پروا نہین ہوتی کہ اُن کا اُستاد کون ہے آیا وہ اُن کا ہم عقیدہ ہے یا غیر مذہب اور مختلف العقائد شخص ہے۔ نیک چلن ہے یا بدرویہ۔ آزاد ہے یا غلام۔ غرضکہ زمان و مکان۔ موقع و محل کسی امر کا خیال نہین کرتے۔ بلکہ جس طرح پیاسا آدمی صحرائے ریگزار مین گندہ چھپڑون کا پانی بھی پینے مین مضائقہ نہین کرتا۔ اسیطرح مسلمانون کو علم اور اہل علم کی قدر شناسی مین اُن کے ظاہری اطوار و عادات اور حالات و عقائد پر خیال کرنے کی ضرورت نہین ہوتی ہان جو امر اُن کے پیش نظر رہتا ہے وہ طلب علم اور حصول حکمت ہے جو اُن کے ہادی برحق کی ہدایت ہے۔ "الحکمۃ ضالۃ المؤمن فحیث وجدھا فھو احق بھا"

(خواجہ حالی) ؎ کہ حکمت کو اک گم شدہ لال سمجھو + جہان پاؤ اپنا اُسے مال سمجھو۔

اور وہ اپنے خالق و معبود کا قول ہے۔

یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ "	جسکو چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جس کو حکمت دیجاتی ہو اُسے بہت کچھ بہتری حاصل ہوتی ہے اور نہین یاد کرتے مگر سمجھدار لوگ "

ہر وقت اپنا نصب العین بنائے رہتے ہین۔ پھر مسلمان ہی تو ہین جن کے پروردگار نے

اہل حکمت اور علما کی شان میں فرمایا ہے:-

اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ ۔	"ایسے لوگ جو قول کو سنکر اُس میں سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہین"

بہرحال اگر مسلمان سچا مسلمان ہے تو علم کے ساتھ اُسکو ایسا اعلیٰ درجہ کا مذاق ہوگا جسکی نظیر نہ مل سکے۔ اور یہ ایک ایسا امر ہے جو اُسکے مذہب کی طبیعت مین داخل ہے۔ اور "اطلبوا العلم ولو بالصین" کی حدیث اگرچہ اُسکے لفظی اسناد مین کچھہ گفتگو کی جاتی ہے پہر بہی اس مین شک نہین کہ معناً اُسکی روایت رسول علیہ السلام تک صحیح اور متواتر ہے جس کے ماسوا خود قرآن بہی اُسکا استناد کرتا ہے کیونکہ اللہ پاک علم اور اہل علم کو مطلق طور پر بلا کسی قید و استثنا کے عام انسانون پر فضیلت عطا فرما رہا ہے۔ اِس لئے ایک مسلمان پر طلب علم فرض اور واجب ہہی۔ خواہ اُسکے حصول کے لئے اُسے چین ہی مین کیون نہ جانا پڑے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین چین کی سرزمین پر کوئی متنفس مسلمان نہین پایا جاتا تھا۔

دنیا مین کوئی چیز ایسی نہین پائی جاتی جو پہلے کسی دوسری غرض سے حاصل کیجاتی ہو اور حاصل ہونے کے بعد وہ خود ایک ایسی لذت بنجائے کہ خود ہی مقصود بالذات ہوجائے مگر یہ صفت علم مین موجود ہے کیونکہ ابتداءً انسان بسر اوقات کے ذرائع بہم پہونچانے۔ خوش حالی۔ ذاتی یا قومی مدافعت وغیرہ وغیرہ کی غرض سے علم سیکہتا ہے لیکن تہوڑے ہی عرصہ بعد اُسے خود علم مین وہ لذت ملنے لگتی ہے کہ اب وہ بجائے مقصود بالعرض ہونے کے مقصود بالذات ٹہر جاتا ہے۔ اور انسان شب و روز اُسی کے کشف غوامض مین منہمک رہتا ہے۔ غالباً اس موقع پر سوال ہوگا کہ ایسا کیون ہوتا ہے؟ ہم کہتے ہین کہ اسکی وجہ صاف اور واضح ہے کیونکہ علم عقلی اور دماغی غور کا جولانگاہ ہے۔ اور عقل انسان کی تمام قوتون مین سب سے بہتر و برتر قوت ہے کہ حکیم و دانا خدا نے جیسی لذتین ہر ایک قوت کے لئے مقرر کی ہین ویسی ہی ایک

لذت قوت عقل کے واسطے بہی وضع فرمائی ہے۔ مجھے اس بات کی تو ضرورت نہین معلوم ہوتی کہ ظاہری حواس خمسہ کی خاص خاص لذتین الگ الگ گناؤن کیونکہ انسان تو انسان اور حیوان ناطق ہے حیوان مطلق تک ان حواس کی لذتون سے بخوبی آگاہ ہین۔ پہر جس قدر قوت کی نوعیت خاص ہوگی اُسی انداز سے اُسکے استعمال مین بہی خاص لذت پائی جائیگی چنانچہ انسان کو سب سے بڑہ کر مزہ اس بات مین ملتا ہے کہ وہ کسی نامعلوم راز کا انکشاف کرے اور اسکے حصول کا ذریعہ ہے علم وعقل لہذا ضرور ہے کہ علم مین انسان کو بہت کچہہ لطف حاصل ہو اور جبکہ اسلام نے اپنے پیرو کو بڑی کشادہ دلی سے اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ اس دنیاوی زندگی کی جسمانی لذتون سے اعتدال ومیانہ روی کے ساتہہ حظ اٹہائے۔ تو کیا جس طرح اُسے دنیاوی کاروبار مین مصروف ہونے اور اپنے کسب معاش کے لئے بسیط زمین مین سفر کرنے کی اجازت ملی ہے اسی طرح اُسکو علمی قلمرو مین سیاحت کی اجازت دینا مناسب نہ ہوگا تاکہ وہ اپنی عقل کو بہی اُسکی لذت سے بہرہ ور کرسکے؟ علاوہ برین جیساکہ ہم اوپر بیان کر آئے ہین چونکہ علم ایک مسلمان کی ضروریات معاش مین داخل ہے تو بسا اوقات ایسا ہوجاتا ہے کہ ایک چیز جو پہلے بوجہ ضرورت استعمال کیجاتی ہے رفتہ رفتہ وہی عادت اور پہر عادت سے طبیعت ثانیہ بنجاتی ہے۔ جیساکہ بہت سے مسلمانون پر گزر چکا ہے مسلمانون کے ائمہ مین سے ایک جلیل القدر امام کا قول ہے "طلبنا العلم لغیر اللہ فابی ان یکون الا للہ" ہم نے علم کو غیر خدا کے واسطے طلب کرنا چاہا۔ مگر علم نے اس بات سے انکار کردیا اور کہا کہ وہ محض خدا ہی کے لئے قابل طلب ہے۔

مسلمانون مین ان اصول نے کیا آثار اور نتائج دکھائے ہے؟

اسلام کی اس طبیعت نے مسلمانون پر کیا اثر دکہایا؟ اور اُن کے اسلاف اولین پر اسکا کیا عکس پڑا؟ ملک مصر کی فتح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے واصل بحق ہونیکے چہہ اور ایک

دوسری روایت کے مطابق نو۹ سال بعد عمرو بن العاصؓ کے ہاتھون مکمل ہوئی اور انہون نے شہر اسکندریہ پر قبضہ کرکے پہلے اُسی کو صدر مقام قرار دینا چاہا۔ وہ زمانہ ایسا تھا کہ ابھی اسلام کی صبح صادق دنیا مین طلوع ہوکر اپنی روشنی بتدریج پھیلا رہی تھی۔ ان دنون اسکندریہ مین ایک یعقوبی فرقہ کا مسیحی عالم "یوحنا نحوی" نامی اگلے زمانہ کی یادگار تھا۔ یہ حکیم ابتدائے عمر مین ملاحی کا پیشہ کیا کرتا اور ایک کشتی پر لوگون کو سوار کرکے دریائے نیل کے پار اتارا کرتا تھا۔ مگر اُسکی طبیعت علم کی طرف مائل تھی۔ اسلیئے جب اُسکی کشتی مین کچھ پڑھے لکھے یا ذی علم لوگ سوار ہوتے تو وہ اُن کی علمی گفتگو کو نہایت غور سے سُنا کرتا۔ پھر اُسکا شوق زیادہ بڑھ گیا۔ تو ملاحی کا پیشہ ترک کرکے طالبعلمی شروع کی۔ اُس وقت "یحیی" کی عمر چالیس سال کی ہوچکی تھی۔ مگر خداداد شوق اور محنت نے اُسے علم و کمال کے اُس درجہ پر پہنچادیا جو بچپن کے زمانہ سے علمی گودون مین پرورش پانے والون کو بھی نصیب نہ ہوسکا۔ "یحیی" نے کئی ایک فن بہت عمدہ طور پر حاصل کرلیئے یہان تک کہ وہ اپنے وقت کا نامی فلاسفر طبیب۔ اور منطقی تسلیم کیا گیا ہے۔

مسلمان اور یوروپین مورخون کی ایک بڑی تعداد بوثوق یہ بیان کرتی ہے کہ عمرو بن عاصؓ نے یحیی کی شہرت علمی اور قابلیت کا تذکرہ سُنکر اُسے اپنا مقرب بنایا اور اُسکے علم و فضل کا پوری طرح اکرام کیا۔ اور آپسمین انکی ایسی گہری صحبت ہوگئی جسکا حال عام طور پر مشہور ہے۔ یہان تک کہ ایک یوروپین عالم اور مورخ لکھتا ہے:۔ "عمرو بن عاصؓ فاتح مصر اور یوحنا نحوی مین باہم جس طرحکی الفت اور محبت پیدا ہوگئی تھی وہ ہمارے لیئے اس بات کی بہت عمدہ نظیر قائم کرتی ہے کہ ایک صحرانشین عربی آدمی کی عقل کس درجہ کی آزادخیالی اور روشن دماغی سے بہرہ ور ہوسکتی ہے۔ وہ زمانہ جاہلیت کی بت پرستی کے قید و بند سے چھوٹتے اور توحید محمدی ؐ کے حلقہ مین داخل ہوتے ہی ہر طرحکے عقلی اور اخلاقی علوم کے میدانون مین جولانی دکھانیکے لیئے آمادہ اور پوری طرح موزون بنگیا" +

مسلمانون کا خلا ملا۔ فارس۔ شام۔ اور سواد عراق کے غیر مذہب لوگون سے ہوا جنکو انہون نے

اپنے کاروبار مین دخیل بنایا اور مذہب نے مسلمانون کو کبھی اس بات کی ممانعت نہین کی کہ وہ غیر مسلم قومون سے کوئی ملکی خدمت نہ لین۔ یہان تک کہ ملک شام مین ابتدائی اسلامی حکومت کے تمام دفاتر رومی زبان ہی مین تھے۔ اور بیسیون سال کے بعد دفترون کی زبان عربی قرار دی گئی۔ غرضکہ اس میل جول کا نتیجہ مبادلہ خیالات بھی نکلا جسکو مذہب اسلام کی کشادہ دلی نے برا نہین سمجھا اور مسلمان لوگ عام طور پر علوم و فنون، اور دستکاریون کے سیکھنے مین مصروف ہوئے۔

مسلمانون کا پہلے علوم ادبیہ اور پھر بتدریج علوم عقلیہ کی تحصیل مین بھی مشغول ہونا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بیس سال بعد خلیفہ علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے لوگون کو عربی زباندانی کے علوم حاصل کرنے پر توجہ دلانی شروع کی، اور یہ دیکھکر کہ غیر عربی اقوام کے بکثرت مشرف باسلام ہوتے جانے سے عربی زبان کی حفاظت اور اُسکے قواعد وضع کرنے کی حاجت ہوگئی ہے۔ اُنہون نے "ابوالاسود" کو نحوی قواعد وضع کرنے کیلیے ارشاد فرمایا۔ اُس وقت اندرونی فسادات اور خانہ جنگیون نے اسلامی قلمرو مین سخت ہلچل اور بدامنی پھیلا رکھی تھی۔ خلافت کا جھگڑا پولیٹکل سازشون کی گرم بازاری مسلمانون کو ہر ایک دینی اور دنیاوی معاملہ سے ہٹاکر ہمہ تن اپنے ہی جانب متوجہ کر رہی تھی۔ مگر بایںہمہ وہ قانون فطرت کے اقتضا سے تدریجی طور پر علوم و فنون کی تحصیل بھی کرتے ہی گئے۔ چنانچہ علم وقائع عرب اُن کی تاریخ۔ شعر گوئی۔ اور بلیغ نثر عبارت کی انشا پردازی بنی اُمیہ کی خلافت کے قلیل زمانہ ہی مین اس حدتک ترقی کر گئی تھی کہ کسی دوسری قوم مین اتنی تھوڑی مدت کے اندر لٹریچر نے ہرگز ایسا عروج نہین پایا۔ جسکے ساتھہ ہی اموی خلفا اہل ادب کی قدر و منزلت کرتے رہتے تھے اور شاعرون علم سیر کے عالمون۔ اور خطیبون کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اسی کے ساتھہ اُنکے آخری دور حکومت مین علوم عقلیہ کے آثار بھی ظاہر ہونے لگے تھے۔ اور بہت سی صنعت و حرفت

علوم عقلیہ کی کتابین غیر زبانون سے عربی زبان مین ترجمہ بھی کر لی گئی تھین۔ حالانکہ ہنوز پہلی صدی ہجری کا خاتمہ نہین ہونے پایا تھا۔ +

اموی خلفا نے دار الخلافۃ کو "مدینہ" سے ملک شام مین منتقل کر دیا تھا۔ اور اُنہون نے زاہدانہ زندگی بسر کرنے مین خلفاے راشدین کے طرز معاش کی پیروی نہین کی۔ عمر ابن الخطاب کے وقت مین ایرانی دربار کا قاصد بارگاہ خلافت مین حاضر ہوا۔ اور جب اُس نے دریافت کیا کہ خلیفہ کہان ملینگے؟ تو لوگون نے عمر ابن الخطاب کے موجود ہونے کی جگہہ بتائی اور قاصد نے جاکر دیکھا کہ شاہنشاہ اسلام قبرستان بقیع مین ایک کھجور کے درخت کے نیچے فرش خاک پر سو رہے ہین۔ اور بہت سے درویش بھی وہین پڑے ہین لیکن امیر معاویہ کے دربار مین بھی شاہان روے زمین کے سفیر آئے تو اُنہون نے دیکھا کہ قصر خلافت نہایت شاندار بنا ہوا ہے جس مین عربی طرز تعمیر کی بہترین خوبی دکھائی گئی ہے۔ پایین باغ بھی ہے۔ فوارے اور نہرین بھی ہین اور سارا محل اعلےٰ درجہ کے فروش سے آراستہ ہے جسمین ابہت اور جلالت کے آثار عیان ہین۔ فرنیچر قرینہ اور قاعدہ سے لگا ہوا ہے۔ تو کیا معاویہ نے ایسا ٹھاٹھ اختیار کرنے مین اصول دین سے انحراف برتا تھا اور مذہبی احکام کی خلاف ورزی کی تھی؟ ہرگز نہین۔ اُنہون نے صرف مباح چیزون کو استعمال کیا اور خدا کی عطا کی ہوئی نعمتون اور سہولتون سے فایدہ اُٹھایا جس کے ساتھ ہی اُن کی قدردانی صنعت وحرفت بھی اسی کی مقتضی ہوئی تھی۔ +

دوسری صدی ہجری کے اوائل مین مسلمانون کا علوم کونیہ کی تحصیل مین مشغول ہونا

جیساکہ ہم اوپر بیان کر آئے ہین بنی اُمیہ کی حکومت کا زمانہ سرتاسر نزاع وفساد۔ بغاوت وخانہ جنگی۔ اور نہایت بے اطمینانی کے عالم مین بسر ہوا مگر اسکے بعد عباسی حکومت کا سنگ بنیاد زمانہ کے ہاتھون رکھا گیا تو اُسکے آغاز مین بھی دوسری صدی کے ایک ثلث آل بیت نبوی

سے خانہ جنگی رہی جسکے بعد ۱۳۲ ہجری مین خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی جو اس خاندان کا دوسرا فرمانروا تھا دارالسلطنت اور پایۂ تخت خلافت کو بغداد مین منتقل کرلایا۔ اور پھر یہ شہر جس طرح اسلامی حکومت وخلافت کا دارالمقر اور تمدن کا گھر بنا ویسے ہی دنیا کا بے نظیر دارالعلم بھی قرار پایا خلیفہ منصور نے علم طب اور قانون مذہبی کے مدارس قایم کرنے پر نہایت قابل قدر توجہ کی اور وہ اپنا ذاتی وقت بھی بقدر گنجایش علوم فلکیہ کے حاصل کرنے پر صرف کرتا رہا۔ منصور نے جس کام کو چھیڑا تھا اُسکے پوتے ہارون الرشید نے اُسے حد کمال پر پہنچایا اور اُس نے حکم دیا کہ ہر ایک مسجد کے ماتحت جملہ اقسام علوم کی تعلیم کا ایک مدرسہ بھی قایم کیا جائے۔ بعد ازان ہارون کے خلف الرشید خلیفہ "مامون" کے عہد حکومت مین علم و ہنر اپنے عروج کے بلند ترین زینہ پر پہونچ گیا۔ اور یہ دولت خوب بڑھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ خلیفہ مامون نے ایک سواد نٹون پر بار کرنے کے قابل قلمی کتابون کے نادر نسخے مختلف مقامات سے منگواکر بغداد کے شاہی کتب خانہ مین فراہم کئے تھے۔ میثل ثالث امپراطور روم کے ساتھ "مامون" نے اس شرط پر صلح کی تھی کہ وہ منجملہ اور چیزون کے قسطنطنیہ کے کتب خانون مین سے ایک پورا کتب خانہ بھی خلافت اسلامیہ کو نذر دے جس وقت وہ کتب خانہ بغداد مین پہنچا تو اُس مین سب سے نفیس کتاب حکیم بطلیموس کی ایک خاص تصنیف ریاضیات فلک کے متعلق بھی نکلی جسکو خلیفہ مامون نے فوراً عربی زبان مین ترجمہ کرنے کا حکم صادر کیا اور وہ ترجمہ "مجسطی" کے نام سے موسوم کیا گیا۔ غرضکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائیون بنو عباس کے عہد دولت مین جس قدر مختلف علوم کی کتابین عربی زبان مین ترجمہ کی گئین اُن کا شمار کرسکنا آسان نہین ہے اور اسی عہد مین مملکت اسلامی علم و فن کا گھر بنگئی تھی۔

مسلمانون کا عام و خاص کتب خانے قایم کرنا۔

اسلامی حکومتون نے کتب خانون کے قایم کرنے پر اس طرح کی خاص توجہ کی جو ان سے

پہلے دنیا کی کسی حکومت نے نہین کی تہی۔ چوتہی صدی ہجری کے ابتدائی زمانہ مین بمقام "قاہرہ" ایک اتنا بڑا کتبخانہ تہا جس مین ایک لاکھ جلدین مختلف علوم و فنون کی کتابون کی موجود تہین منجملہ اُن کے چھ ہزار نسخے صرف علم طب اور علم فلک کی کتابون کے تہے۔ اس کتبخانہ کا دستور یہ رکہا گیا تہا کہ اسکی کتابین۔ "قاہرہ" مین قیام رکہنے والے طالب علمون کو عاریتاً دیجایا کرتی تہین تاکہ وہ ان کے مطالعہ سے اپنا علمی شوق پورا کرین نیز اسی کتب خانہ مین دو آسمانی کُرے رکہے ہوئے تہے جن مین سے ایک خالص چاندی کا اور بقول بعض خود حکیم بطلیموس کے ہاتہون کا بنایا ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کُرہ فلکی کی تیاری پر تین ہزار دینار صرف ہوئے تہے۔ اور دوسرا کُرہ برنجی تھا۔ اسپین کے مسلمان خلفا کا کتبخانہ چھ لاکھ جلد کتابون پر حاوی تہا اور محض اس کی فہرست ۴۴ جلدون مین مرتب ہوئی تہی۔ اور مورخین نے وثوق کے ساتہہ لکھا ہے کہ محض مملکت اسپین ہی مین ستر عام کتب خانے (پبلک لائبریریان) موجود تہے جنمین مطالعہ نقل اور ترجمہ کرنے والون کے لئے علیحدہ علیحدہ جگہین بنی ہوئی تہین۔

بعض خاص خاص لوگ کتابون کے جمع کرنے پر اس قدر فریفتہ ہوتے تہے کہ وہ اپنے گہرون کو درسگاہ بنا لیا کرتے۔ سُلطان بخارا نے اندلس کے ایک طبیب کو بلا بہیجا اور اُسکی ملاقات کا بیحد شوق ظاہر کیا۔ طبیب نے سلطان بخارا کی طلب کا یہ معذرت آمیز جواب بہیجا کہ اُسکی حاضری غیر ممکن ہے کیونکہ اُسکے پاس کتابین اتنی ہین جو چار سو اونٹون پر بار ہو سکین اور اُسے ہر وقت ان تمام کتابون کی ضرورت رہتی ہے۔ اسی طرح حنین بن اسحٰق نسطوری عیسائی عالم نے بغداد مین اپنا گہر اور کتبخانہ عام شائقین علوم کے لئے کہول رکہا تہا جہان علوم عقلیہ اور علوم ریاضیہ کے طالب علم برابر جایا کرتے۔ اور اگر وہ لوگ کسی مسئلہ پر حنین بن اسحاق سے گفتگو کرنے یا کسی پیچیدہ بات کے سمجہانے کی خواہش کیا کرتے تو یہ دانشمند اور نیکدل شخص اس مین بہی کشادہ دلی سے کام لیکر اُن کی آرزو پوری کر دیتا تہا۔ +

مسلمانون کا تعلیم علوم کیلئے مدرسے قائم کرنا اور دین بینی کی کیفیت

اسلامی قلمرو باوجود اپنی وسعت و ضخامت کے مدارس اور تعلیم گاہون سے بھرا ہوا تھا۔ بعض
کا تذکرہ خاص طور پر یون کیا گیا ہے کہ اسلامی ممالک رومانی قلمرو سے کسی درجہ بڑھکر وسیع تھے
اسلامی قلمرو کے گوشہ گوشہ مین بیشمار مدارس موجود تھے۔ مشرق مین منگولیا اور تاتار۔ اور مغرب مین اکثر
فینفس۔ اور اسپین کی مملکتین علم و فن کی مخزن تھین۔ اور ہر جگہہ اعلیٰ درجہ کے دارالعلوم اور کامل
الفن اساتذہ بکثرت پائے جاتے تھے۔

اساتذہ کا طریقہ درس یہ تھا کہ ہر ایک مدرس جو کچھہ پڑھانا یا بتانا چاہتا پہلے اسپر خوب غور کرتا
اور جس مضمون پر اُسے درس دینا ہوتا اُسکو اپنے حسب خواہش اچھی طرح قلمبند کر لیتا۔ پھر اسی
لکھے ہوئے مضمون کو طالب علمون کے سامنے زبان سے پڑھ کر سناتا جاتا اور طلبا اُسکو لکھہ لیا
کرتے۔ زمان بعد یہی درس [illegible] کر کتابین بنجاتیں جو ہر ایک علم و فن کے متعلق ہوتیں
اور عام طور پر لوگون مین شائع ہوجاتیں۔ اس مقام پر ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہین کہ تمام مورخین
بالاتفاق اِس بات کو مان رہے ہین کہ ایسی جملہ کتابین اور مقالات عام طور سے شائع ہوا کرتے
اور لوگ اُن کو ایک دوسرے سے نقل کر کے دست بدست سارے ملک مین لیجاتے۔ مگر نہ اسپر
کوئی نگرانی ہوتی تھی نہ روک ٹوک۔ اور نہ مصنف کے مضمون مین کسی طرح کی کمی بیشی کی جاتی تھی
البتہ ایک مورخ نے ضرور لکھا ہے کہ بعض ممالک اسلامیہ مین محض عقائد مذہبی کی کتابون کے واسطے
ایک ایسا قانون بنایا گیا تھا جسکا مفہوم یہ تھا کہ عقائد کی کوئی کتاب بلا اجازت عام طور پر شائع نہونے
پائے۔ لیکن جہان تک مجھکو علم ہوا ہے اور جس قدر میری تحقیقات مین آیا ہے اُس سے یہ ثابت
ہوتا ہے کہ جن دنون اسلام فی الواقع اسلام تھا اُس زمانہ مین اسلامی ممالک مین کوئی ایسی قید و
بندش نہین مقرر ہوئی تھی اور بعد مین جہان اور بہت سی خرابیان پھیل گئین اگر دوسری قومون
کی دیکھا دیکھی کسی اسلامی قلمرو مین ایسا ہو بھی گیا ہو تو وہ قابل اعتماد نہین۔ +

بہرحال اب ہم پھر اسلامی مدارس کے حالات کی طرف متوجہ ہوتے ہین۔ انگریز مورخ گبن نے
مسلمانون کے ممالک مشرق و مغرب مین علم کی حمایت کرنے پر بحث کرتے ہوئے بیان کیا ہے
"علم اور علماء کی قدردانی اور مدارات۔ مدرسون کے قائم کرنے۔ اور غریب طلبہ کو وظائف دینے
کے لیئے فیاضی سے کام لینے مین مسلمان وزیرون اور حکام صوبجات (گورنرون) کا مرتبہ خلفاء سے
بھی بڑھ گیا تھا اور بسا اوقات وہ اس بارہ مین خلفا سے چشمک رکھا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے علم کا
ذوق اور اُس کے حاصل کرنے کی لذت سمرقند و بخارا سے لیکر فیض اور قرطبہ تک عام انسانون
کے نفوس مین سرایت کر گئی تھی۔ ایک وزیر (نظام الملک طوسی) نے جو صرف ایک سلطان کا
وزیر تھا بغداد مین ایک مدرسہ کی تعمیر پر دو لاکھ دینار خرچ کیئے۔ اور پندرہ ہزار دینار سالانہ آمدنی کی
جائداد اُسکے مصارف کے لیئے وقف کر دی۔ اس مدرسہ مین چھ ہزار طالب علم غذائے علمی کی پرورش
پاتے تھے جن مین ملک کے بڑے سے بڑے امیر کے فرزند سے لیکر ایک معمولی دستکار اور غریب
شخص کی پوشاک ہر طبقہ کے لڑکے تعلیم پاتے تھے۔ ہان فرق اس قدر تھا کہ دولتمندون کے بیٹے
اپنے باپ اور مربیون کے مصارف سے علم حاصل کرتے اور غریب طالب علمون کو مدرسہ کی
آمدنی وقف سے امداد ملتی تھی۔ اور اُستادون کو بھی بہت بڑی تنخواہین ملتی تھین جو اُن کے
حسب حال ہوتی تھین" الخ

ایک زمانہ مین اسلامی ممالک تین حصون پر تقسیم ہو گئے تھے اور خلافت کا منصب تین فرقون
اور گروہون کے مابین متنازعہ فیہ امر بنگیا تھا۔ مشرق (ایشیا) مین عباسی خاندان۔ مغرب (یورپ)
کی سرزمین اندلس مین اموی گھرانا۔ اور وسط افریقہ کے ملک مصر مین فاطمی کنبہ۔ تینون بجائے
خود مدعی خلافت تھے اور انکی باہمی چشمک و رقابت کچھ محض پولیٹکل اقتدار اور ملکی مقبوضات کی وسعت
ہی پر منحصر نہین تھی بلکہ علم و ادب کی ترقی اور صنعت و حرفت کی سرپرستی مین بھی انکی باہمی سخت
لاگ ڈانٹ دنیا کو مزہ دے رہی تھی۔ اگر مشرقی دنیا مین سمرقند کا رصدخانہ اس بات کا دعوے
کرتا تھا کہ مشرقی لوگ علوم ریاضیات فلک کے سب سے بڑے ماہر اور اس فن کے اصلی سرپرست

ہین تو مغرب مین سرزمین اُندلس کے شہر "جبیر الڈ" کی رصدگاہ اُسکے مقابلہ پر زبان حال سے یہ کہتی تہی کہ اہل مغرب بھی مشرقی لوگون سے کم دماغی قابلیت نہین رکہتے۔

بلاد اسلامیہ کے تمام مدارس نے مدارس طبیہ کے نظام امتحان کا جو یہ قاہرہ کے ایک طبی مدرسے اُتارا تھا جو نہایت شدید اور دقیق نظام امتحان مانا گیا ہے۔ کوئی طبیب جبتک اُس سخت اور مشکل امتحان کو پاس کر کے سند کامیابی حاصل نہ کر لیتا اُسکو علاج و مطب کرنے کی ہرگز اجازت نہ ملتی تہی۔ بلاد یوروپ مین اس محکم نظام کے اصول پر جو سب سے پہلا طبی مدرسہ قائم ہوا وہ ملک اٹلی کے شہر "سالیرن" مین اہل عرب ہی نے قایم کیا تہا۔ اور اسی طرح یوروپ مین سب سے پہلے رصدگاہ بھی اہل عرب ہی نے مملکت اسپین کے شہر "اشبیلیہ" مین قایم کی تہی۔

مسلمان عالم کائنات کے مختلف علوم و فنون کے بیحد دلدادہ۔ اور ہر طرح کے فنون ادبی کے والہ و شیدا رہے۔ یہان تک کہ اُنہون نے سوسائٹی اور معاشرت کے متعلق خیالی قصص اور داستان سرائی کو بھی پایہ کمال پر پہنچا دیا جن کے مطالعہ سے اُن کی واقفیت حالات اجتماعیہ کا رتبہ واضح ہوتا ہے۔ اُنہون نے ابتدا مین یونانی اور سریانی زبانون سے علوم کا اکتساب شروع کیا۔ پہلے پہل اُن کے ترجمہ کرنے والے مسیحی اور صابی وغیرہ مذاہب کے لوگ تہے جن کے ذریعہ سے اُنہون نے یونانی اور سریانی زبانون کی کتابون کا صحیح ترجمہ عربی زبان مین کرایا پہر بہت سے مسلمان علما نے بھی یونانی اور لاطینی زبان سیکھ لی اور دونون زبانون مین لغت مرتب کیئے تاکہ اس طرح وہ براہ راست تمام علوم کو اُن کے اصلی سرچشمہ سے حاصل کر سکین اور اپنے علم و ادراک کی رسائی کے مطابق اُنہین اپنی زبان مین منتقل کرین۔ ایسے ہی شروع شروع مین مسلمان امرا اور فرمانرواون کے بچون کو مسیحی اور یہودی مذہب کے علما تعلیم و تربیت دیا کرتے تہے جسکے بعد اسلامی مدارس قائم ہونے پر اُن مین ہر ملت و مذہب کے مدرسین کا تقرر کیا گیا اور ہر ایک مدرس صرف اُسی علم کی تعلیم دیتا تہا جس مین وہ خاص طور سے سرآمد روزگار مانا جاتا تہا۔

اہل عرب کے علوم اور اُن کے اکتشافات

اہل عرب کا علم پہلے پہلے یونانی علم تہا۔ مگر یہ حالت ایک صدی سے زائد نہین قائم رہی جسکے بعد اُن کا علم خالص عربی علم ہوگیا۔ اور ایک عربی عالم نے اس عار کو برداشت کرنا نہ چاہا کہ وہ عرصۂ دراز تک محض ارسطو۔ افلاطون۔ اقلیدس اور بطلیموس وغیرہ کا شاگرد ہی بنا رہے اور اپنی طباعی و جدت سے کوئی کام نہ لے۔ حالانکہ یوروپین عالم تاریخ مسیحی کی کامل دس صدیون تک اسی جامد شاگردی اور کورانہ تقلید کے چکر مین پہنسا رہا ہے۔

علمائے یوروپ مین جن لوگون نے علوم عصریہ کا مدار اور ان کی بنیاد تجربہ اور مشاہدہ کو قرار دیکر اُسکو اساتذہ کی روایت اور آرائے مصنفین کا قائم مقام مانا ہے اور علم کو تقلید کی قید غلامی سے آزاد کیا ہے ان مین "لارڈ بیکن" سب سے ممتاز مانا جاتا ہے۔ یورپ مین اس بات کا بڑا فخر کیا جاتا ہے اور اسکو قدامت پرستی سے جنگ کرنے کے ہم پلہ مانا جاتا ہے لیکن اہل عرب نے دوسری صدی ہجری ہی کے آخری حصہ مین علم کی بنیاد اس قاعدہ پر رکہدی تہی۔ سب سے پہلی چیز جو فلاسفۂ عرب کو دیگر اقوام کے علما اور حکما سے امتیازی حیثیت بخشتی ہے وہ یہی ہے کہ (مسلمان) حکمائے عرب نے اپنے علوم و معارف کی بنیاد مشاہدات اور تجربیات پر رکہی تہی۔ اور اونہون نے اپنا اصول بنالیا تہا کہ جبتک تجربہ ہی علم کی تائید نہ کرے اُس وقت تک محض عقلی مقدمات پر کبہی اکتفا نہ کرینگے۔ "ڈاکٹر گستاولی بان" ایک یوروپین فلاسفر کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ "اہل عرب کے نزدیک علم کا قاعدہ ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ اور غور سے کام لو۔ بیشک تم باخبر اور دانشمند بنجاؤگے۔ اور اہل یورپ کے نزدیک دسوین صدی عیسوی کے مابعد تک یہ قاعدہ رہا کہ کتابون کو پڑہو اور جو کچھ اگلے اساتذہ کہہ گئے ہین اُسی کو رٹے جاؤ۔ بس تم عالم کہلاؤگے"

(اس موقع پر ہم عام اہل اسلام کو مخاطب کرکے یہ کہنا چاہتے ہین کہ صاحبو ذرا اپنے حالات پر غور تو کرو۔ کہ تم کیا تہے اور آج کیا ہوگئے۔ افسوس۔ (خواجہ حالی) ؎

کہ کل کون تہے آج کیا ہوگئے تم + ابہی جاگتے تہے ابہی سوگئے تم۔ مترجم)

فاضل مؤرخ "ڈیلامبر" علم ہیأت کی تاریخ لکھتے ہوئے بیان کرتا ہے: "علم کیمیا مین یونانیون کے یہان ایک ہی مجرب اصول نظر نہین آسکتا لیکن اہل عرب کے کیمیائی تحقیقات کا ذخیرہ اُٹھاکر دیکھو تو دو سو مجرب قاعدے موجود نظر آئین گے۔ اسی لئے حقیقی کیمیا صرف اہل عرب کی ایجاد و اکتشاف مانی جاسکتی ہے نہ کسی اور قوم کی اور اہل عرب ہندسہ اور فنون ریاضی کو ایسے آلات منطقی مانتے تھے جو قضایائے نظریہ پر دلیل قایم کرنے مین استعمال ہوسکین۔ اور بات بھی یہی ہے کہ کسی نامعلوم امر تک عقل وفکر کی رسائی ہونے کے واسطے سب سے سچی اور پکی دلیل یہی علوم ریاضی ہین جسکو تمام دنیا مانتی ہے۔ اور جو مشہور عام امر ہے۔

عرب ہی سب سے پہلے لوگ ہین جنہون نے اوقات کے اہم حصے معلوم کرنیکے لئے گھڑیون کا استعمال کیا اور اس غرض سے دہوپ گھڑی ایجاد کی۔ جامد اور سیال اجسام کا ثقل معلوم کرنے کے لئے قواعد وضع کئے اور بہت باریکی اور صحت کے ساتھ اسکی جدولین بنائین۔ فلکی رصدگاہون کی بھی جدولین وضع کین۔ اور یہ جدولین عام طور پر مشہور تھین دیکھنے والے انکو بلا روک ٹوک سمرقند۔ بغداد اور قرطبہ کے رصد خانون مین جاکر دیکھ آتے تھے۔ یہان تک کہ اہل عرب نے ان قوانین کو ایسا درجۂ کمال پر پہنچادیا تھا کہ گویا قریب قریب انہون نے قوت کشش کا پتا لگالیا تھا اور برقی طاقت کے کام مین لانے کا راز حل نہین کیا تھا تو اُسکے حل کرنے کی عمارت کا سنگ بنیاد ضرور نصب کر گئے تھے۔

غرضکہ یہ ناممکن ہے کہ مین اپنے اس مختصر مضمون مین اہل عرب کے تمام اکتشافات کا شمار دے سکون اور یہ بتا سکون کہ دنیا کے مختلف علوم وفنون مین انہون نے کیا کیا اضافہ کیا۔ کیونکہ اسکی تفصیل کے لئے کئی بڑی بڑی مجلد کتابین بھی کافی نہ ہونگی۔ چہ جائیکہ اس رسالہ مین اُن کی سمائی ہوسکے۔ علاوہ اسکے یوروپ کے اکثر صاحب انصاف فلاسفہ اور مورخین نے ان تمام باتون کا شمار اپنی تصنیفات مین دیدیا ہے اور ممکن ہے کہ عربی قوم کے افراد بھی کسی وقت مین اتنی توفیق پائین کہ اُن باتون کو اپنی زبان مین نقل کرکے اپنے اہل ملک اور ابنائے زبان

وہ مذہب کے روبرو پیش کرسکین تاکہ عام مسلمانون کو اپنے اسلاف کرام کے حالات سے آگاہی حاصل ہو لیکن مین اس مقام پر ایک زبردست یوروپین حکیم کا قول ضرور نقل کرون گا جسکا نام "پروفیسر ڈراپر" (امریکن) ہے وہ لکھتا ہے :- "اگر اتفاقاً اہل عرب کی تصنیف کردہ کتابین دیکھتے ہوئے ہماری نگاہ کسی ایسی رائے پر جا پڑے جسے ہم موجودہ زمانہ کی قابل قدر معلومات خیال کرتے ہین تو ہمین بالکل متحیر و مرعوب نہ ہونا چاہئیے مثلاً پروفیسر ڈاروِن کی رائے کائنات عضویہ کی بابت بالکل جدید خیال مانی جاتی ہے کیونکہ یوروپ مین اس خیال کا بانی مبانی یہی علامہ ہے جس نے دنیا کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا کہ ذی روح اور اعضاء رکھنے والی مخلوقات اپنے نوعی کمالات مین بتدریج ترقی کرتی ہے۔ مگر یہ ایک ایسی رائے ہے جسکو اہل عرب کسی زمانہ مین اپنے مدارس مین تعلیم پانے والے طلبہ کو بخوبی سکھا چکے ہین۔ بلکہ وہ ہم سے بھی بڑھکر دور کی کوڑی لا چکے ہین۔ کیونکہ اُن کے ہان ایک ایسا عام اصول مقرر ہو چکا تھا جو کائنات غیر عضویہ اور معادن تک پر حاوی تہا اور اُسی اصل پر اُنہون نے کیمیا کی بنیاد رکھی تہی جو معدنیات کے اپنی شکل مین ترقی کر جانے کا نام ہے۔ علامہ خازنی لکھتا ہے :- "جس وقت جاہل لوگ سُنتے ہین کہ علما کے خیال مین سونا پہلے کئی شکلین بدلنے کے بعد سونا بنتا ہے تو اُنہین یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ وہ ابتداءً دوسرے معادن کی صورت مین تھا۔ اور آخری مرتبہ سونے کی شکل مین آیا ہے یعنی پہلے سیسہ تھا۔ پھر رانگ ہوا۔ زان بعد پیتل۔ بعدہٗ چاندی اور سب سے آخر مین سونا بنگیا۔ مگر اُن لوگون کی سمجھہ مین یہ نہین آتا کہ حکما جب ایسی بات کہتے ہین تو اس سے اُن کی وہی مراد ہوتی ہے جو وہ انسان کے بارہ مین یہی کہتے ہین کہ انسان اپنی موجودہ حالت پر بتدریج اور رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہوا پہونچا ہے حالانکہ علما اور اہل حکمت کی اس سے یہ مراد نہین کہ انسان نے مختلف انواع کی شکلون مین کایا پلٹ ہونیکے بعد جامہ انسانیت پایا ہے مثلاً وہ پہلے بیل تہا۔ پھر گدھے کی جون مین آیا۔ زان بعد گھوڑا بنا۔ اور پھر بندر ہوا۔ اور سب سے آخر مین انسان کے قالب مین آگیا۔" الخ

اور علامہ گستا دلی بان لکھتا ہے "اہل عرب وہ پہلے اُستاد ہین جنہون نے دنیا کو یہ بات سکہائی کہ دین پر مضبوطی کے ساتھہ قایم رہنے کے باوجود انسان مین آزادخیالی بہی کیونکر جمع ہو سکتی ہے"
اس مقام پر مجہے بعض فلاسفہ یورپ کے اُس قول کی تردید بہی ضروری معلوم ہوتی ہے جو اُنہون نے علامہ "ابن رشد" اندلسی کے متعلق کہا ہے کہ وہ آزادی رائے کے پیچہے دین کی اصل کو توڑ ڈالنے سے بہی نہین جہجہکا یعنی اُس نے یہ کہا کہ انسانی روح بہی اُسکے جسم کے فنا ہوجانے کے بعد باقی نہین رہتی اور جو روحین باقی رہنے والی ہین وہ انواع کی روحین ہین یورپ مین فلاسفرون نے یہ بالکل غلط بیانی کی ہے یا حسن ظن سے کام لیکر کہون تو یون کہہ سکتا ہون کہ اُن کو ابن رشد کا قول سمجہنے مین غلط فہمی واقع ہوئی کیونکہ ابن رشد نے جو کچہہ کہا ہے وہ اس بارہ مین حرف بحرف ارسطو وغیرہ حکمائے یونان کے اقوال سے ملتا جلتا ہے۔
ابن رشد صرف یہ کہتا ہے کہ اشخاص فنا ہوجاتے ہین اور نوعین باقی رہتی ہین۔ بجنسہ ارسطو وغیرہ کا بہی یہی قول ہے کہ "اشخاص عالم وجود مین آتے اور پہر فنا ہوجاتے ہین۔ مگر نوعین ہر حالت مین باقی رہنے والی چیز ہین جو کبہی زائل نہین ہوتین" پس اب معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ بات ہی کچہہ اَور ہے اور اسکو اُس نتیجہ سے ذرا بہی تعلق نہین جو علمائے یورپ نے ابن رشد کے قول سے نکالا ہے۔ اور اسی طرح اُن یورپ مین علما نے ابن رشد کے ایک اَور قول مین بہی غلطی کہائی اور لکہا ہے کہ اُسکے اعتقاد مین خداوند کریم تمام دنیا کی روح ہے۔ اور اُسکا ظہور عالم کی صورتون مین ہوا کرتا ہے۔ دنیا کی تمام چیزین اُسی کی جانب راجع ہوتی ہین یعنی اُسی کی ذات مین فنا ہوجاتی ہین۔ اور خدا کے سوا دنیا مین کوئی باقی رہنے والا نہین" دیکہو یہ بات بہی اُن اہل یورپ کے اگلے قول سے ملتی جلتی ہے۔ ہم کہتے ہین۔ ابن رشد مسلمان تہا اور بخوبی جانتا تہا کہ اسلام علم کا منافی نہین۔ مگر ہان وہ منافی ہے تو اس طرح کے وہم کا جس مین کوئی سمجہدار شخص مبتلا ہی نہین ہوسکتا اور مبتلا ہو تو یہ ایک طرح کی ٹہوکر ہے جو علم کے راستہ پر چلنے والون کو لگ جاتی ہے اور وہ اُس کے صدمہ سے سنبہل نہ سکے تو گر کر راستہ سے ہٹ جاتے اور توہم پرست بنجاتے ہین۔

اور بہت سے اس طرح کے لوگ جنپر ایسی بے اصول رائے کا نشہ چڑہا۔ آخر کار اس سے
ہوش مین بہی آگئے۔ مگر بعض ایسے بہی تہے جنکی غفلت دور نہین ہوئی اور وہ اسی مستی کی
حالت مین فنا ہوگئے لیکن ابن رشد کی کتابین ہمارے سامنے موجود ہین اور انکا مطالعہ
ہمکو بتاتا ہے کہ اسکی جانب ایسی رائے کو منسوب کرنا بالکل انصاف وقیاس دونون سے دور ہے
البتہ اگر ان امور کو "ابن سبعین" کی طرف منسوب کیا جائے جو ابن رشد کے بعض شاگردون کا
شاگرد تہا تو ہم اسے تسلیم کر سکتے ہین کیونکہ اسکے کلام مین ایسی باتین پائی جاتی ہین جن سے
یہہ استدلال ہوسکے کہ ممکن ہے اس نے کبہی ایسا بہی خیال ظاہر کیا ہو۔

اور ایک دوسرا فلاسفر لکہتا ہے کہ "اہل عرب نے یونانیون اور دیگر قومون سے جو علوم
حاصل کیئے وہ بالکل مر چکے تہے اور جلد کی دفتیون۔ کتب خانون کی دیوارون یا بعض داغون
مین دفن تہے اور ان کو اس طرح عام مخلوق کی نظرون سے چہپا کر رکہا گیا تہا جیسے کوئی
گران مایہ جواہر پوشیدہ رکہا جاتا ہے۔ مگر اہل عرب کے پاس آتے ہی وہی مردہ علوم آداب
کی زندگی۔ روحون کی غذا۔ ثروت و دولت کی قوت۔ اور صنعت و حرفت کے ذرائع بن گئے
اور انہون نے قوائے بشری کو ایڑ بتا کر اسے اپنے کمال کی شاہراہ پر ڈالدیا۔ تاکہ جو جوہر فطرت
نے اسکے واسطے ودیعت رکہا ہے وہ اس سے حاصل ہو سکے۔ اہل یورپ مین کوئی ایسا شخص
نہین مل سکتا جس نے تاریخ کا مطالعہ کرنیکے ساتہہ عقل سلیم کو حکم بنا کر اس سے اہل عرب کی
علمی ترقیون کا فیصلہ کیا ہو اور پہر وہ اس بات سے مکر جائے کہ یورپ کو جہل کی تاریکی سے
نکال کر علم کی روشنی مین لانے۔ اور اسے نظر و فکر کا طریقہ سکہانے۔ اور اس بات کی تعلیم دینے
مین کہ مشاہدہ اور تجربہ ہی دو ایسی اصلین ہین جنپر علم کی بنیاد قائم ہوتی ہے مسلمانون کو ان
علوم و آداب اور ان کے ان فنون و صنائع کا کوئی احسان نہین جنہین مسلمان اپنے ساتہہ لیئے
ہوئے ملک سپین۔ جنوبی اٹالیا۔ اور فرانس کے ملکون مین اہل یورپ کے لیئے لائے تہے جسوقت
عربی علم اور محمدی ادب کا قدم مملکت اٹلی مین آیا ہے اُس وقت اُنکی بڑی خوش قسمتی یہ تہی کہ

پوپ صاحب اٹلی مین موجود نہ تھے بلکہ وہ ملک فرانس مین چلے گئے تھے اور ستر سال کے قریب قریب"۔ افیئون" مین ہے۔ اسلئے مسلمانون کا علم و ادب شمالی اٹالیا مین خوب پھیلا اور وہان اُس نے اپنے جھنڈے گاڑ دیئے۔ عربی تمدن کا ثبوت اور اُسکی قدامت اس سے عیان ہوتی ہے کہ پیرس دار السلطنت فرانس کی سڑکین پتھر کی سلون سے بارھوین صدی عیسوی مین بنائی گئین اور اُنکی وضع ملک سپین کے شہرون کی سڑکون کے نمونہ پر رکھی گئی یعنی اُسی طرح کے سنگی فرش سے وہ بھی مفروش کی گئین"۔

ایک اور صاحب لکھتے ہین: "میری سمجھ مین نہین آتا کہ اسلام نے دو صدیون کی قلیل مدت مین کیونکر اس قدر بہ کثرت علوم فلک کے عالم دنیا مین پیدا کر دیئے جنکا شمار مشکل ہے۔ اور کلیسا نے یورپ مین بارہ صدیان کامل حکومت کر کے ایک ہی علم فلک کا عالم نہین پیدا کیا؟"

اہل عرب کے عہد مین یہ علمی نشو و نما کسی ایک فرقہ یا طبقہ کے لئے خاص نہ تھا۔ بلکہ تمام لوگ عام طور پر انوار علوم سے مستفید ہو سکتے تھے۔ ہان ایک دوسرے پر فوق حاصل کرنا اپنے جد و جہد پر موقوف تھا۔ اور اس معاملہ مین سب سے بڑی آسانی اور قابل شکر گزاری برتاؤ خلفا اور اُن کے ماتحت حکام کے حلم و کرم کی طرف سے ہوتا تھا اور اسکے ساتھ ہی مذہب اسلام کی کشادہ دلی اور اُسکا خاص مسلمانون اور اپنے زیر اثر غیر مذہب علایا دونون سے نرمی برتنا نور علیٰ نور تھا۔ کسی یورپین فلاسفر نے ایک ایسی بات کہی ہے جو فی الواقع حق اور مشاہدہ سے ثابت ہے۔ وہ لکھتا ہے "دنیا کی قومون نے اس درجہ کا تحمل مزاج اور بردبار فاتح کبھی نہین دیکھا (مختلف مسلمان فاتحین مراد ہین) اور نہ انھون نے کوئی دین ہی ایسا دیکھا ہے جو اپنی نرم مزاجی اور پاکیزگی مین اس حد تک ترقی یافتہ ہو جیسا کہ دین اسلام ہے"

وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ۔ (اور فضیلت وہ ہے جسے دشمن بھی مان گئے ہون)

خلفاء اور امراء کا علم اور علماء کی دستگیری کرنا۔

جن خلفاء کو ایک ساتھہ دینی اور دنیاوی حاکم کہا جاتا ہے اور اس امر کو ان کے علم کے ساتھہ سختی کرنیکا موجب قرار دیا گیا ہے تعجب تو یہ ہے کہ وہی خلفا بذات خاص علوم عقلیہ کے متعلم اور اُسکی تعلیم کے داعی نظر آتے ہین۔ وہ عالم بھی تھے اور پھر اُس علم پر عمل بھی کرتے تھے " مامون" ساجلالتمآب خلیفہ بعض اوقات فلسفہ کے ساتھہ دشمنی رکھنے والے دیندار مسلمانون پر سخت سے سخت ظلم و جور کر گذرا ہے اور تاریخ بہت سے ایسے مشہور لوگون کے نام پیش کرتی ہے جو فلسفہ کو مفسد مذہب گمان کر کے اُسکے ساتھہ عداوت رکھنے کے جرم مین مہینون اور برسون خلیفہ " مامون" کے زندان خانہ مین بند رکہے گئے۔ انصاف شرط ہے ذرا خدا لگتی کہنا کہ کیا اسلام کے سوا کسی اَور مذہب کے دینی رئیس کو بھی علم اور فلسفہ کے دشمنون پر کبھی ایسی سختیان کرتے دیکھا گیا ہے ؟ نہین ۔ اور ہرگز نہین۔ یہ شرف محض مسلمانون کو حاصل ہوا اور حاصل رہیگا۔ +

مسلمان خلفاء اور امراء کے دربارون مین عام اہل علم و ادب کی عزت و توقیر ہوا کرتی تھی۔ اور خاص خاص علماء و حکماء کے ساتھہ اُن کے مناسب حال برتاؤ کیا جاتا تھا۔ مین مثال کے طور پر ایک عالم " شیخ ابی العلاء المعری" کا نام پیش کرتا ہون جو الحاد اور لامذہبی کے ملزم ٹھہرائے گئے تھے۔ علی بن یوسف القفطی لکھتا ہے کہ " صالح بن مرداس حاکم حلب " معرۃ" پر حملہ آور ہوا کیونکہ اس شہر کے باشندون نے اُس سے بغاوت کی تھی۔ صالح بن مرداس نے شہر " معرۃ" کا محاصرہ کر لیا اور منجنیقین نصب کر کے اُسپر پتھر اور آگ برسانی شروع کی۔ اہل شہر نے دیکھا کہ اب وہ مغلوب ہی ہوجائینگے تو دوڑے ہوئے ابی العلاء بن سلیمان کے پاس گئے اور اُس سے درخواست کی کہ وہ شہر سے باہر جا کر امیر صالح کی خدمت مین اہل معرۃ کی سفارش کرے اور اُنکی عفو تقصیر چاہے۔ ابو العلاء شہر سے نکلکر امیر صالح

کے کیمپ مین گیا۔ اور امیر مذکور نے بڑی عزت اور خاطرداری سے اُسکو اپنے پاس بٹھا کر دریافت کیا:۔ کہین کیا آپ کو کچھہ کہنا ہے؟ ابی العلاء نے کہا:۔

الامیر اطال اللہ بقاءہ کالسیف القاطع لان مسہ وخشن حدہ وکالنہار البالغ قاظ وسطہ وطاب بردہ۔ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ۔

"خدا امیر کی عمر دراز کرے۔ آپ تیغ تیز کیطرح ہین جو چھونے مین چکنی اور نرم ہے مگر اُسکی دھار بہت سخت ہے۔ اور آپ مثل بڑے دنون کے ہین جنکا درمیانی حصہ سخت گرم اور اُسکی صبح کی خنکی پسند ہے۔ معافی کے قانون پر عمل کیجیو اور احسان کے ساتھہ حکومت کیجیے اور نادانون کی خطا سے چشم پوشی فرمایئے"۔

امیر صالح نے جواب دیا۔ اچھا مین نے تمہاری خاطر سے اُن لوگون کو معافی دیدی۔ پھر کہا۔ اپنے کچھہ اشعار تو سنایئے تاکہ مین اُنکو یادگار کی طرح دوسرون کے سامنے پڑھون۔ چنانچہ ابو العلاء نے فی البدیہہ چند شعر امیر صالح کی شان مین پڑھے اور امیر صالح محاصرہ توڑکر اپنے مقام کو واپس چلا گیا" دیکھو ایک ایسے فیلسوف کی خاطر جو عام طور پر لامذہب مشہور تھا۔ اس مسلمان امیر نے باغی اہل شہر کی خطا کس طرح معاف کردی۔ اور اگر مین وہ تمام حالات بیان کرون جو خلفاء اور امراء کے اہل علم وکمال سے سلوک ہونے سے متعلق تاریخی کتابون مین بھرے پڑے ہین تو وہ اس مختصر رسالہ مین سما بھی نہ سکین۔ اسلیے مثالاً دو ایک امور لکھنے ہی پر اکتفا کرتا ہون۔ "اگر در خانہ کس است حرفے بس است"۔

دو شبہون کا ازالہ اور سخت گیری کی حقیقت کا بیان

کچھہ لوگ اس وہم مین گرفتار ہوگئے ہین کہ علم اور اہل علم کے ساتھہ بدسلوکی کا ظہور عام مخلوق کی ناراضی اور اُن کے علماء اور آزادخیال لوگون پر غلط الزامات لگانے کی صورت مین ہوا کرتا ہے۔ بعض یاد ہسان خلقت ایسے علماء اور روشن خیال اشخاص پر طرح طرح کی

افترا بندیان کرتی ہے۔ اُن کو حقارت کے الفاظ سے یاد کرتی ہے۔ اور ہر طرح پر اُنھین بُرا سمجھتی ہے۔ اور مسلمانون مین بے شبہ ایسی حالت پائی گئی اور پائی جاتی ہے۔ مگر یہ ایک کھلی ہوئی غلطی ہے کیونکہ اہل علم کے ساتھ اس طرح کی نفرت اور بیزارگی ایک ایسی بات ہے جس سے دنیا کا کوئی حصہ اور کوئی ملک خالی نہ ملیگا چاہے وہان کے رہنے والے کتنے ہی آزاد خیال اور شائق علم کیون نہ ہون لیکن یہ بات اون مین ضرور پائی جائیگی۔ آج یورپ کو قدردانی علم و کمال کا مخزن تسلیم کیا جاتا ہے لیکن وہان کے سب سے بڑے ہوئے علمی مذاق و تہذیب کا حصہ رکھنے والے ملک فرانس مین کیتھلک چرچ کے تیر و اُن علما اور فیلسوفون پر مینہ آتے رہتے ہین جو کینہ کی عداوت کا اظہار کرین۔ اور اُسکے قواعد کی اہانت کرنے والے مضامین لکھین ایسے لوگون پر رومن کیتھلک جماعتین اس طرح کے غلط الزامات لگاتی ہین جن کے وہ کبھی مستوجب نہین ہوسکتے غلط بیانی کی راہ سے کچھ خلاف اصول اور لغو کلام اُنکی جانب منسوب کردیتے اور کہتے ہین کہ اُن اہل علم کی مصنفہ اور مؤلفہ کتابون کو دیکھنا مذہب مین ناجائز ہے۔ ہم اس بارہ مین کوئی شبہ اور انکار نہین کرتے کہ جن دنون مسلمانون کے یہان علم و فلسفہ کی گرم بازاری تھی تو اُن مین بھی اس قسم کی باتین پائی جاتی تھین لیکن یہ کہنا کہ اسکا نام علم و فضل پر ظلم و ستم کرنا ہے ہرگز درست نہین ہوسکتا۔ البتہ یہہ ایک فطری امر ہے کہ انسان جس چیز کو خود نہین جانتا اُس سے ضرور نفرت کریگا جس کے ساتھ ہی وہ شخص جو اُس چیز کو جانتا یا کہتا ہے اُسے خود اُسکی حالت پر چھوڑ دیگا تاکہ جو اُسکے دل مین آئے وہ کرتا رہے۔

بعض لوگ کہتے ہین کہ: تاریخ ہمارے سامنے اس بات کی سندین پیش کرتی ہے کہ بعض آزاد خیال لوگون کو اپنی ذہن مین پکے ہونیکی وجہ سے تلوار کے گھاٹ اتارا گیا اور اُنکو ہرگز ایسی آزادی نہین دی گئی جس سے وہ اپنے خیالات اور دماغی ترقی کو حد کمال پر پہونچا سکین خلیفہ منصور عباسی یا اور مسلمان خلفاء اور حکام نے لا مذہب

لوگون کے ساتھہ جو کچھہ سلوک کیا اُس سے کون انکار کر سکتا ہے؟"

ہم کہتے ہین :- بہت سی آزاد خیالی کی زیادتیان ایسی بھی ہوتی ہین کہ جب وہ عام لوگون مین پھیل جائین تو اون کی نظام کو درہم و برہم کر دیتی اور امن عام مین خلل ڈالتی ہین - جیسے کہ "حلاج"؀ وغیرہ کے خیالات تھے - اُس وقت حکومت کو مجبور ہو کر معاملہ مین ہاتھہ ڈالنا پڑتا ہے تا کہ دنیا کے امن و امان مین خلل نہ پڑے اور اُس خیال کا موجد سیاست کے شکنجہ مین کس دیا جاتا ہے لیکن نہ اِس وجہ سے کہ اُس نے ایسا خیال کیون ظاہر کیا؟ بلکہ اس لئے کہ وہ دوسرون کو بھی اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرتا ہے جس کی اُس دور کے آدمی کو کچھہ بھی حاجت نہین ہوتی - لہٰذا اگر اُس آزاد خیالی کے مدعی کو اپنے جوش و خروش مین ترقی کرنے کا موقع دیا جائے تو غالبًا اس سے سخت ہنگامہ و فساد برپا ہونیکا ڈر رہتا ہے - ایسی حالت مین نظام عالم اور امن و امان کے محافظون کا فرض ہے - کہ نظام تمدن اور مجتمع انسانی کو تباہی و بربادی سے بچانے کی تدبیر کرین اور امن عام کی بنیاد نہ ہلنے دین - اور آج ہم اپنی آنکھون سے یہ بات دیکھہ رہے ہین کہ فلاسفہ اور اہل علم لوگ خاص مذہب کے ساتھہ اس طرح کی بدسلوکی اور سختی کرتے ہین - کیا فرانس کی حکومت نے مذہبی پادریون اور نن عورتون کی مجلسون اور مدرسون کو بالکل گورنمنٹ کی ماتحتی مین نہین لے لیا ہے؟ اور کیا اُس نے یہ عام حکم نہین دیدیا ہے کہ کوئی مذہبی انجمن یا مدرسہ بلا اجازت حکومت کے ہرگز قایم نہ ہو؟ اور جو اس قانون کو نہ مانیگا اُسکی انجمن کو توڑ دینے اور مدرسہ کو بند کر دینے مین فوجی قوت سے کام لیا جائیگا - اور اُن معاملات مین جو شخص سرغنہ ہوگا اُسے جلا وطنی کی سزا دیجائے گی چنانچہ اب تک بہت سے لوگ اسی جرم مین جلا وطن کیے بھی جا چکے ہین! مگر کیا اسکو کوئی شخص ظلم و جور کہہ سکتا ہے؟ ہرگز نہین ہان سخت گیری اور ایسی سخت گیری جسے پرلے درجہ کا ظلم و ستم کہنا زیبا بلکہ واجب ہے وہ سختی تھی جو محکمہ تفتیش نے اور اوسکے بعد دور اول اصلاح کے سرغناؤن نے اپنے اپنے

؀ [illegible] نے اپنی کتاب "مسائل [illegible] الدین" [illegible] لکھا ہے کہ "حلاج" [illegible] تھا - ان [illegible] حکومت [illegible] کا [illegible]

دقتون مین کی -

کہنے والے اسے کیا کہین گے؟ وہ یہ کہین گے کہ مسلمانون کے یہان تعلیم کا ڈہنگ عجیب وغریب تہا اور اس کے اسرار تقریبًا مخفی رکہے جاتے تہے۔ کیونکہ کسی مسجد یا مسجد کے تابع مدرسہ مین فقیہہ متکلم۔ محدث۔ نحوی۔ ادیب فیلسوف اور فلکی اور علم ہندسہ وغیرہ کے تمام اساتذہ ایک ہی جگہہ ملکر بیٹہتے تہے! ابہی ایک طالب علم جو فقیہہ کے پاس سبق لے رہا تہا وہان سے سبق ختم کرنیکے بعد اُٹہتا اور فیلسوف کی مجلس مین جا بیٹہتا۔ اور حدیث کے درس سے اُٹہکر ادب کے سبق مین شریک ہوگیا۔ پہر جس وقت اُن کے آپس مین کسی علمی مسئلہ پر گفتگو ہو جاتی تہی تو معقول بنانے۔ الزامی جواب دینے اور تحقیقی دلایل پیش کرنے مین ہر شخص پوری پوری آزادی رکہتا تہا۔ اور اسکا بالکل خیال تک نہ کیا جاتا تہا کہ تعبیر مطالب مین مذہبی اصول کا جوش ہی لازمی امر ہے بلکہ بحث کا تمام دار مدار عقلی دلایل پر ہوتا تہا۔ عمر بن عبید فرقہ معتزلہ کا افسر اور اپنے عقیدہ مین نہایت غالی تہا لیکن باوجود اس کے وہ امام بخاریؒ کے مشایخ مین ہے۔ کون امام بخاریؒ جنکی صحیح تصنیف فن حدیث کی سب سے اعلیٰ اور اصح کتاب اور کتاب اللہ کے بعد اصح الکتب مانی جاتی ہے خلیفہ منصور عباسی عمر ابن عبید کی اس قدر قدر و منزلت کیا کرتا کہ اُسکے دربار مین کسی عالم یا عہدہ دار کو ویسا مرتبہ حاصل نہ تہا۔ یہان تک کہ ایک دن جس وقت عمر بن عبید خلیفہ کے دربار سے اُٹہکر جا رہا تہا تو خلیفہ منصور نے اُس سے کہا ؎ رمیت لکل الناس حبًا فلقطوا الا ابالک

یا عمرو بن عبید ؎

دیکہو کیونکر ایک امام حدیث کی سند روایت فرقہ معتزلہ کے ایسے نامی سرغنہ تک جا پہونچتی ہے اور یہ بات ذرا بہی نفرت یا عیب کی نگاہ سے نہین دیکہی جاتی۔

اگر کوئی شخص بعض ایسے علماء کے نام گنانے بیٹہہ جائے جنپر عہد اسلام مین سختی کی گئی اور فقیہہ لوگون یا دین مین غلو رکہنے والے اشخاص کے اغواء سے بادشاہون نے

جوش حماقت مین بھر کر اُن کو قتل کرا دیا۔ تو پہلے اُس شخص کو اُن مقتول علماء اور حکماء کی حالت پر نظر کرنا چاہیے تاکہ اسے پہلی ہی نظر مین معلوم ہو جائے کہ فقہاء اور کٹّے ملاؤن کو اُن کی طرف سے جو عداوت پیدا ہوئی وہ کچھہ دینی تعصب ہی کے باعث یا حمیت مذہبی ہی کی غرض سے نہ تھی بلکہ اس خواہش ضرر رسانی کا محرک اُنکا حسد تھا اور دین اُنکی کار برآری کا آلہ یا ایک آڑ تھی۔ اسی لئے جہان کوئی ایسی مثال نظر آئیگی تو یا وہ مقتول و مظلوم عالم کوئی قاضی القضاۃ ہوگا (جیسے قاضی ابن رُشد پر الحاد کی تہمت لگائی گئی اور پہر خلیفہ حاکم نے اونکو معافی دیکر اُن کے عہدہ پر بحال کیا جو ہمارے قول کے صداقت کی دلیل ہے) یا کسی خلیفہ و سلطان کا وزیر و ہمنشین اور مصاحب یا عام لوگون مین بہت بڑا اقتدار رکہنے والا۔ اور ایسی صورتین جس طرح فقیہون کیطرف سے فلاسفہ اور حکما کو ایذا پہونچانے کے لئے ظہور مین آئین خود اُنہی فقہاء کے مابین بہی اسکی نظیرین ملجائینگی کہ اونہون نے کیونکر ایک دوسرے کو نقصان پہونچانے اور ہلاک کرنیکی کوششین کین۔ اور یہ ہماری عقلی دلیلین نہین ہین بلکہ تاریخ اس بات کے صریحی ثبوت پیش کرتی ہے لہٰذا اسے دین کا فلسفہ پر سختی کرنا نہین کہہ سکتے۔ اس واسطے کہ اکثر رنگے ہوئے سیال جو فی الواقع مذہب سے کوئی تعلق نہین رکہتے اور بظاہر علم و صلاح کے لباس مین جلوہ گر ہوتے ہین باہمی رشک و عناد اور ایک دوسرے کو شکست و نقصان دینے کی کوششین اُن کا شیوہ ہوتی ہین۔ ہان جس امر کی بابت یہ کہا جا سکے کہ وہ فی الواقع ایسی سختی ہے جسے مذہب کی فلسفہ کے ساتہہ دشمنی کہہ سکین وہ یہ ہے کہ محض اختلاف عقیدہ یا علم و عمل کے کسی حصہ مین مخالفت دین کا گمان (اسلئے کہ دین کی تنگ دلی مخالف کو اپنے پہلو مین جگہہ نہین دیسکتی) اُس سختی کا موجب ہوئی ہو۔ اور اسلام مین ہرگز ایسی کوئی صورت واقع نہین ہوئی۔ لیکن اگر کوئی واقعہ گزرا ہو جو اِس وقت ہمارے ذہن مین نہین اور یا رلوگون نے اِس سے غلط نتائج نکال کر بالا ہی بالا ایک بات گھڑلی ہو تو یہ اَور بات ہے۔

دین اسلام کی طبیعت یہ تھی جو مین نے اوپر بیان کی اور اُس کے تمام عناصر وامزجہ کی تشریح کردی پھر مشرقی و مغربی دنیا کے حصون مین اس طبیعت کا جو اثر پڑا تھا وہ بھی دکھا دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دین کا سایۂ احسان نہایت وسیع ہے اور اسکی قوت تحمل مخالفین کو اپنے پہلو مین جگہہ دیتی رہی اور اب بھی دیسکتی ہے۔ اُسکا سایۂ مرحمت آج بھی مخالفین کو دعوت دیتا ہے کہ اگر تم میرے سایہ مین آنا پسند کرتے ہو تو سر آنکھون پر آؤ اور آرام پاؤ۔ کیا کوئی شخص ان باتون کو نہین جانتا؟ البتہ خفاش سیرت لوگ شمس اسلام کی روشنی کو نہین دیکھسکتے۔ لیکن انکی نسبت ہم بجز اسکے اور کیا کہہ سکتے ہین؟

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب را چہ گناہ
راست گویم ہزار چشم چنان — کور بہتر کہ آفتاب سیاہ

آج اسلام کی کیا حالت ہے؟

یا مسلمانون کے افعال و اعمال سے اسلام پر حجت قایم کرنیکی تردید

ممکن ہے کوئی معترض یہ کہہ اُٹھے کہ:- اچھا ہم تسلیم کئے لیتے ہین کہ اسلام کی طبیعت علم کے ساتھ حقیقی معنون مین سختی اور مزاحمت کرنے سے باز رہتی ہے۔ اور یہ کہ اگلے زمانہ یا دور اول کے مسلمانون نے علوم کائنات کے عالمون اور عقول بشری کو راہ راست پر لگانے والون کے ساتھ کوئی بُرا سلوک نہین کیا۔ نہ اُنکو ایذائین پہنچائین۔ نہ زندہ آگ مین جلایا۔ اور نہ پھانسیون پر لٹکایا۔ مگر اسکو کیا کہہ سکتے ہین۔ کہ آج تمام مسلمان علما علوم عقلیہ کے جانی دشمن اور علوم جدیدہ کے تشنۂ خون پائے جاتے ہین۔ اور کیا تمام مسلمان اپنے انہی عالمون کے پیرو نہین ہین؟ پس اگر کوئی شخص اپنے گرد و پیش کے ایسے حالات دیکھہ اور سُنکر یہ رائے قائم کرے کہ اسلام بالطبع علوم عقلیہ سے نفرت رکھتا ہے تو کیا اُسکو معذور نہ گنا جائے گا؟ کیا یہ بات نہین سُنی گئی کہ ملک مصر کے علاوہ ایک دوسرے

اسلامی ملک مین کسی شخص نے اجتہاد و تقلید کے بارہ مین ایک مضمون لکھا تھا جسمین اُس نے وہی باتین درج کی تھین جو تمام ائمہ مسلمین کی تسلیم کردہ ہین اور اسی طرح اُس نے فرقہ صوفیہ کے بارہ مین لکھا تھا کہ اس گروہ نے مذہب کو سخت نقصان پہنچایا ہے اور اسلام کو مردہ بنادیا مگر کہنے والے نے یہ بات بھی کچھہ اپنی طرف سے نہین لکھی تھی بلکہ اپنے سے قبل جمہور اہل سنت کے موافق کہا تھا۔ غرضکہ جسوقت اُسکا مضمون چھپکر مصر مین شائع ہوا تو دستار بند علمار کا گروہ مثل طلم سمندر کیطرح اُسکی مخالفت پر اُمنڈ نے لگا مضمون نگار کو بے دین اور مفتری بنایا گیا۔ اور والی ملک سے شکایت کرکے اُسے قید مین ڈلوادیا۔ آخر راقم مضمون بیچارے نے پائے تخت سلطنت مین ایک درخواست بھیجی جس مین لکھا تھا کہ اُسے دربار شاہی مین حاضری کا موقع دیا جائے تاکہ وہ زبانی حاکم عادل کے سامنے اپنے اوپر لگائے ہوئے الزامات کی تردید کرے اور اپنی صداقت ثابت کرسکے۔ وہ درخواست منظور ہوئی مگر عذر و معذرت اور دلیل و حجت سے کوئی کام نہ چلا بلکہ وہان بھی اُس غریب کو قید کی مصیبت ہی بھگتنی پڑی جس کے بعد بڑی دقتون سے کئی مہینے زندان بلا مین رہکر نجات ملی حالانکہ اُس نے ایک بات بھی اُصول دین کے خلاف نہین کہی تھی اور نہ کوئی فتنہ انگیزی کرنی چاہی تھی۔

اسی طرح شیخ سنوسی مرحوم (موجودہ شیخ سنوسی کے والد) جس وقت مصر مین آئے تھے تو اُن کی ایک تصنیف فقہ مالکی رح کے اصول مین یہان شائع ہوئی۔ شیخ مذکور مذہب مالکی رح کے پابند تھے اور اُنہون نے اپنی کتاب مین اصول فقہ مالکی رح پر چند جدید اصول بڑھانے کے علاوہ ایک جگہہ ایسا خیال بھی ظاہر کیا تھا کہ وہ کتاب و سنت سے بطور خود احکام استنباط کرسکتے ہین اور اس صورت مین کبھی مجتہدین کی رائے سے اختلاف بھی کرلیتے ہین۔ اس بات کا دیکھنا تھا کہ غضب ہوگیا جامع ازہر کے شیخ فقہ مالکی جو وہان بڑے نامی اور سرکردہ علمائے روزگار سے تھے فوراً جوش مین آگئے اور ایک حربہ لیکر چلے کہ شیخ سنوسی پر بشرطیکہ وہ

ملجاتے حملہ ہی کر بیٹھتے۔ لیکن خوش قسمتی سے شیخ سنوسی ملک مصر سے چلے گئے تھے اور یہ وجہ ہوئی کہ وہ حربہ کی ضرب کھانے اور اُستاد فقہ مالکی دین کے نام سے ارتکاب جرم کی بدنامی اور مواخذہ مین گرفتار ہونے سے بچ رہے۔

یا جس وقت جامع ازہر کے قدیم دینی دار العلم مین علم جغرافیہ پڑھانے کی تجویز زیر غور تھی اُن دِنون علمائے ازہر کے پُر زور مضامین اسکی مخالفت اور ناپسندیدگی مین نکلتے رہے پھر پچھلے سال اُن کے آپس مین چوٹین چلتی رہین۔ ایک دوسرے کو بدعقیدہ و لامذہب بناتے رہے حالانکہ اُن مین سے کسی نے کوئی قول کتاب و سنت کے خلاف نہین کہا تھا۔

مزید برین ہندوستان۔ افغانستان۔ اور ایران کے علما کی قدامت پرستی اور تقلید آبائی پر علاوگی کیا کم قابل توجہ ادہے چنانچہ جو شخص بھی انکو اپنے کہنہ اور فرسودہ راستہ سی ایک قدم بلکہ ایک انچ ہٹانا چاہتا ہے چاہے وہ تباہی مین پڑنے سے بچانے کی غرض سے ہی بنظر خیر خواہی ایسا کرتا ہو اُن کے خیال مین وہ مرتد و ملحد اور دین مین خرابی ڈالنے والا ہے۔ اسی طرح مغربی حکومت یعنی مراکش مین تعصب کی اس قدر سختی ہے کہ سگرٹ پینے والون کے اعضا کاٹ دیئے جاتے ہین یا کسی ایسے کلمہ کے کہنے مین جسکو سننے والے برا سمجھین قتل کر دینے کی سزا دیجاتی ہے اور یہ بھی خیال نہین کیا جاتا کہ وہ بات کیسی ہے آیا اُسپر اکثر مسلمانون کا اجماع ہے یا نہین؟

یہ کہا جاتا کہ دینی مدارس مین جدید علم طبیعیات یا تاریخ طبیعی کا کچھ حصہ پڑھایا جائے تو قیامت برپا ہو جانے کے برابر ہے جس نے ایسا کہا وہ بدعتی ہے۔ مخرب دین ہے اور اس قابل نہین کہ مسلمان سمجھا جائے۔ غرضکہ ایسی حالتون کو دیکھکر کوئی شخص کیونکر کہہ سکتا ہے کہ اسلام کی طبیعت علم و ہنر کے ساتھہ سماحت برتنے پر آمادہ ہے اور اس لئے علم دوستی کو ہمیشہ اپنا شیوہ رکھا ہے؟ ہان ممکن ہے کہ کوئی یہ کہے کہ مسلمانون کی موجودہ حالت ایک مرض ہے جو کچھہ عرصہ سے اُن کو لاحق ہو گیا ہے۔ تو ہم اس بات کو کبھی مان نہین سکتے

کیونکہ دنیا کے ایک گوشہ سے لیکر دوسرے گوشہ تک جہان جہان مسلمانون کی آبادی ہے جا کر اور غور سے اُن کے حالات کا اندازہ کرنے کے بعد یہی دیکھا گیا کہ وہ ویسے لوگ متفق اللفظ کہتے ہین :-

"اِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلٰى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰى آثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ"	"ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم بھی انہی کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہین"

اب اگر کوئی شخص اس بات سے ذرا بھی خلاف ہو تو وہ سب اُسکے دشمن اور خون کے پیاسے بنجاتے ہین۔ اور خیر سے ایک مختصر فرقہ جو دایرہ تقلید سے نکلکر براہ راست کتاب و سنت سے احکام دین کے سمجھنے اور اُن پر عامل ہونے کا مدعی بن رہا ہے وہ مقلد لوگون سے بھی بڑھکر تنگ خیال اور پھر کر نزاع لفظی ہی کے دایرہ مین رہنے والا ہے۔ ہمنے مانا کہ اُس نے بعض بدعتون یا من گھڑت باتون کو جو مرور ایام سے دین مین داخل کر لی گئی تھین ترک کر دیا ہے تاہم اوسکے خیال مین بجز اُس مفہوم کے جو نص صریح یا سنت صحیحہ کے الفاظ سے سمجھہ مین آتا ہے اور کسی ایسے اصول کا تتبع اور لحاظ ضروری ہی نہین جن پر دین کی بنیاد قایم ہوئی اور جسکے لئے نبی کریم کو دنیا مین بھیجا گیا۔ لہذا یہ لوگ بھی علم کے سچے دوست اور تمدن کے ممد و معاون نہین ہو سکتے۔

اصل یہ ہے کہ فقیہہ لوگون نے ہر مسئلہ کا مدار قدما کی کتابون اور اُنکے اقوال پر رکھکر اپنی جان تحقیق و تدبر کی الجھن مین پھنسانے سے بچالی ہے۔ صورت معاملات خواہ کیسی ہی بدل گئی ہو لیکن وہ ہین کہ فتوی دیتے وقت وہی حکم لکھینگے جو آج سے پانسو یا ہزار سال قبل اُس معاملہ پر کسی نامی فقیہہ نے صادر کیا تھا۔ اگر اُن سے کوئی یہ کہتا ہے کہ صاحبو! مسلمانون پر تباہی آرہی ہے وہ دین کے اصول سے ہٹے جاتے ہین بدعتون اور خرابیون مین گرفتار۔ مفلس و خوار۔ گمراہ و بے اعتبار اور تمام خرابیون کے مجمع بن گئے ہین۔ پھر آپ کیون نہین انکو ہوش مین لانے کی کوشش کرتے انکو سلف صالحین کے

کا نام مٹا دیں اور راہ راست پر آنے کی ہدایت فرمائے۔ تو کہہ دیتے ہین کہ یہ ہمارا فرض نہین اسکی فکر حکام وقت پر لازم ہے ہمسے مسئلے مسائل دریافت کرجاؤ۔ اور اگر حکام ان امور کا انسداد نہ کرین تو بس سمجھ لینا چاہئیے کہ قیامت کے آثار عیان ہوگئے ہین اب دنیا سے اسلام کا نام مٹ جائیگا اور جب قیامت آئیگی اُس وقت کوئی ایک بھی مسلمان باقی نہ ہوگا پھر وہ اسپر حجت قایم کرنے مین مایوسی اور ناامیدی کے مفہوم سے بھری ہوئی آیتین اور حدیثین پڑھکر سنادین گے جس سے اور بھی لوگون کے دل مردہ اور ہمتین پست ہو جائین۔ اور کسی کو کام کرنیکی ہمت ہی نہ باقی رہے +

اسلام کے بارہ مین پروفیسر رینان کی رائے۔ یہی جمود ہے جسکے عقلون کو مضمحل بنا دیئے اور وجدان کو تہ کر رکھنے کا حال اگر ہم لکھنا چاہین تو کئی ضخیم دفتر تیار ہو جائین۔ اور یہی بات ہے جس نے فرانس کے نامور فیلسوف مسیو رینان کو اس بات پر برانگیختہ کیا کہ وہ مذاہب کے علم کے ساتھ تساہل برتنے کا ذکر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل بیباکانہ فقرہ لکھہ جائے کہ "مگر مجھکو یہ خوف ہے کہ عام عقائد کے ساتھ تسامح اور کرم کرتے مین صرف ایک دین اسلام ثابت قدمی دکھا سکے گا۔ مین جانتا اور بخوبی جانتا ہون کہ بعض قدیم آداب اسلام کے پابند اشخاص اور چند آستانہ اور ملک فارس کے مشہور وحیدہ عالمون کی طبیعت مین ایسے زبردست جراثیم موجود ہین جو اُن مین وسیع الخیالی۔ اور مسالمت کیطرف مایل ہونے والی عقل کے وجود کا پتا دیتے ہین۔ گو مجھے یہ خطرہ بھی ہے کہ بکثرت مسلمان علما اور فقہا اُن معدودے چند لوگون کی گردن دباکر اُن کا گلا گھونٹ دین گے اور جب وہ اس طرح مار دیئے گئے تو بس دین اسلام بھی بالکل مرجائیگا۔ تاہم اُن کر موجود ہوتے ہوئے اسلام کی زبردست روح تمدن و تہذیب کی سرپرستی سے باز نہ آئے گی۔ موجودہ زمانہ کی رفتار دو باتون کا ثبوت دے رہی ہے۔ اول یہ کہ جدید تمدن ادیان و مذاہب کا وجود صفحۂ ہستی سے بالکل مٹا دینا نہین چاہتا کیونکہ ایسا کرنے مین پھر خود اُسین

یہ صلاحیت نہیں کہ کسی دین کے حاصل ہونے کا وسیلہ بن سکے۔ اور دوم یہ کہ تمدن جدید ادیان موجودہ کو اپنا سنگ راہ بنتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ لہٰذا ان دونوں اُمور کو پیش نظر رکھکر کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کے مذاہب پر رفتار تمدن کے ساتھ نرمی اور آشتی برتنی واجب ہے ورنہ اسمین شک نہین کہ وہ ایک دن دنیا سے محو ہو کر رہینگے"

پھر اب کوئی بتائے کہ یہ عام جھوٹ جس نے نکتہ چینوں اور طعنہ زنوں کو یہ کہنے کا موقع دیا ہے کہ اسلام مسلمانوں کی چلتی ہوئی گاڑی مین روڑا اٹکائے گا اور اُن کو منزل کامیابی پر نہ پہونچنے دیگا۔ اگر خود مذہب کی طبیعت سے نہین پیدا ہوا تو اور کہان سے آیا؟ یا جو حوادث ہم اوپر بیان کر آئے ہین اگر وہ خود صدا دین ہی کے نتائج و آثار نہین تو کیا ہین؟ اسلیے اگر کوئی اسکو سختی اور ظلم نہ مانے اور نہ یہ مانے کہ ظلم و سختی مذہب اسلام کی لوازم مین داخل ہے تو اُسے یہ ضرور ماننا چاہیئے کہ یہ حالت علم کے ساتھ عداوت رکہنا کہی جاسکتی ہے اور علم کو بُرا سمجھنا۔ اُسکی ناقدری کرنا اور اس سے نفور رہنا مسلمانون کی شان ہے اور ان دونون باتون مین سے کوئی سی ایک بات بھی ٹھیک ہو تو وہ مسلمانون مین عام طور پر پھیل جانے کی صورت مین اُنہین ہر ایک عزت و مرتبت سے بے بہرہ۔ ہر طرح کے فوائد سے بالکل محروم اور ہر قسم کی ذلت و خواری کا شکار بنا دینے کے لئے کافی ہے جبکہ رینان یا ایسے ہی

نوٹ: پروفیسر رینان کی یہ رائے ہے جو اُنہون نے مذہب و تمدن کی باطنی طور پر چھڑ جانے والی خونخوار جنگ کے متعلق ظاہر کی ہے اور ہم نے کسی قدر لفظی تغیر کے ساتھ اُنکے قول کا خلاصہ درج کیا ہے لیکن مفہوم بالکل وہی ہے اور اس مین اُنہون نے ظاہر کر دیا ہے کہ اس میدان جنگ مین تمدن و تہذیب کے پرزور مقابلہ مین اگر کوئی دین مردانہ وار بڑھ کر سکتا ہے تو وہ صرف مذہب اسلام ہے جو علم و ہنر اور عام عقاید کے ساتھ درگذر کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔ اور ابھی مسلمانون مین ایسے روشن ضمیر افراد بھی موجود ہین (گو عام نہ ہون) جنکو اسلام کی سچی روشنی سے بہرہ ملا ہے پہر ہم نہین سمجھتے کہ ہمارے مہربان معترض کیونکر یہ حکم لگا دیتے ہین کہ دین اسلام مسلمانون کی راہ ترقی مین سنگ راہ بنا ہوا ہے اور وہ ہرگز اُنکو شائستگی و تہذیب کے بام پر نہ چڑھنے دیگا۔ (مترجم)

دوسرے علمار کا قول اُنپر صادق آجائیگا۔ اب تم کہو اس بارہ مین کیا کہتے ہو؟ -+

جواب

ہم کہتے ہین واقعی ان خیالات مین سچ کی کچھ کچھ جھلک ضرور نظر آتی ہے۔ لیکن یہ جو کہا جاتا ہے کہ اکثر حالتون مین قول سلف کی پیروی کرنے والے اور اُن کے اصول پر چلنے والے اشخاص قید مین ڈالدیئے گئے تو اسکا باعث دینی جوش یا التعصب نہ تہا بلکہ دستار بند حضرات کو اُن کے حسد نے بہڑکا کر ایسی حرکات پر آمادہ کیا۔ باقی رہی یہ بات کہ پھر اُن لوگون کے قید کیئے جانیکی کیا وجہ تھی؟ تو ہم کہتے ہین کہ یہ مصلحت وقت تھی یا مقتضائے حکمت عملی تھا تاکہ ایک شخص جو آزاد خیال ہوکر تقلید کے دائرہ سے نکل بھاگا ہے مبادا اور بھی بہت سے لوگ اُسکی رائے کے متبع بنجائین اور آخر کار بیدینی اور آزاد خیالی عام ہوجائے۔ نعوذ باللہ منہا۔ اسلئے اگر تم یہ کہو کہ حکمت عملی یا سیاست انسان کی فکر اور دین یا علم پر روک ٹوک قایم کرتی ہے تو مین بھی اس بارہ مین تمہارا ہم آہنگ بنکر کہونگا کہ ایسی سیاست سے خدا کی پناہ۔ اور ہر ایسا لفظ جو سیاست پر دلالت کرتا ہو۔ بلکہ سیاست کے معنی۔ اور اُسکے ہر لفظ۔ ہر خیال۔ اور ہر مقام سے جسمین سیاست کا ذکر ہوتا ہو مین خدا کی پناہ مانگتا ہون کیونکہ جس سیاست کا خاصہ یہ ہو کہ اقوال سلف کی پیروی کرنیوالے دیندار اشخاص پر حکم سزا جاری کرے۔ وہ ہرگز دین مین داخل نہین مین خدا کو۔ اُسکے رسولون کو۔ اُسکے فرشتون کو۔ اور اپنے تمام سلف صالحین کو گواہ کر کے کہتا ہون کہ یہ سیاست دین سے کوسون بلکہ منزلون دور ہے اور سخت جہنمی فعل ہے۔ اور جو لوگ ایسا کرتے ہین وہ محض اپنے گمراہ باپ دادون کی پیروی پر مٹے ہوئے اور دین یا اُصول دین سے بالکل بے تعلق ہین +

مُسلمانون کا جمُود اور اُسکے اسباب

اب رہا وہ جمُود جو اوپر بیان کیا گیا ہے سو اسکو خاص دین اسلام کی جانب منسوب کرنا

ہرگز صحیح نہین کیونکہ تمکو اسلام کا مصفا اور بے عیب چہرہ دکھایا جا چکا ہے۔ اور بتا دیا گیا ہے کہ اُسکے پاکیزہ اور دین و دنیا کی خوبیون کے جامع اصول ہرگز اپنے نفس مین کوئی ایسی خرابی نہین رکھتے جیسی معترض ناحق اسکے سر تھوپتے ہیں یا جسکا پروفیسر رینان وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ البتہ جمود ایک مرض ضرور ہے جو مسلمانوں کے دلوں میں بعض عقاید اسلام کو کمزور بنا دینے والے باطل عقاید کے داخل ہو جانے کی وجہ سے اُنکو لاحق ہو گیا ہے اور اب اُن عقاید نے لوگوں کے دلوں میں ایسی جڑ پکڑلی ہے کہ اُن کے قلوب اور عقلوں سے نور اسلام کو خارج کر ڈالا ہے۔ اور اسکا ایک بڑا سبب یہ سیاست اور حکمت عملی بھی ہے جسکو خود قرآن کریم نفس پرستی اور پیروی شیطان سے تعبیر کر رہا ہے۔

یہ کچھ عجیب بات ہے کہ اسلام کی طرح کوئی مذہب ایسا نہیں ملتا جسکی اصل اتنی محفوظ رکھی گئی ہو۔ اور پھر باوجود اسکے پیروانِ مذہب کے عقاید اس قدر اوہام سے مخلوط ہوں! نہ اسلامی فرمانروا کے مانند کوئی تاجدار ایسا نظر آتا ہے جسکی سیاہ منتشر جسکی ذمہ داری باطل ہو۔ اور جسکے وعدہ اور وعید کی پروا نہ کی جاتی ہو۔ اور گو بظاہر دیکھنے والے اُسکے طرز عمل کو درست و صحیح دیکھتے ہوں لیکن اُسکا باطنی ارادہ سمجھنا دشوار ہو۔ آہ! زمانہ اسلام کے اگلے پیرووں کو کھا گیا۔ اور بجائے اُن کے کچھ پچھلے زمانہ کے فرومایہ مسلمانوں کو صاحب حکومت بنایا جنہوں نے نہ اسلام کو پوری طرح سمجھ کر اُسے قایم کیا۔ اور نہ اُسکے حال پر رحم کھا کے اُسے ترک ہی کر دیا۔ عام لوگوں میں سے چند نفس پرست اور خود غرض اشخاص خواہ مخواہ کے مسلمان بن بیٹھے اور اپنے تئیں حامی اسلام۔ ناصر دین۔ قامع بدعات۔ اور خدا جانے کن کن القاب سے دنیا کے سامنے لائے۔ حالانکہ اگر اسلام کے صحیح اصول کے رو سے دیکھا جائے تو اُنکی کوئی وقعت نہ تھی۔ اور اگر تھی بھی تو ویسی جیسے علم کے مقابلہ میں جہل کی۔ تحمل کے مقابلہ میں تند مزاجی کی۔ اور صایب الرائے کے مقابلہ میں کج فہمی کی ہتی ہوتی ہے۔

دیکھنے کے قابل بات تو یہ ہے کہ اسلام کا ایک احسان اور اُسکی ایک خوبی ہی غلط فہمی وجہالت کی بدولت اہل اسلام کی ان تمام بربادیوں کی جڑ بنگئی۔ وہ کیونکر؟ یوں کہ اسلام ابتداءً عربی دین تھا۔ پھر اُس میں علم وحکمت کا داخلہ ہوا تو وہ علم باوجود اسکے کہ پہلے یونانی علم تہا۔ مسلمانوں کے دماغ میں آتے ہی خالص عربی علم بنگیا۔ اسکے بعد ایک مسلمان خلیفہ سے طرز حکومت اور ملکی حکمت عملی میں غلطی واقع ہوئی اُس نے اسلام کی کشادہ دلی اور وسیع النظری سے فایدہ اٹھاکر ایک ایسا راستہ اختیار کیا جسے اپنے خیال میں باعث بہبودی تصور کیا تھا۔ اُس نے خیال کیا کہ عربی سپاہ زیادہ تر علوی خلیفہ کی طرفدار ہوگی۔ کیونکہ علوی لوگ (اولاد سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے سے زیادہ قربت رکھتے ہیں اور اسلیئے وہ خود بھی اپنے آپ کو خلافت کا سب سے زیادہ حقدار سمجھتے ہیں اور عام اہل عرب بھی اُنہیں کا حق راجح مانتے ہیں۔ لہٰذا اُسکے خیال میں یہ بات جم گئی کہ ترک اور دیلم وغیرہ دوسری قوموں سے ایک فوج مرتب کرے جو اُن کی مطیع وفرمانبردار رہے گی اور انعام واکرام سے بندۂ احسان بنالیجائیگی۔ اور ایسی سپاہ اُن لوگوں کی کوئی امداد نہ کریگی جو وقتاً فوقتاً دعویدار خلافت بنکر اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بنو عباس کے مقابلہ پر خروج کرتے ہیں۔ اور احکام اسلام کی وسعت وسہولت اُسکے لیئے اس ارادہ کا پورا کرنا مباح قرار دیتی تہی چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ اور اُسی وقت سے اسلام بجائے عربی اسلام ہونے کے عجمی اسلام بنگیا۔ +

ایک عباسی خلیفہ کو ایسا خیال پیدا ہوا کہ وہ خاص اپنے اور اپنے جانشین لوگوں کے واسطے ایسی فوج کا زیادہ حصہ مرتب کرے جسکے افراد غیر عرب اقوام کے لوگ ہوں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اس طرح اُس نے اپنے دین اور اپنی قوم کے ساتھ پرلے درجہ کی بدسلوکی کی۔ بہرحال اُس نے اپنا ارادہ پورا کرلیا۔ اور اُس سپاہ کے افسر بھی اُنہی اقوام کے

چیدہ لوگ مقرر کئے پھر تو چند روز بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ ترکی اور دیلمی فوجوں کے سپہ سالار خلفاء پر ہر طرح قابض اور با اختیار بن گئے وہ طرح طرح کے ظلم و ستم کرنے لگے اور جو کچھ چاہتے عباسی خلفاء سے منوالیا کرتے۔ گویا حکومت اور سلطنت انہی کے ہاتھوں میں تھی اور خلفاء محض نام کے لئے فرمانروا رہتے۔ اُن ترکی اور دیلمی اقوام کے افسروں میں اُس عقل کا کہیں نام تک نہ تھا جسکو اسلام پسند کرتا ہے اور نہ اُنکے پہلو میں ایسا دل تھا جسکو دین نے تمام برائیوں سے پاک بنا دیا ہو۔ وہ زمانہ تاریکی و جہالت کی درشت مزاجی کو ساتھ لئے ہوئے اسلام کے زمرہ میں داخل ہوئے تھے اور اُن کے سینے اس قسم کے سورچوں سے ہنوز پاک نہ ہوئے تھے جو ظلم و ستم خود بینی و نخوت اور خود غرضی و نفس پرستی کے جذبات کو اپنے اندر راہ نہ پانے دیں جسکے ساتھ ہی اُن میں سے اکثر لوگ پکے منافق اور بباطن اپنے مذہب شرک کے پیرو تھے۔ لیکن ظاہری طور سے اسلام کے فرائض کی پابندی کیا کرتے تاکہ لوگ اُن کو پکا مسلمان اور خیر خواہ اسلام شمار کریں۔ اسکے بعد ایک اور زمانہ آیا جس میں تاتاری قوموں یا ایسی ہی بعض دوسری قوموں نے اسلام پر حملے کئے۔ اور اُسپر حکمران بنے۔ انکی بد باطنی اور بدچلنی کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی کہ انہوں نے علم کی بیخکنی پر کمر باندی جسکے ساتھ ہی اصل مذہب اسلام پر بھی ہاتھ صاف کرنے سے نہیں چوکے اور دونوں کو ایسا مسخ کیا اور اس طرح مٹایا جسکی انتہا نہیں علم کی بیخکنی کے لئے انہوں نے یہ وتیرہ اختیار کیا کہ علماء کی ناقدر دانی کے علاوہ بہت سے اپنے خاص لوگوں کو جو فی الحقیقت علم سے بے بہرہ تھے حکم دیا کہ علماء کا لباس پہنکر عام لوگوں کو ایسی باتیں سنائیں جو انہیں علم کی طرف سے متنفر بنا دیں اور وہ طلب علم سے باز آجائیں۔ اسکے بعد اُن فریبی اور جعلساز لوگوں نے تقویٰ اور نیک چلنی کا لباس پہنکر اور رنگے ہوئے سیال بنکر عام لوگوں کے سامنے وعظ و ہدایت کا بازار گرم کیا۔ انکا دعویٰ یہ تھا کہ دین میں بہت سی خرابیاں ہو گئی ہیں جنکو ہم دور کرنا چاہتے ہیں اور سنتیں

جو نقص ہے اسکی تکمیل کے خواہان ہین۔

پھر اُنہوں نے وہی زمانہ بت پرستی کی عادتوں۔ اور اپنے گردوپیش کی موجودہ عیسائی قوموں کے اطوار سے کچھہ نئی نئی بدعتیں مستعار لیکر اسلام میں بھی داخل کردین اور عام لوگوں کو یہ کہکر اُنکی جانب متوجہ کرلیا کہ ان اُموریں شعائر اسلام کی عظمت اور اُسکی شان و شوکت عیان ہوتی ہے۔ مولود شریف کی اور دیگر مذہبی مجلسین۔ عرس و فاتحہ خوانی کے مجمعے۔ اولیاء اور علماء و مشاہیر کی پرستش غرضیکہ طرح طرح کی خرابیان اور رخنے دین مین پیدا کر کے لوگون کو خوب گمراہ کیا۔ اور دین کی اصل اس بات کو قرار دیا کہ متاخرین سوائے اُسکے کہ جو کچھہ علماء متقدمین اور مجتہدین لکھہ گئے ہیں اپنی طرف سے کچھہ نہین کہہ سکتے غلط سلط روایتوں اور لغو قصوں کی اشاعت سے عام خلقت کو اپنا گرویدہ بنالیا اور اُنہیں سمجھا دیا کہ ملکی معاملات کی رفتار مین تمکو دخل دینے کی حاجت نہیں۔ یہ حکام اور بادشاہون کا کام ہے وہ جو کچھہ کرین اُسکو بسر و چشم مان لو۔ اور اس مین مداخلت کروگے تو عذاب کے مستوجب ہوگے۔ دنیا مین خرابیان اور فسادات پیدا ہوئے تو اُنہیں نیرنگی زمانہ کا مقتضی قرار دیکر بعض موضوع حدیثین اور اقوال سلف سناکر کہدیا کہ یہ امر قرب قیامت کی علامت ہے اس وقت اگر کوئی کچھہ اصلاح کرنا چاہے تو ناممکن ہے۔ بس سلامتی اسی مین ہے کہ اپنے معاملات کی باگ خدا کے قبضۂ قدرت مین دیکر تقدیر پر شاکر و صابر رہو اور اپنی ذات سے احکام خدا و رسول کی پابندی میں کمی نہ کرو۔ ایسے گمراہ بنانے والے دستار بندوں کا بہت بڑا گروہ پیدا ہوگیا اور وہ تمام اطراف عالم مین پھیل کر اپنا زہریلا اثر پھیلا رہا تھا۔ قضا و قدر کا عقیدہ اُنکے ارشاد و ہدایت کا آلہ تھا اور خلق اللہ کو راہ راست سے بہکا کر کاہل و بیکار بنانا اُنکا شیوہ۔ عام لوگون کی سادہ دلی اور لاعلمی اُنکی کامیابی کیلئے سونے پر سہاگے کا کام دیتی تھی۔ اصول دین سے بےخبری اور ان باتوں کو نفسانی خواہشوں کے موافق پانے کی وجہ سے لوگ اُن کے پھندوں میں خوب پھنسے اور آخرکار یہ نتیجہ نکلا کہ باطل کی

ظاہری چمک دمک نے صداقت اور حق کی روشنی پر پردہ ڈالدیا۔ اور لوگوں کے دلوں میں اصول دین کے بالکل خلاف عقائد راسخ ہو گئے۔

یہ حکمت عملی تاریکی اور جہالت کی حکمت عملی تھی جسکو حکمران اور فرمانروا لوگوں نے رواج دیا اور دین مین ایسی خرابیان ڈالکر مسلمانون کی اُس اُٹھتی ہوئی امید کو پامال کر ڈالا جو اگر سر اُٹھاتی تو آسمانون کی تہ توڑکر اُس سے پار نکل جا سکتی تھی۔ آہ! اسی خرابی نے مسلمانوں کو مایوسی اور بیکاری کے برباد کُن غار میں دھکیل دیا اور اُنہیں کہیں کا نہ رکھا خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھہ آج اسلام کی حالت نظر آتی ہے یا جسکو اس زمانہ مین اسلام کہا جاتا ہے وہ ہرگز اسلام اور اصلی اسلام نہین بلکہ اُسکو اگر اسلام سے کوئی تعلق ہے تو محض اتنا کہ اُس میں نماز۔ روزہ۔ اور حج کے اسلامی فرائض یا تھوڑے سے اسلامی اقوال وہ بھی اپنے اصلی معنون سے تحریف کیے ہوئے ہنوز موجود ہین۔ اور اہل اسلام بدعتون اور خرافات میں پہنسکر اب اُس جمود کے مرتبہ پر پہنچ گئے ہین جسکا معترض نے ذکر کیا ہے اور جسکو اُس نے دین و ملّت شمار کیا ہے " وھذا بھتان عظیم " خدا اُن کے اس بہتان سے اپنی پناہ مین رکھے جو اُنہون نے خلاق عالم اور اُسکے سچے دین پر باندھا ہے۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ مذہبی شعائر کے لحاظ سے یا دنیوی حالات کے نظر کرتے آج مسلمانون میں جس قدر عیوب و نقائص دکھلائی دیتے ہیں۔ وہ ہرگز جزو اسلام نہیں ہیں بلکہ وہ چیزیں کچھہ اَور ہین جنکو خواہ مخواہ اسلام کے نام سے موسوم کرکے اسلام کو بدنام کر دیا گیا ہے۔ ہمارے اس دعوے کا شاہد صادق قرآن ہے۔ جسکی شان مین " لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ " آیا ہے۔ نہ اُسکے سامنے سے باطل آسکتا ہے اور نہ اُسکے پیچھے سے وہ سراہے گئے حکیم کی طرف سے اُتاری ہوئی کتاب ہے اور قرآن اس بات کی سچی شہادت دیتا ہے کہ وہ لوگ جھوٹے اور اُسکے احکام کی طرف سے غافل ہین۔ چنانچہ ہم اب اس جمود کی خرابیاں پورے طور پر

بیان کرنے کے بعد یہ بھی ثابت کر دین گے کہ انشاء اللہ یہ علت ایک دن زائل بھی ہو کر رہے گی۔ *

اس جمود کی خرابیان اور اسکے نتائج

ملت اسلام میں یہ جمود بڑی مدت سے پڑا ہوا ہے اور اسکے قدم خوب جمے کیونکہ اسکے نگران اور عامل حضرات نے اپنے عمل کا سلسلہ جاری رکھنے مین پوری کوشش کی اور چونکہ اُن کی نفسانی خواہشین اس حالت کے قایم و دایم رہنے مین ہی پوری ہو سکتی تہیں اسلئے وہ اپنے چلتے ہوئے جادو سے برابر کام لیتے ہی رہے۔ اب اگر کوئی اس بات کو بیان کرنا چاہے کہ اس جمود سے کیا کیا اور کیسی کیسی خرابیاں پیدا ہوئین تو بیان کو طوالت ہوگی مگر مختصر اور اجمالی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دین اور اصلی دین تو وہی تھا جو عقل کے پُر زور بازوؤن سے انسان کو علم کی وسیع فضا مین اُڑاتا اور تمام زمین کا چکر کاٹ کر آخرکار طبقات سموات پر بھی صعود کرا لیجاتا تاکہ وہ وہان بھی خداوند قادر کی کسی آیات قدرت کا انکشاف کرتا اور اسرار کائینات کا پتہ چلا کر اُن کے بنانے والے کی عظمت اپنے دل میں قائم کر سکتا یا شریعت خداوندی کے احکام مین سے کسی مفید اور تازہ حکم کا استنباط کرتا غرضکہ علوم و فنون کا پُر بہار اور وسیع میدان و سبزہ زار عقول انسانی کا رمنا ہوتا اور وہ اسکے تر و تازہ میوون کو بے تکلف چن کر کہاتیں اور لطف اُٹھاتیں۔ لیکن جس وقت دین کی رفتار تھم گئی اور علم و یقین کے طالب اشخاص ہمت ہار بیٹھے تو علم کی حرکت بھی رُک گئی اور اسکی ہوا کا رخ پھر گیا۔ مگر یہ بات یکبارگی ظہور پذیر نہین ہوئی بلکہ تدریجی رفتار سے وقوع مین آئی۔

جمود کا ظلم زبان پر — اس جمود کا سب سے پہلا ظلم عربی زبان پر۔ اور اُسکے اسلوب بیان اور آداب پر ہوا۔ ابتدا مین مسلمانون کو بدین وجہ کہ یہ اُنکی دینی زبان تھی اور دین کی فہم کا دار و مدار اسکے عمدہ طور سے جاننے ہی پر تھا۔ اسکی طرف ایک خاص توجہ تھی۔ اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ مسلمانون کو اپنی دینی کتاب اور آسمانی مجموعہ قوانین کے سمجھنے۔ اسکو

اسلوب بیان کی باریکیاں معلوم کرنے۔ اور اُسکی ہیئت ترکیب کے فوائد سے با خبر بننے کے
لیئے اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ وہ اُس زبان کی عمدہ استعداد بہم پہونچائیں جسمین
وہ کتاب نازل ہوئی ہے۔ اور اسی لئے اُنکا خیال تھا کہ جبتک وہ اپنے تمام ملکات زباندانی
اصل اہل عرب کی طرح پورے نہ کر لینگے اس مرتبہ پر پہونچنا دشوار ہے اور تا وقتیکہ وہ
خالص اور زبان آور اہل عرب کے ہم پلہ نہ بن جائینگے فہم کتاب مشکل ہے۔ پھر جبکہ پچھلے زمانہ
والون کو بجز اسکے کہ وہ متقدمین کے اقوال پر عمل کرین اور کسی امر کی ضرورت ہی نہ رہی ہو
تو اُنھون نے عربی زبان کی تحصیل مین کمی کرنی شروع کی اب اُنکو محض اتنی زباندانی سیکھنے
کی حاجت تھی جسکے ذریعے سے وہ متقدمین (علماء اور مجتہدین) کا کلام سمجھ سکیں۔ اور
اُن کے اقوال سے خدا اور رسولؐ کے احکام معلوم کر لین۔ اُنکو دلیل اجتہاد یا علت حکم تلاش
کرنے کی حاجت ہی نہ رہی اور ہو بھی تو اس وقت کا دفعیہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ جب وہ دلیل
کو دیکھین اور اُسے متقدمین کے قول سے خلاف دلالت کرنے والا پائین تو ایک اُلجھن
مین پڑ جائینگے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ جس طرح انسان سے غلطی اور چوک ہوتی ہے اور شرع
نے کسی انسان کو اس بارہ مین معصوم نہین قرار دیا ہے اسی طرح اُس مجتہد یا حکم کے استنباط
کرنے والے اگلے عالم سے بھی فہم نص یا تاویل معانی حدیث مین غلطی ہوئی ہو۔ اور ایسا
کرین بھی اور یہ معلوم بھی ہو کہ متقدمین نے اس نص سے جو مفہوم لیا ہے وہ غلط ہے
تو وہ اپنی ہی نظر کو غلط اور اپنی ہی سمجھ کو ناقص قرار دیکر کہدینگے۔ نعوذ باللہ بھلا اگلے
بزرگون نے جو بات سمجھی یا اُنکی عقل جس طرف گئی ہے اُسکے خلاف کیونکر سمجھ سکتے ہین۔
اور یہ کہکر خواہ مخواہ اپنی قوت فکری کو مضمحل کر دینگے۔ پھر اس صورت مین اُنکو مکمل عربی
زبان سیکھنے کی حاجت ہی کیا ہے۔ بس اتنی زبان آجانی کافی ہے جس سے متقدمین کا طرز
بیان سمجھ مین آسکے اور یہ ظاہر ہے کہ فقہاء متقدمین اُن اہل عرب مین سے تو تھے نہین
جن کے کلام اور زباندانی پر دورِ اول کے مجتہدون کی نظر تھی۔

اسی طرح جس قدر زمانہ گزرتا جاتا ہے تمام پچھلے علما اور فقہا اپنی نظر کا قصور اپنے
سے پہلے فقہا کے اقوال ہی پر چھوڑتے جاتے ہین اور سلف اول کے اقوال کا ذرا بھی
خیال نہیں کرتے نہ اس بات کو دیکھتے ہین کہ ان احکام کے استنباط کے وقت حالات
زمانہ کیسے تھے اور ضرورت وقت کیا چاہتی تھی۔ بس اس زمانہ کے فقہا رہین او لفظی پیروی
اور لفظ بھی وہ جو ان سے صدی دو صدی پہلے تقلید کی قید و بند وضع کرنے والے
فقہا لکھ گئے ہین۔ پھر اب اون کو تحصیل زبان دانی کی کیا حاجت ہے۔ اور اسی لئے جون
جون اہل زبان سے دوری پڑتی جاتی ہے عربی علم ادب کی کساد بازاری ہوتی جاتی
ہے چنانچہ آجکل یہ حالت ہوگئی ہے کہ زبان دانی کی تحصیل اگر کیجاتی ہے تو محض اس غرض
سے کہ نحو اور فن بلاغت و معانی و بیان کی بعض کتابون کا سمجھنا اور ان کے مطالب پر
عبور کرنا آسان ہو نہ کہ اُس سے آگے بھی کچھ سمجھنے اور مطالعہ کرنے کی قوت پیدا کیجائے!!
اسلئے اگلے مسلمانون کے علوم اور انکی دماغی محنت کے کارنامے اس زمانہ مین تقریباً نابود
ہو گئے ہین۔ بلکہ سلف اولین رضی اللہ عنہم کی قابل قدر اور مستند تصانیف کا پتہ بھی نہین
ملتا۔ آج اگر کوئی شخص امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "مدونۃ الکبریٰ" یا امام شافعی رحمۃ
اللہ علیہ کی "کتاب الام" یا فقہ حنفیہ کی بعض اصلی کتابین تلاش کرنا چاہے تو اسکی یہ
جستجو اس بات کے ہم معنیٰ ہوگی کہ وہ کسی بے دین اور زندیق کے گھر مین صحف مجید کی تلاش
کر رہا ہے۔ اگر ان کتابون کا کوئی جزو دنیا کے ایک حصہ مین ہے تو دوسرا کسی دوسرے
حصہ مین اور پھر وہ اگر اجزا یکجا بھی کئے جائین تو نقل کرنیوالون کی مہربانی سے اُنکی
صورت اس قدر بگڑ گئی ہوگی جس سے استفادہ حاصل کرنا مشکل ہوگا۔[1]

یہ سب اسی جمود کا اثر ہے اور اسکا نتیجہ کہ معاذ اللہ خدا سے بدگمانی کیجاتی ہے۔ اور

[1] یہ کتابین آجکل مصری مسلمانون کی کوشش اور تلاش سے طبع ہو رہی ہین اور ابھی جستجو جاری ہے تاکہ
جہانتک ممکن ہو دور اول کے مجتہدین اور ائمہ کی سب کتابین چھاپ دی جائین۔ (مترجم)

لوگون کے دلون پر یہ وہم مسلط ہوگیا ہے کہ متاخرین پر فضل الٰہی کے دروازے بند کر دیئے گئے ہین تاکہ اس طرح پر متقدمین کی منزلت رفیع ہو۔ چنانچہ اب لوگون کو اُن حدیثون پر بھی اعتبار اور توجہ نہین ہوتی جو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمائی ہین کہ۔ "بسا اوقات[۵۱] دوسرا سننے والا پہلے اور اصل سننے والے سے ایک بات کو زیادہ یاد اور محفوظ رکھ سکتا ہے" یا یہ کہ[۵۲] "اس امت کی حالت مثل موسم بارش کے ہے کوئی نہین جان سکتا کہ اسکا آغاز اچھا ہوگا یا خاتمہ" اور اس کم توجہی نے خود متقدمین کے آثار بھی ضائع کر دیئے ہین۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ بلا شبہ ناظرین میرے اس بیان کو پڑھکر اُس نقصان کی مقدار کو سمجھ سکیں گے جو زباندانی پر اس ظلم دستم سے واقع ہوا ہے۔ اور جسکا کم از کم نتیجہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنی زبان کیا بلکہ اپنے دین۔ اپنی کتاب۔ اور اپنے قوم کی زبان (عربی) میں کچھ گفتگو کرے تو اوسکو ایسا کوئی شخص نہ ملے گا جو اُسکی بات کو پوری طرح سمجھ سکے۔ اس سے بڑھکر اور کیا نقصان ہو سکتا ہے کہ ایک مقرر اپنی تقریر کا مفہوم دوسرون کے دماغ و عقل تک نہ پہنچا سکے۔ +

اس جمود کا ستم نظام تمدن اور معاشرت پر

اس سے بھی بڑھکر جو ستم اس جمود نے کیا وہ قومی تفریق اور اُنکے نظام اجتماعی مین خلل ڈالنا ہے جسکی وجہ سے مسلمانون کے متعدد فرقے اور گروہ بن گئے۔ اور ان مین باہم خانہ جنگیان شروع ہوگئین۔ سلف صالحین کے وقت مین فتوے دینے مین جو اختلاف ہوا کرتا تھا وہ محض اُن افراد کی تقصیر فہم اور

---

۵۱ ابن مسعود رضہ کی حدیث جو ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور وہ یہ ہے کہ "سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول نضر اللہ امرءًا سمع منی شیئًا فبلغہ کما سمعہ فرب مُبَلَّغ اوعیٰ لہ مِن سَامِعٍ" اور دوسرے لوگون نے بھی اسکی روایت کی ہے۔ (المنار)

۵۲ حدیث انس رضہ۔ بروائیت ترمذی۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "مثل اُمتی مثل المطر لایدری آوّلہ خیر ام آخرہ" ورواہ غیرہ۔ (المنار)۔

اختلاف نظر کا نتیجہ تھا جو ایک فطری امر ہے لیکن اُن سب کا مرجع صرف کتاب الٰہی اور ثابت شدہ صحیح حدیث کے علاوہ کوئی اور چیز نہ تھی۔ اسلئے اُن کے وقت مین نہ کوئی ایسا مذہب اور نہ ایسا گروہ اور جماعت تھی جو ایک دوسرے کے مقابلہ پر آنے اور باہم جنگ وجدل کرنے کیلئے آمادہ ہو جائے۔ بلکہ وہان تو اگر ایک شخص پر دوسرے شخص کے قول کی صحت ظاہر ہو جاتی تھی تو وہ سر آنکھون سے اُس قول پر عمل کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا اور تمام سلف صالحین نے اسی بات کی تصریح کی ہے۔ پھر وہ زمانہ آیا جس مین جمود کے مددگارون کا جتھا قایم ہوا اور انہون نے یہ اصول قرار دیا کہ جو شخص کسی ایک امام کے مذہب پر عمل کرتا ہے اُسکی اولاد بھی باپ ہی کے مذہب پر مبنی چاہئے اگر وہ اولاد یہ چاہے کہ باپ کا مذہب ترک کرکے کسی دوسرے امام کی پیروی کرلے تو یہ صورت جائز نہ ہوگی۔ ان لوگون کا زبانی قول تو یہ تھا کہ جتنے ایمہ ہیں وہ سب شارع علیہ السلام کے اقوال پر عمل کرتے ہیں اور سب برسرحق ہین لیکن عملاً اسکی پیروی معلوم۔ گویا کہ اُن کے قول وفعل مین مطابقت نہ رہی۔ اسکے بعد ایک دوسرا دور آیا جس مین ہر ایک مذہب کے ائمہ اور مقتداؤن کے مابین جنگ وجدل۔ مباحثہ ومناظرہ۔ اور سب وشتم کا بازار گرم ہوا اس بُرے کام مین جتنی دماغی اور زبانی قوت صرف کیجاتی تھی کاش اُس سے نصف طاقت بھی اگر اصول دین کی تحقیقات وتشریح اور عام لوگوں میں اُسکے صحیح عقائد وآداب کی اشاعت پر خرچ کی گئی ہوتی تو آج ہماری یہ سقیم حالت ہی کیون ہوتی؟ ان باہمی اختلاف رکھنے والون کی کتابون پر نظر ڈالنے سے اُن مین ایک دوسرے پر اس قسم کے طعنون کی بھرمار نظر آتی ہے جسکی اجازت اُن کے کسی مذہبی اصول سے نہیں ملتی اور جسکو اسلام نے نہایت قابل نفرت امر قرار دیا ہے۔ ایک دوسرے کو گمراہ کہتا ہے دوسرا اُسے بے دین بتاتا ہے۔ اور غور سے دیکھا جائے تو دونوں کی حالت یکسان ہے اور یہ سب اسی جمود کا نتیجہ ہے کہ وہ جان بوجھکر انجان بنے ہوئے ہین۔

سلف اول کے عہد مین اختلاف عقائد بھی اسی انداز پر تھا جس طرح فتوون مین اختلاف ہوتا تھا - ہر شخص اپنے خیال اور اپنے فہم مین دوسرون سے مختلف ہوتا تھا - مگر اس مین کبھی مضائقہ نہین کیا گیا کہ ایک فریق دوسرے فریق سے علمی استفادہ کرے اختلاف رائے ہر شخص کا ذاتی فعل سمجھا جاتا تھا جسکو اجتماعی امور مین کوئی دخل نہ تھا اور میل جول - درس و تدریس محبت و یگانگت کے تعلقات برابر جاری رہتے تھے - سب کی مسجد ایک - امام ایک - اور خطیب ایک - مگر جس وقت سے جمود کا دور شروع ہوا - اور اسکی سیاست کا دور دورہ آیا - اختلاف عقائد سے آپسمین جدائی اور ترک یگانگت کی بنیاد پڑی - نماز کی جماعتین الگ الگ ہوئین - میل جول گھٹا - ہر ایک فرقہ جدا جدا امتیاز کے ساتھ قایم ہوا - اور گروہ بندیان ہونے لگین لیکین یہ ساری باتین دینی ہدایت کے بالکل خلاف تھین - لطف تو یہ ہے کہ کچھہ لوگون نے اس بات کی بھی بڑا تھا کوشش کی کہ فرقہ ہائے اسلام کی حقیقی امتیازی علامتین واضح کرین مگر وہ ناکام رہے اور جو اصول اس امتیاز کے انہون نے قرار دیئے وہ صرف وہی باتین تھین جنکو حقیقت سے ذرا بھی تعلق نہین - اکثر مسائل مین جو اختلاف ہے وہ نزاع لفظی کی حد سے آگے نہین بڑھتا - یہ تمام باتین نفسانی خواہشون - خود غرضیون - اور حکمت عملیون یا یون کہیئے کہ پیران طریقت کی چالبازیون کا نتیجہ تھین یہان تک کہ گروہ بندیان ہو جانے کے بعد آپسمین زبانی مباحثون سے بڑھکر تلوار بھی چلنے لگی اور ایک فریق دوسرے فریق کا بالکل تشنہ خون بنگیا جسکا انجام اس طرح کلی تفریق اور جدائی کی شکل ہے جو در دل او دوا نکھی جانے تو درست ہے -

ابھی چند سال کی بات ہے کہ کسی شخص نے مصر مین یہ تجویز پیش کی تھی کہ وہان اہل سنت والجماعت کے مذاہب اربعہ مین سے ہر مذہب کے قاضی مقرر کیئے جائین کیونکہ ان مذاہب کے اصول ایک دوسرے سے قریب قریب ملتے جلتے ہیں اور انکی کتابون کی

عبارتین اس وضع کی ہین کہ جو شخص ایک مذہب کی فقہی کتابون سے واقف ہے وہ باقی مذاہب کی کتب فقہ کو بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے - مجوز نے بیان کیا تھا کہ "موجودہ زمانہ کی ضرورت اس بات کی مقتضی ہے کہ احکام شرعی کے متعلق لوگون کے لئے آسانی پیدا کرنے اور شر وفساد دفع کرنے کے واسطے محض فقہ حنفیہ کے مسائل پر عملدرآمد رکھنے کے بجائے کچھ اقوال امام مالک اور امام شافعی رحمہا اللہ کے اجتہادی مسائل سے بھی لے لئے جائین"۔ بس اتنی سی بات کا کہنا تھا کہ آفت آگئی - پاک باطن اور متقی حضرات نے دین کی جان کو رونا شروع کردیا - اور ایک کہرام مچا دیا۔ کیون ؟ کیا اسلئے کہ مجوز نے کوئی امر دین کے خلاف طلب کیا تھا ؟ وہ تو نہایت قابل قدر تجویز پیش کرتا تھا اور سراسر حق بجانب تھا۔ اُس نے ایک لفظ بھی دین کے خلاف نہین کہا - اور کچھ ہی سال پیشتر اقطار جہان مین اسی پر عمل بھی ہو رہا تھا۔ اب کوئی بتائے کہ اگر وہ ائمہ اربعہ کو ائمہ ہدیٰ اور متبع سُنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہین تو کیا وجہ ہے کہ اُن کے اقوال پر عمل کرتے ہوئے ہچکچاتے ہین ؟ کچھ نہین یہ سب اُسی جمود کا نتیجہ اور اسی کا اقتضا ہے کہ متاخر (پچھلے) کو متقدم (اگلے) کی رائے پر بھروسہ کرنیکے سوا خود دینی معاملات مین غور و خوض کرنا ہی نہ چاہئے !! یا یہ حکمت عملی ہے کہ جس چیز کو چاہین حلال اور جسے چاہین حرام بنا دین - عام آدمی بیچارے اپنی نفسانی خواہشون اور اُن جامد دستار بندون کی قوت کے سامنے مجبوراً سر تسلیم خم کئے ہین --

اس جمود کا ستم شریعت اور اہل شریعت پر

احکام شریعت مین اس جمود نے یہ کرشمہ دکھایا کہ اُنہین حد سے بڑھ کر سخت اور ناقابل برداشت بنا دیا جسکی وجہ سے آخر کار لوگ پابندی شرع سے دل چُرانے لگے - اور دین مین سخت خلل واقع ہو گیا - جن دنون اسلام اسلام تہا اُسکی شریعت اتنی نرم اور آسان اور اس قدر دل لبہانے والی تھی کہ تمام عالم بخوشی اُسکے جانب کھنچا آتا تھا اور سب کی سمائی اُسکے اندر ہو جاتی تھی

لیکن آج وہی شریعت ہے کہ اپنے لوگوں پر بھی بار گراں ہوگئی ہے اور لوگ اُسے چھوڑ چھوڑ کر اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنی معاش کے حصول کے لئے غیر مشروع قوانین کے سایہ مین پناہ لیتے جاتے ہین متقی سے متقی مسلمانون کے دل پابندئ شریعت کے بار سے دبے جارہے ہین اور وہ کسی نہ کسی طرح اسکے پھندے سے نکلنے کی سعی کرتے ہین - لوگون پر پابندئ شریعت اس قدر گراں گزرنے لگی ہے کہ اُنھون نے عاجز آکر شریعت کا علم ہی حاصل کرنا ترک کر دیا- چنانچہ اب علمائے شریعت یا اُسکے واقفکارون کی تلاش کیجائے تو دس ہزار مسلمانون مین شاید ہی ایک آدمی ایسا ملے جسکو کچھ احکام دین کا علم ہوگا ورنہ وہ بھی نہین- پھر کیا یہ بات ممکن ہے کہ کوئی شخص جو ایک شریعت سے بالکل انجان ہے وہ اُسکے احکام پر عمل کر سکے؟ ہر گز نہین- اسی لئے عام مسلمانونکا بیشتر حصہ اپنی شریعت کے خلاف عمل کرتا ہے اور یہی نہین بلکہ بڑی آفت تو یہ ہے کہ ان کے دلون سے شریعت کی عزت بھی اُڑ گئی ہے اور اُن مین اتنی طاقت نہین کہ اپنے اعمال کو احکام شریعت کے مطابق بنا سکین اس بارہ مین سب سے پہلا امر مانع یہ ہے کہ وہ شریعت کو سمجھنے کی طاقت نہین رکھتے- کیونکہ دینی کتابون کی عبارتین مشکل ہونیکے علاوہ کثرت اختلاف جو مسائل میں پایا جاتا ہے اُنکی عقل کو حرج کر دیتا ہے مینے ایک دن کسی مدرس سے جو بعض مذاہب کا درس دیا کرتا تھا دریافت کیا- کیا آپ خرید و فروخت اور مبادلہ نقد اُنہی قواعد کے مطابق کرتے ہین جو آپکے مذہب کی کتابون مین درج ہین؟ اُس نے جواب دیا کہ وہ احکام معاملہ کے وقت تو شاید ہی کبھی اُسکے دل مین گزرتے ہون اور وہ اُن پر بالفعل عمل کرتا ہو لیکن جیسا عام دستور ہے اُسکے مطابق لین دین کر لیا کرتا ہے- دیکھو اس جمود نے خود اہل شریعت کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے. کاش وہ شریعت کو ایسی زندگی بخشتے جسکے ذریعہ سے مخلوق الٰہی زندہ رہ سکے تو خود وہ اور تمام انسان دونو نہائیت آسانی کے ساتھ زندہ رہسکتے تھے اور ایسے مُردہ دل کبھی نہ بنتے-

تمکو یہ معلوم کر کے سخت حیرت اور بیحد تاسّف ہوگا کہ اس زمانہ مین لوگون کے اخلاق بہت بگڑ گئے ہین اور وہ احکام شریعت سے بالکل منحرف ہو گئے ہین۔ اب اگر دیہات اور چھوٹی بستیون اور شہرون مین اس حالت کے پیدا ہونے کا سبب دریافت کرو تو دو باتین پائی جائینگی امر اول یہ ہوگا کہ وہان کوئی شخص شریعت اور دین کا پوری طرح جاننے والا نہ تھا جسکی وجہ سے وہ گانون یا شہر سخت تاریکی اور نادانی کی حالت مین مبتلا ہوگیا اور بوقت ضرورت وہان کے لوگ حرام وحلال کے مسایل دریافت کرنیکے لئے آپسمین ایک دوسرے سے استفسار کرنے پر قانع ہے حالانکہ نادانی اور عدم واقفیت دین کے لحاظ سے جو حالت سایل کی تھی وہی مجیب کی بھی تھی یعنی دونون یکسان جاہل تھے اور امر دوم یہ ہے کہ علوم دین کے واقف کار موجود تھے مگر مسائل اور علتِ احکام کو سمجھا سکنے سے عاجز کیونکہ وہ اپنی تقریر مین ایسی خوبی سے مسایل کی تشریح نہ کرسکتے تھے جسکو عام لوگ بآسانی سمجھہ جائین اور انکی تشفی ہو جائے چنانچہ جب اُن سے کسی بات کا سوال کیا گیا تو اُنہون نے کوئی کتاب اُٹھا کر دکھا دی یا کوئی ایسی عبارت پڑھ دی جسکو سُننے والا خاک بھی نہ سمجھا کہ اسکا مطلب کیا ہے اور نہ خود سمجھانے والے مین اتنی قوت ہے کہ وہ مستفہم کو ول کھول کر سمجھا سکین۔ غالباً یہان سوال پیدا ہوگا کہ یہ کیون؟ جبکہ وہ عبارت پڑھکر خود اُسکا مدعا سمجھ سکتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ دوسرونکو نہ سمجھا سکے؟ ہم کہتے ہین کہ اسکی علت ہی "خود کردہ را علاجے نیست" وہان تو حضرت نے اپنے تئین طوطی سمجھ رکھا ہے اور اس بات کا عادی بنالیا ہے کہ ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند — آنچہ اُستاد ازل گفت ہمان میگویم

اور اُستاد ازل کے قول کو بیان کرین تو بھی ایک بات ہو وہ تو محض اپنے اساتذہ اور مشائخ کی سینہ بسینہ چلی آنیوالی تقریر پر ایک لفظ کا اضافہ یا اُسکے اسلوب بیان مین کوئی تغیر کرنا بھی گناہ تصور کرتے ہین اسلئے یہ بات اب اُن کے قابو سے باہر ہے کہ وہ

اپنی سُنی ہوئی تقریر اور اپنے معلوم کئے ہوئے مطلب مین کچھہ بھی تصرف کرین۔ اگر تم کسی
عالم سے یہ کہو کہ :۔ جناب آپ بیان مطالب کے ایسے وسائل اور ذرائع سیکھیئے جو آپکو
مختلف طبقہ کے آدمیون سے مخاطب کرنے اور اپنا ما فی الضمیر اُن کے دل مین منتقل
کر سکنے پر قادر بنادین تاکہ آپ خود اپنے علم سے نفع اُٹھائین اور دوسرے لوگ بھی
آپکے علم سے نفع حاصل کرین۔ اور آپ اپنی طبیعت پر زور ڈالکر اپنے امام کے قول کی
اصلی غرض معلوم کرنے کی سعی کرین جس سے وہ اصل بطور تمثیل اس مسئلہ پر منطبق ہو سکے
گو اس مسئلہ کا ذکر اُس امام کے قول مین نہ آیا ہو یا اُسکے بعد اُسکے پیرؤون نے بھی اسپر
لحاظ نہ کیا ہو لیکن آپ کی یہ کوشش غالبًا بارور ہوگی اور ایک مفید مسئلہ حل ہو جائیگا۔
اب اُدھر سے کیا جواب ملتا ہے ؟ یہ کہ "سبحان اللہ! اگلے بزرگون اور مشائخ مین
کسی نے بھی ایسا کیا ہے جو مین اسپر عمل کرون ؟" گویا جو کچھہ اُسکے اُستاد یا شیخ نے کہا
ہے یہ اُسکے خلاف کچھہ کہنا ہی نہین چاہتا اور اُسی سینہ بسینہ منتقل ہوتی چلی آتی والی
تقریر پر قانع ہے جو اُس نے اپنے اُستاد سے سُنی اور وہ اُستاد اپنے اُستاد سے سُن چکا
تھا وَ ہَلُمَّ جَرًّا۔ لیکن اگر ذرا دور تک نگاہ ڈالی جائے تو اگلے مشائخ کا طرز عمل اس کے
خلاف نظر آسکتا ہے۔ اُنہون نے اکثر باتون مین اپنے فاضل اور اہل کمال مشائخ و اساتذہ
کی رائے سے اختلاف کیا ہے اور ذاتی اجتہاد سے کام لیا ہے۔ تاہم اگر تم اس بناد
پر اپنے مخاطب کے سامنے حجت پیش کرو تو کچھہ بعید نہین کہ وہ تمہین بے دین اور گمراہ
قرار دیدے۔ حالانکہ سمجھہ ہوتی تو اُسکو معلوم ہو جاتا کہ اس طریقہ پر وہ خود اپنے نصوص
دین کی مخالفت کرتا اور اُس سے خارج ہونے کی آمادگی ظاہر کر رہا ہے۔ نعوذ باللہ تعالیٰ منہ۔

ایک مرتبہ مین کسی مدرس سے گفتگو کر رہا تھا کہ طالب علمون کو خوش اخلاقی اور
نیک چلنی کی نصیحت کرنی ضروری ہے خاصکر جس وقت اُنہین فقہ اور حدیث کا سبق
دیا جاتا ہو یا مسائل توحید سمجھائے جاتے ہون اُس وقت اس بات کی نہایت ضرورت ہے

میرے مخاطب مدرس صاحب نے جواب دیا۔ اس مین کوئی بھی نفع نہین اور ہو بھی تو
مفت کا دردسر کون خریدے!" مین نے کہا: "جناب یہ تو آپ کا فرض منصبی ہے
کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرمائیے اور آپ کو اس مین مضائقہ کرنے کی کوئی وجہ
نہین ہے" کہنے لگے: "مگر جب یقین ہو جائے کہ ہماری اس جگر کاوی کا کوئی فائدہ نہوگا
تو امر و نہی کی ضرورت کیا ہے؟ پھر تو یہ ایک لغو کام ہوگیا"!! دیکھو ایک دانا اور مدرس
شخص نے کیونکر یہ بات اپنے ذہن نشین کر لی کہ لوگون کے دلون مین حد درجہ کی خرابی
جم جانے کی وجہ سے اب اُنپر وعظ و پند کا اثر ہونا محال ہے۔ مگر اُس نے یہ خیال نہین
کیا کہ آخر اس خرابی کو دفع کرنے کا وسیلہ بھی تو استعمال کرے حالانکہ دین اُسپر یہ ذمہ داری
عائد کرتا ہے اور وہ ہر روز ایسے ہی ناقابل اصلاح لوگون کو تعلیم دینے کا کام کرتا بھی رہتا ہے
پھر آخر اسکی وجہ کیا ہے کہ اُس نے یہ خیال ظاہر کیا یا ایسی رائے قایم کر لی؟ محض یہ کہ
اُس نے اپنے تئین کسی ایسے وسیلے پر عامل ہونیکا اہل نہین پایا جو اُسکے اُستاد یا مرشد
نے استعمال نہین کیا تھا۔ اور چونکہ خود اُس نے تعلیم پاتے ہوئے اپنے شیخ اور معلم سے
اُن احکام الٰہی کا کوئی ذکر نہین سُنا تہا جو نصیحت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے
بارہ مین وارد ہوئے ہین اسلئے وہ بھی اپنے شاگردون کو ایسے احکام سُنانے سے گریز
کرتا ہے ورنہ خدا کی رحمت سے نا اُمید ہونا گمراہون یا ناشکرون کا فعل ہے۔

اور اس سے بھی بڑھکر یہ ہے کہ اگر تم اُس سے کہو کہ جس طرح کی تعلیم آپ دیتے ہین
وہ بالکل بیکار و غیر مفید ہے۔ اور یہ کتاب جسکے پڑھنے کی عادت ڈالدی گئی ہے بعض
اوقات طالب علمون کو مضرت پہنچاتی ہے اسلئے بجائے اسکے دوسری کتاب پڑھانا بہتر
ہوگا تو تقریباً وہ تمہاری اس گفتگو کو بھی دین کی مخالف سمجھیگا اور اپنی عادت کو چھوڑنا گویا
مذہب مین خلل ڈالنا تصور کریگا۔ بسا اوقات اتنی ہی بات کے لئے وہ تم سے لڑائی بھی
ٹھان لیگا اور اپنے تئین مجاہد فی سبیل اللہ سمجھکر تمکو شکست دینے کی تدبیر کرے گا۔

پھر اگر کہین یہہ کہدو کہ۔ سلف صالحین تلامذہ کے سامنے کتابین رکھکر نہین پڑھاتے بلکہ وہ علمی مسائل اور حقایق پر زبانی تقریرین کیا کرتے جنکو سننے والے شاگرد لکھ لیتے تھے اور اسی غرض سے اُن کے پاس کاغذ و قلم و دوات حلقہ درس مین موجود ہوتی تہی۔ تو باوجود اسکے کہ وہ تمہارے بیان کو سچ مانیگا اور اسکی صداقت کا معترف ہوگا لیکن اپنا طرز عمل نہ بدلے گا۔ کیوں؟ اسلئے کہ اُس نے اس زمانہ کے تمام لوگون کو صرف کتابون سے سبق پڑھاتے دیکھا۔ اب کیا کسی سمجھدار شخص کے دل مین یہ خیال گزر سکتا ہے کہ یہ جمود دین کی طرف سے آیا ہے؟ اور کیا کوئی معمولی سے معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس جمود کے دین اور اہل دین پر باعثِ وبال ہونے مین کلام کر سکتا ہے؟۔

اس جمود کا ستم عقیدہ پر مذکورہ بالا جمود تو عمل مین تھا لیکن اس سے بھی بڑھکر سخت اور مضر رسان جمود وہ ہے جو عقیدہ مین پیدا ہوا۔ لوگ اس بات کو بالکل بھول گئے کہ کتاب اللہ کے حکم اور سنت رسول اللہ صلعم کی تائید سے ثابت ہو چکا ہے کہ ایمان کا اعتماد محض یقین پر ہوتا ہے اور اس بارہ مین ظن پر عمل کرنا ہرگز درست نہین۔ یا یہ کہ خدا۔ اُسکے علم اور اُسکی قدرت پر ایمان لانے اور تصدیق رسالت کے بارہ مین یقین کا سرچشمہ عقل ہے اور اسکے بعد علم غیب مثلاً احوال آخرت اور فروض عبادات اور عبادت کی شکلون وغیرہ کا علم حاصل کرنیکے لئے نقل کو اسکا سرچشمہ قرار دینا چاہئے۔ اور عقل اگرچہ نقل سے ضروریات دین اخذ کرنے مین تنہا مستقل بالذات نہین ہے۔ تاہم خداوند پاک کے وجود اور اُسکے رسولون کے بھیجنے کی ضرورت کا اعتقاد پیدا کرنے کے لئے لامحالہ عقل ہی سے کام لینا پڑیگا اور عقل ہی اسباب کی ضرورت ثابت کریگی کہ خدا کے بھیجے ہوئے رسول اُسکی جانب سے ہمارے لئے منقول علوم لاتے ہین۔ غرضکہ ان تمام باتون کو فراموش کر بیٹھے اور کہدیا۔ کہ عقیدہ کے بارہ مین کسی خاص مذہب کی پابندی لازمی ہے جسکی وجہ سے الگ الگ صدہا فرقے اور گروہ بن گئے اور ہم پہلے اس بات

کو بیان کر آئے ہین پہر اسی پر اکتفا نہین کی کہ نفس معتقدات مین کسی خاص مذہب کا اتباع لازم قرار دے لیا ہو بلکہ بعض لوگ اس طرف چلے گئے کہ فلان اعتقاد تک پہونچنے کے لیے خاص خاص دلیلون کا اختیار کرنا ہی ضروری ہے تا کہ تقلید فی الدلیل کا رتبہ تقلید فی المدلول کے برابر ہو جائے گویا کہ اُنہون نے اسی غرض سے نقل کو ہر ایک اعتقاد کا رکن قرار دیا اور ایسا کیا ہی تہا تو کاش کسی معصوم کی نقل کو معتبر مانا ہوتا لیکن نہین اونہون نے عام طور پر نقل کو قابل اعتماد تسلیم کیا چاہے وہ ناقل غیر معروف ہی کیون نہ ہو جس سے اُن کے یہان یہ قاعدہ بنگیا کہ :۔ فلان عقیدہ اسلئے صحیح ہے کہ فلان مصنف کی فلان کتاب مین یونہی آیا ہے اور چونکہ کتابون کے اقوال لازماً ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہین اسلئے اب یہ بات سخت دشوار ہو گئی کہ کوئی شخص اپنے واسطے کوئی چہنا ہوا صاف ستہرا اور مستحکم غیر متزلزل عقیدہ قائم کر سکے۔ پڑھے لکھے مقلدین سے لیکر اُن کے جاہلون تک کے دماغون مین یہی خیال اور کلیہ بس گیا ہے اور اُن کی حالت بغور دیکہی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک مشہور آدمی کے نام سے جو بات کہدی جاتی ہے وہ اُسپر فوراً یقین لے آتے ہین چاہے وہ شخص در اصل اہل علم مین سے بھی نہ ہو۔ اور اسی وجہ سے کہ وہ سنی سنائی باتون پر ایمان رکہتے ہین اُن کے عقاید مین بہی ویسا ہی تناقض موجود ہے جیسا کہ سنی ہوئی باتون مین اکثر ہوا کرتا ہے۔

نقل پر اعتماد کرنے کی سہولت اور کاہلی نے آخر یہ روز بد دکھایا کہ سلف صالحین رضی اللہ عنہم کی ڈالی ہوئی داغ بیل سے اور اُس شارع عام سے جو سیدھی منزل حق پر پہونچاتی تہی ہٹ جانا پڑا۔ نقل پر اعتماد تو سلف کرام بھی کرتے تہے لیکن نہ اس طرح کہ جس شخص سے جو بات سنین وہ بلا تامل و تحقیقات مان لین بلکہ پہلے وہ راوی و ناقل کی ذاتی حالت کی خوب چھان بین کرتے تھے پہر اُسکے قول کو معیار صداقت پر پرکہتے تہے اور جب اس بات کا یقین کر لیتے تہے کہ ہان وہ ناقل قابل اعتماد ہے تب کہین اُسکے قول پر

عمل کرتے تھے لیکن متاخرین کے جمود نے متقدمین سے نقل کرنے مین رطب و یابس
کی کوئی پروا نہ کی اور بالکل بے اصول طور پر جسکو اپنے پندار مین اس بات کا اہل تصور کیا
کہ اُس سے نقل کر سکتے ہین بے تامل نقل کر دیا۔ نہ کوئی بحث تھی اور نہ کرید۔ جسکی وجہ سے
عام لوگون مین بہت سے لغو اقوال اور موضوع حدیثین شائع ہوگئین جنکا آج رونا رویا جاتا ہے
یہ جس قدر بھی بدعتین پھیلی ہین انکا سرچشمہ وہی بد اعتقادی ہے جو تقلید اور جمود کی خرابی
سے پیدا ہوئی کہ اگلون کے اقوال پر بغیر اسکے کہ اُنکے حالات کی تحقیق اور اُنکی صداقت
کی جانچ کیگئی ہو اعتماد کرلیا اور عقائد کو ماننے مین عقل سے کام لیکر یہ بھی نہ دیکھا کہ آیا وہ
کتاب اللہ اور سنت طاہرہ کے مطابق ہین یا نہین۔ اب مشکل یہ آپڑی ہے کہ ایک دینی
غیرتمند ان عقائد کی بیخکنی کرنے مین سخت مشکل کا سامنا پاتا ہے پھر اُسکا ہتھیار محض کتاب
مبین اور قرآن کریم ہے اور اُسکے دشمنون کے ہاتھ اگلے معروف اور غیر معروف دونون
قسم کے اشخاص کے اقوال۔ لہذا بات بنے تو کیونکر اور کام چلے تو کس طرح؟ —

کسی شخص نے استاد علامہ شیخ جامع ازہر سے جنکا مرتبہ دینی علماء مین سب سے اعلے
اور ارفع ہے۔ اُن اعمال کے متعلق سوال کیا جو بعد جمعہ مساجد مین ہوا کرتے ہین۔ شیخ
موصوف نے سنت کے مطابق نہایت صحیح فتویٰ دیا کہ یہ عمل بدعت ہے اور دین کے واقفکارون
مین سے ہر شخص یہی بات کہتا کہ یہ عمل بدعت ہے اور اس سے بچنا لازم۔ اب کیا تمہارا یہ خیال
ہے کہ فتوے پوچھنے والے نے اس قول پر عمل بھی کیا؟ ہرگز نہین۔ قیل و قال کا بازار گرم
ہوا۔ اور ایک مدت سے بکثرت سوال کیے جانے لگے۔ کوئی کچھ کہتا تھا اور کسی کی رائے
کچھ تھی۔ آخر عکس [illegible] اور [illegible] سنت کا [illegible] مین [illegible] بدعت کا سلسلہ
سمجھتے ہم [illegible] اپنے اگلون کو [illegible] پھر اسے کیونکر ترک کرین۔
اب بتلائیے اسکا کیا علاج ہے اور بیچارہ مجیب بجز سکوت کے اس موقع پر اور کیا کر سکتا ہے
بیشک یہ سب اسی جمود کی شامت ہے کہ اس نے عام لوگون اور اُس شخص کے سینہ مین بہت

بڑی حد فاصل قایم کر دی ہے جو انکی خرابیون کی اصلاح اور اُن مین پھیلی ہوئی بیخ و بنکا
قلع قمع کرنا چاہتا ہے اور دینی حکومت یا دنیاوی اقتدار دیسی لوگون کے ہاتھ مین دیدیا گیا ہے
جو علم دین اور آداب دین سے ہمیشہ [illegible] جنہون نے اوائل عوام کے دلون
مین عقائد فاسدہ کی تخم ریزی کر دی ہے جس سے آیندہ اور موجودہ قومین بجز برے
پھل کے عمدہ ثمر حاصل ہی نہین کر سکتین۔ اسی لیے اگر آج کوئی عالم اٹھکر کتاب اللہ کے
صریح احکام اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح فرامین یا سلف صالحین کے
اجماعی اصول پیش کرتا ہے تو عام لوگ اسکی مخالفت پر کمر باندھکر کہتے ہین "ہمنے تو
اپنے اگلے باپ دادون سے ایسی باتین سنی ہی نہین" اور آبائے اولین سے وہ لوگ
مراد ہوتے ہین جن کو انہون نے دنیا مین آنے کے بعد سے خود دیکھا ہے یا جنکا ذکر اور
لوگون کی زبانی سنا ہے۔ لہذا عام مخلوق کی رہنمائی آج نہایت دشوار کام بنگئی ہے
اور جو شخص اسکی فکر کرتا ہے وہ ایک ناقابل برداشت بار اٹھانا چاہتا ہے۔

غرضکہ عوام کی یہ حالت ہے کہ وہ خارج از دین باتون کو دین مین شامل سمجھتے
ہین اور دین کے محافظون پر انکی رہنمائی دشوار ہے کیونکہ اپنے اُستادون کی مہربانی سے
اُن کو جیسی تعلیم ملی ہے اُسپر مذکورہ بالا جمود کا اثر حاوی ہے نہ انہون نے خود سمجھکر پڑھا
ہے اور نہ دوسرون کو سمجھانے کی قدرت رکھتے ہین۔ آج غور سے دیکھو تو قوم کا بہت بڑا
حصہ اپنے رہنماؤن اور ناصحون کے قابو سے باہر ہوگیا ہے لیکن اسی کے ساتھ اگر وہ
ہادی اور ناصح چاہین تو پھر ان اشخاص کو ہموار اور رام بنا سکتے ہین۔ عالمان شریعت کے
لیے یہ کوئی محال امر نہین ہان اسکے واسطے ضرورت ہے کہ وہ لوگ دین کی اُسی وسعت اور
آسانی کو واپس لائین جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے صحابہ کرام کے عہد مین تھی۔
پھر اسکے بعد دین کی حفاظت و حمایت پر کمر باندھ لین تاکہ آیندہ اُسمین کوئی خرابی نہ واقع
ہوسکے اور گذشتہ نقائص بتدریج زائل ہو جائین۔

جمود اور مدارس نظامیہ مین تعلیم پانیوالے طالب العلم۔

اس جمود نے ہم مین ایک نیا فرقہ اگر بھی پیدا کر دیا ہے جسکی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ یہ فرقہ جدید تعلیم یافتہ جماعت ہے جس نے مغربی علوم و فنون کی روشنی سے اپنا دل و دماغ روشن کیا ہے اور اسی لئے وہ نئی روشنی کی پود کہلاتی ہے۔ ان مین ایسے بھی ہین جو خاص اسلامی مدارس مین تعلیم پاتے ہین۔ یا غیر اسلامی مدارس مین خود اپنے ملک و وطن اور غیر ممالک مین بھی جا کر تعلیم حاصل کرتے ہین۔ روسی علاقہ جات سمرقند۔ بخارا۔ اور ہندوستان کی جدید تعلیم یافتہ جماعت کے حالات سے مجھے پورا علم نہین لیکن اپنے ملک مصر اور ممالک ترکی و شام وغیرہ کے جدید تعلیم یافتہ حضرات کا تجربہ ایک عجیب و غریب مصیبت مین ڈال رہا ہے اسلام کی نرم مزاجی اور کشادہ دلی نے اپنے پیروون کو اس بات کی عام اجازت دی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو سرکاری یا غیر سرکاری مدارس مین بلکہ خاص ایسے مدارس مین بھی تحصیل علم کے لئے بھیجین جنکے قیام کی غرض ہی اسلام کے سوا کسی دوسرے مذہب کی اشاعت ہی۔ اور جہان مسلمان اور دیگر مذاہب کے اساتذہ درس دیا کرتے ہین یا صرف غیر مذہب ہی کے استاد پڑھاتے ہین۔ اور اسی کے ساتھ جبتک انکے اعمال سے عقیدہ مین خرابی پڑتی نہ محسوس ہو یہ بھی مباح کر دیا ہے کہ اس وقت تک ان کے کسی عمل سے ان کو نہ روکا جائے اور ان مدارس مین انکی تعلیم کو ناجائز نہ قرار دیا جائے۔

غیر قومی اور غیر ملکی مدارس کے طلبا کا جمود

اب اگر ایسے طلبا ان غیر اقوام کے مدارس مین تحصیل علم کرتے ہین جن مین مذہب اسلام کی دینی تعلیم کا کوئی نام و نشان تک نہین ہوتا بلکہ اسکی جگہہ کسی دوسرے مذہب کی تعلیم دیجاتی ہے تو ان کے عقاید دینی مین ایک قسم کی کمزوری واقع ہو جاتی ہے اور بعض حالتون مین تو ان کے عقاید بالکل فنا ہو جاتے ہین اور بجائے ان کے دوسرے ناگوار اور برے عقاید دل مین جم جاتے ہین جسکی مثالین بکثرت موجود ہین۔ اگر ان بچون کے مان باپ کو اپنے

مذہبی عقائد کا ایسا علم ہوتا کہ بقاعدہ استدلال اُن عقائد کو سمجھ کے ذہن نشین کر سکتے تو ممکن تھا کہ ایسی خرابی نہ واقع ہوتی اور وہ لوگ اپنے بیٹون کے عقائد مین تزلزل نہ آنے دیتے۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ مذکورہ بالا جمود نے انھین اس کام کے قابل نہین رہنے دیا اور نہ اُنکے مرشد و رہنما علماء و مشائخ ہی اس قدر باخبر اور سمجھدار ہین کہ وہ اس نقص کی روک تھام کر سکین اس لئے کام بگڑتا اور ضرور بگڑتا ہے۔ +

غرضکہ یہ بھی ایک اسی جمود کی خطا ہے کہ جو مسلمان بچے غیر مذہبی مدارس مین تعلیم پاتے ہین وہ ناسلام طریقے سے اپنے مذہب سے خارج ہو جاتے ہین اور ان کو یا اُن کے ماں باپ کو اس بات کا ذرا بھی احساس نہین ہوتا کہ ایسا کیون ہوا۔ کاش اگر وہ لوگ مذہب کی جگہہ جیسا کہ بعض نادان اور ایشیائی قومون کی عادات سے بیخبر اشخاص خیال کرتے ہین یا بعض ایشیائیون کے بدخواہ ایسی رائے قرار دیتے ہین کسی اخلاقی اصول اور علم و حکمت کے احکام کو بد اخلاقیون اور برائیون سے روکنے والا قرار دیتے تو یہی غنیمت تھا لیکن آفت تو یہ ہے کہ اس نئی تعلیم کے اثر نے اُن کے دلون کو بالکل آزاد اور نفس پرستی پر شیدا بنا دیا ہے جس مین بجز ضمیر کے جو نطرتاً انسان کو برائی سے روکتا اور نیکی کیطرف مائل کرتا ہے اور کسی روک ٹوک یا لعنت ملامت کرنے والے کا دخل نہین اور اسی لئے وہ نفس پرست تن پرور اور خواہشات نفسانی کے شکار بنکر ہلاکت و بربادی کے غار مین گر رہے ہین جسکا مضرت رسان اثر قوم پر ظاہر ہو رہا ہے اور آئندہ مزید توضیح سے ظاہر ہوگا۔ آہ۔ میرے نزدیک بلاشک و شبہ ایسی تعلیم سے جاہل رہنا ہزار درجہ بہتر تھا۔ اور کاش اسلام نے اس قدر کشادہ دلی سے کام نہ لیا ہوتا کہ وہ ایسی تعلیم و تعلم کی اجازت دیدیتا۔

سرکاری اور خانگی مدارس کے طلبا کا جمود۔

اب رہے وہ طلبہ اور تعلیم پانے والے بچے جو ان سرکاری یا خانگی مدارس مین تعلیم پاتے ہین جہان ہنوز دینی تعلیم کا کچھہ اثر باقی ہے اور کسی قدر مذہبی درس تدریس بھی شریک نصاب کی گئی ہے تو

یہ لوگ مختلف فنون کا کچھہ علم حاصل کرکے اسرار کائنات اور نظام تمدن و معاشرت کے متعلق تھوڑی بہت معلومات بہم پہنچا لیتے ہین - پھر قاعدہ کی بات ہے کہ جس شخص کو جو علم آتا ہے وہ ضرور اُسکے بارہ مین اپنی زبان کھولتا ہے اور خواہ مخواہ اُس علم کی اصطلاحات و مسایل پر غور و خوض اور گفتگو کرتا ہے اُسکی یہ باتین جس وقت اُن لوگون کے گوش زد ہوتی ہین جنھون نے اہل دین کا لباس پہن رکھا ہے مگر ہین در اصل جامد اور اُنھین الفاظ پر جمے ہوئے جو اگلے لوگون سے سُن رکھے ہین لہذا کوئی بات اپنی معلومات کے خلاف سُن کر سخت چراغ پا ہو جاتے ہین - اُن کو صحیح عقیدہ کے خلاف تصور کرتے اور اُن کے کہنے والے کو بے دین اور لامذہب کہنے لگتے ہین - اُدھر وہ نیا تعلیم یافتہ اپنی دلیل کے پُرزور ہونے مین شک نہین رکھتا اور دین کی طرف سے جاہل ہونا اُسکے دل مین یہ خیال جما دیتا ہے کہ اُسکا مقابل جو کچھہ کہہ رہا ہے دینی احکام کے مطابق کہہ رہا ہے - بس یہہ سوچکر وہ دین کو بنگاہ نفرت دیکھنے لگتا ہے اور حالانکہ یہ امر محض اُسکی جہالت اور جامد علما کے ناقابل تشفی جواب کا نتیجہ ہے -

اور اگر ایسے تعلیم یافتہ لوگون سے کہا جائے کہ تم دینی کتابین دیکھہ کر اُن سے صحیح مذہبی اصول اور عقائد کا پتہ لگاؤ پھر تمکو اپنے طور پر اطمینان ہو جائیگا اور تم معترضون کو بھی جواب شافی دیسکوگے - تو اُنکو نہایت حیرت ہوتی ہے کہ کس کتاب کی جانب رجوع لائین اور اُسکی عبارتین کیونکر سمجھین کیونکہ اُن مین سخت پیچیدگی اور الجھن کے سوا جو موروثی طور پر چلی آتی ہے اور کوئی بات نہین - اسلئے وہ اور بھی نفرت کرنے لگتا ہے جو ایک سمجھنے کے خواہان کو ناممکن الفہم بات سے قدرۃً پیدا ہونی بھی چاہیئے -

اِس خرابی کی وجہ سے اکثر جدید تعلیم یافتہ جماعت دین کو ایک غیر مفہوم چیز بلکہ بعض تو خرافات محض سمجھنے لگے ہین (نعوذ باللہ) وہ اُس سے پہلوتہی کرتے جاتے ہین اسلئے جہان تک دیکھا جاتا ہے اُن کے دلون مین ایک قسم کی پراگندگی اور اُنکی ہمتون

مین ایک طرح کی پستی داخل ہو گئی ہے جسکی وجہ سے اُن کی خواہشین بھی معمولی اشخاص کی طرح محض کسب معاش۔ یا علو جاہ کے حصول تک محدود رہتی ہین پیٹ پالنے اور عزت و شہرت حاصل کرنے کے واسطے وہ ہر ایک جا اور بیجا راستہ پر چل سکتے ہین۔ اور جبتک اونکی ذاتی عزت بنی رہے اس بات کا ہرگز خیال نہین کرتے کہ عام اور خاص ابنائے ملت کو اُن کے اس طرز عمل سے کیا ضرر پہونچیگا۔ اگر اُن مین سے کوئی شخص ملکی ہمدردی یا قومی حمیت وغیرہ وغیرہ اُمور کا مدعی پایا جاتا ہے تو یہ محض زبانی جمع خرچ ہے ورنہ اس بارہ مین اُن کا مرجع نہ کوئی ثابت شدہ اصل ہے اور نہ کوئی صحیح علم۔ چنانچہ وہ اپنے ملک کے لئے جس طرح کی بہبودی اور خوشحالی کے طالب بنتے ہین بعض اوقات وہ ایسی بات ہوتی ہے جسکا انجام فی الحقیقت برا ہوتا ہے اور خود اون کو اسکا ذرا بھی احساس نہین ہوتا کہ وہ کیا کر رہے ہین۔ انہی لوگون مین سے بعض حضرات ایسے بھی ملینگے جو دین کا نام لیکر چیختے چلاتے ہین۔ مگر خود اونکی طبیعت احکام دین پر غور کرنے یا اُسکے کسی عقیدہ کو سمجھنے پر مائل نہین ہوتی بس باتین بنائی جانتے ہین اور یہ ظاہر ہے کہ اُنکی اس کارروائی سے کوئی فائدہ نہین نکل سکتا بلکہ برے نتائج کا پیدا ہونا یقینی ہے کاش اگر مذکورہ بالا وجوہ نہ ہوتا تو ایسے لوگون کو اپنی دینی کتابون مین اور حاملان دین کے اقوال مین اس قسم کی بہت سی باتین مل سکتی تہین جو اُنکے غنچۂ خاطر کو شگفتہ کر دیتین اور اُنہین اسلام کا سچا فدائی بنا دیتین اونکو علم کا بھی لطف آتا اور اسکے ساتھ ہی دین کا بدرقہ بھی مزہ دیتا۔ وہ خود اپنے تئین اور اپنی قوم دونون کو نفع پہونچاتے اور اُن مین سے ایسے افراد نکلتے جو قومی اطوار۔ قومی خیالات کی رفتار۔ قومی اعمال۔ اور قومی طرز معاشرت کے بہترین نمونے بلکہ رہبر ہوتے۔ *

جمود ایک علت ہے جو زائل ہو جائیگی

اس جمود کے نقصانات کی تفصیل ایک ضخیم کتاب کی محتاج ہے اس لئے ہم مذکورہ بالا مختصر بیان پر اکتفا کر کے اب یہ بتانا چاہتے ہین کہ یہ جمود ایک مرض ہے جو مسلمانون کو کچھہ عرصہ سے لاحق ہو گیا ہے اور خدا چاہے تو اسکا زوال ممکن ہے -

پہلے جو کچھہ حالات دین اسلام کی طبیعت کے ہم نے بیان کئے ہین اُن کے مطالعہ سے واضح ہو گیا ہو گا کہ اُسکا رتبہ اس بات سے بالاتر ہے کہ ایسے جمود کو اسکی طرف منسوب کیا جا سکے جیساکہ جمود کا مرض سر دست مسلمانون مین موجود ہے - اور ہم یہ بھی دکھلا چکے ہین کہ کتاب الٰہی مین بیشمار آیتین اس طرح کی موجود ہین جو باپ دادا کی کورانہ تقلید سے منع کرتی ہین چاہے وہ لوگ کیسے ہی معزز اور عالی رتبہ رہے ہون - یا کیسے ہی نیک فرشتہ سیرت پائی گئے ہون لیکن خداوند کریم نے ہمین اُن کی پیروی کرتے ہین سمجھہ بوجھہ سے کام لینے کا حکم دیا ہے اور اُن نصوص کے اعادہ کرنے کی یہان ضرورت نہین - پھر ہم نے بعض ایسے اسباب بھی بیان کر دیئے ہین جو مسلمانون پر نہ کہ اسلام پر اس جمود کی بلا نازل کرنیکا باعث ہوئے اور اس بدعت کے جاری کرنے والے یا تو مسلمانون کے دشمن جان تھے جو اُن کی ذلت و بربادی چاہتے تھے - اور یا اُن کے نادان دوست جو شر کو خیر سمجھکر کرتے رہے اور ان دوسری قسم کے لوگون سے بے انتہا ضرر پہنچا - اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ مرض زائل ہو جائے گا اور کیا اسکے زوال سے اسلام پھر اپنی اُسی اگلی وسعت وفیاض دلی دکھا سکے گا جو کبھی اُس نے دکھائی تھی - اور پھر اپنے پیرودن کو بام عزت و ترقی پر چڑھا سکیگا؟

قرآن کریم اور کتاب مبین مین آیا ہے :- اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ بیشک ہم نے نازل کیا ہے ذکر (قرآن) کو اور ہم ہی اُسکے محافظ بھی ہین - یہ ذکر، ذکر حکیم اور قرآن کریم ہے جسکی محکم اور مفصل آیتون کی تحکیم و تفصیل علیم و خبیر خدا کی جانب سے ہوئی ہے اور جیساکہ خود پروردگار عالم فرماتا ہے :- كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۔

ایسی کتاب ہے جسکی آیتین جاننے والون کے لیئے بتفصیل بیان کردی گئی ہین چنانچہ جس طرح خداوند پاک نے اس کتاب کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا اُسے پورا بھی کیا اور آجتک کسی قاتل دشمن کا ہاتھ اس ذکر مقدس کو نہین لگنے پایا۔ اور نہ کوئی نادان دوست اسپر کچھہ دست درازی کرسکا قرآن کریم یوم نزول سے آجتک اُسی ایک حالت پرباقی ہے اُس مین کسی لفظ بلکہ نقطہ تک کابھی تغیر وتبدل نہین ہوا اور اُسکی تفسیر یا تاویل مین دو مخالف فریقون کا عمل اُسے بالذات کوئی ضرر نہین پہنچا سکتا۔ اُسکی عبارت بجنسہ بغیر کسی اختلاف و اضطراب کے مصاحف کی دفتیون مین محفوظ چلی آتی ہے وہ پرہیزگارون اور خدا ترسون کا امام۔ اور دین کا مخزن ہے۔ اہل دین پر جب کبھی مصیبت پڑے اور وہ گمراہیون مین بھٹکے پھرنے سے تنگ آکر راہ راست کے متلاشی ہون تو یہی کتاب الٰہی انکا مرجع اور ماوٰی ہے۔ گو خودغرض اور باطل پرست لوگون نے اُسکے منور فانوس کو صدہا بدعات وخرافات کے تاریک پردون مین چھپا رکھا ہے لیکن اُسکی نوربار کرنین اُن پردون سے چھن چھن کر دنیا پر اپنی روشنی ڈالنے سے باز نہین آتین۔ اور انشاء اللہ وہ زمانہ عنقریب آنے والا ہے کہ وہ تمام پردے اور رکاوٹین انصار قرآن کریم کے زبردست ہاتھون سے پھاڑ چیر کر دور کر دیئے جائینگے۔ اور کتاب مبین کی مصفا روشنی اپنے دوستون کے سامنے بے حجاب ہوکر جلوہ دکھائیگی۔

اِس تاریکی کے زمانہ مین بھی جو آج سے چند صدیون قبل شروع ہوکر اس وقت تک چلا آتا ہے وقتاً فوقتاً قرآن کریم کا نور حجاب ملبّسہ بدعت کو پھاڑتا ہوا اکثر سلیم الفطرت اور صاحب بصیرت لوگون کے دلون پر اپنی شعاعین ڈالتا رہا اور وہ لوگ خود راہ راست پاکر دوسرون کو بھی گمراہی سے بچانے مین کوشان ہوئے لیکن قوم کا بیشتر حصہ جہالت و ادبار کی تاریکی مین پڑا تھا اور سیاہ باطن خودغرض لوگون نے انکو اپنے دام تزویر مین ایسا الجھا لیا تھا کہ ان معدودے چند مردان خدا کی صدا نقارخانہ مین طوطی کی صدا نکلی اور اسکی بہت کم شنوائی

ہوئی جس سے جمہور اعظم مسلمانون کو شرک و بدعت اور ادبار و فلاکت کے چکر سے نکلنا نصیب نہ ہو سکا اور آجتک وہ اُسی مین پڑے ہوئے ہین۔ یہ لوگ نام کے مسلمان ننگ اسلام اور اپنے دین کو دشمنون کے تیر ملامت کا ہدف بنانے والے ہین۔ انکو اسلام کے دائرہ مین داخل سمجھنا ہی غلطی ہے۔ اس قسم کے لوگون پر ضرور وہی آفت آئیگی جو ان سے پہلے سنت اللہ کی نافرمانی کرنے والی قومون پر آچکی ہے کیونکہ یہ بھی اُنہی کے قدم بقدم چل رہے ہین اور یہ ایک لازمی امر ہے کہ جو قوم مستوجب عذاب بننے والی اور ہلاک شدہ قومون کے نقش قدم کی پیروی کرے گی وہ ضرور تباہ و ہلاک ہوگی۔ قرآن کریم نے اسی لئے اگلی قومون کے عبرتناک حالات بکثرت اور بار بار سنائے ہین کہ مسلمانو انکو سنو اور گوش ہوش کو پنبہ غفلت سے پاک کرو تاکہ تمہاری سمجھ مین آسکے کہ شریعت کے جادہ مستقیم سے انحراف کرنیوالے والے اور سنت الٰہی کی راہِ راست کو چھوڑکر اُس سے ٹیڑھے چلنے والے اور اپنی آسمانی کتاب کے احکام کو پس پُشت ڈالدینے والے ہمیشہ برباد ہوتے رہے اور آیندہ بھی تباہ و غارت ہون گے۔ مسلمانو! اب بھی اپنی حالت پر نظر ڈالو۔ تم کیا تھے اور کہان تھے؟ لیکن اب کیا ہو گئے اور کس جگہ اُتر آئے؟ دیکھو جن لوگون کی تم نے پیروی کی اُن پر کیا گذر چکی تھی اور تم پر اسوقت تک کیا گزری ہے۔ اگر اتنا ہی سمجھ سنبھالے لو تو ابھی بہت کچھ ہو سکتا ہے ورنہ قرآن کریم پکار پکار کہہ رہا ہے کہ سنت الٰہی اور قانون قدرت ہرگز تغیر پذیر نہین۔ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا

اِن خواہ مخواہ اسلام کی جانب منسوب بننے والون پر اسی طرح آفتون کا نزول اور عذاب الٰہی کے آثار کا ظہور ہوتا رہا تو یہ ضرور خواب غفلت سے چونک پڑین گے (اور جانکنی کے عالم سے تو نہین اب بھی افاقہ ہوگیا ہے) اور گھبرا کر نجات کی تلاش مین دوڑین گے۔ آنکھون کو بدعات و محدثات کی آلودگی سے صاف کرین گے تو اُس وقت اُن کو قرآن کریم کا نور دکھائی دیگا جو شاہ راہِ ہدایت کے سرے پر خالق عالم کے حکم سے چمک رہا ہے اور آفت ضلالت و ادبار مین مبتلا قومون کے لئے خلاصی و نجات کے وسایل اپنے پاس لئے ہے پھر قرآن

کریم اُن کو اپنی راہ پر چلانے کے لیئے روح القدس کی تائید اُنکی رفیق بنائیگا اور اُنہین علم و عمل کے منافع کی بے خطر سڑک پرلے چلیگا۔ علم کے سرچشمہ سے سیراب ہوتے ہی مسلمانون کی عقل وفہم جاگ اُٹھے گی وہ اپنے آپ کو بخوبی پہچان لینگے کہ وہ کیا ہین اور اُن مین کس قسم کی قوت پوشیدہ ہے پھر تو مسلمان ہون گے اور باہمی تعاون کی سرگرمی سے سب بلا روک ٹوک ترقی اور عظمت کے زینون پر چڑہنا شروع کردین گے اور اپنا کھویا ہوا خزانۂ علم و ہُنر یا اپنی ضائع شدہ سرسبزی و عظمت پھر حاصل کر لینگے۔ اسی بناء پر مین کہتا ہون کہ:۔ اسلام نے کبھی مدنیت کے راستہ مین سنگ راہ بننا نہین چاہا لیکن وہ زمانہ ضرور قریب ہے جبکہ اسلام مدنیت کے تمام نقائص دور کرکے اُسکو بالکل ستھری اور پاکیزہ بنادیگا اور جس وقت مدنیت اسلام کی خوبیون سے واقف ہوگی وہ خود اُسکی دلدادہ اور بہترین ناصر بنجائے گی۔ غرضکہ یہ جمود اور پستی جو آج مسلمانون کو لاحق ہے انشاءاللہ عنقریب زائل ہوکر رہیگی اور ہمارے اس دعویٰ کی سب سے بڑھکر زبردست دلیل یہ ہے کہ کتاب اللہ اُسکے سوء حال کی شاہد موجود ہے اور خدا کی عنایت سے ایسے لوگ بکثرت پیدا کرتی جاتی ہے جو اُسکی کتاب پر غور و تدبّر کرنے اور اُسکی نصرت کرنے کے لیئے آمادہ ہوتے جاتے ہین۔ اِن لوگون کی دعوت اب عام ہورہی ہے اور حادثات زمانہ اور خداوند قہار کا وہ عذاب جو اہل جمود پر نازل ہورہا ہے اُنکی دعوت کی تائید و تصدیق کا فایدہ دے رہے ہین۔

یہ کتاب مجید جسکے پیچھے پیچھے علم و ہنر ہر چار دانگ عالم مین جایا کرتا تھا ضرور ہے کہ دوبارہ اپنی روشنی پہیلائے اور ضلالت کی تاریکیان دور کرکے مومنین کے دلون کو اپنی نورانی شمع کا فانوس قرار دے اور علم اُسکا تابع ہو کیونکہ کتاب اللہ کا سچا دوست اور متفق علیہ ساتھی اگر کوئی ہے تو یہی علم و ہُنر ہے۔

پست ہمت اور جامد مسلمان بھی بعض کیا اکثر اوقات اعدائے قرآن کی طرح یہ کہنے لگتے ہین کہ:۔ اب زمانہ خاتمہ پر آگیا قیامت نزدیک ہے لوگون مین جو خرابیان پھیل گئی ہین اور دین

مین جو نقص و خلل آگیا ہے یہ سب باتین دنیا کے آخری وقت اور بڑھاپے کی
علامتین ہین۔ ایسی حالت مین اصلاح کی کوشش کرنا یا کوئی عمل کر سکنا غیر ممکن اور
غیر مفید ہے۔ بس اب فنا ہو جانے کے سوا اور کسی بات کا انتظار نہ کرنا چاہیے۔ اور
(نعوذ باللہ) یہ جہالت کے پتلے اور یاس کے مددگار وہ باتین کہتے ہین جنکا انہین کوئی
علم نہین۔ انہون نے کیا زمانہ کی حالت معلوم کر لی ہے جو اس بات کو بھی جان
گئے کہ اب اوسکے خاتمہ کا وقت قریب آگیا ہے؟ اگر ہم دیکھین تو ہمارے زمانہ اور مبداء
اسلام کے مابین اب تک صرف تیرہ سو بیس سال گزرے ہین اور یہ ساری مدت ایام اللہ
کے حساب سے ایک دن سے کچھ زائد یا ایک ہی دن کا کوئی جزو ہوتی ہے۔ عالم کائنات
مین خدا کی نشانیان اگرچہ اس بات پر دلالت کرتی ہین کہ خلقت عالم پر جس قدر مدت گزر
چکی ہے وہ بیحساب زمانہ ہے تاہم انہی آیات سے یہ بھی شہادت ملتی ہو کہ ابھی اس عظیم الشان
نظام کا جتنا حصہ باقی ہے اسکا کوئی اندازہ نہین لگا سکتا۔ فَمَا لِهٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ
يَفْقَهُونَ حَدِيثًا۔ سمجھ مین نہین آتا کہ یہ وہم پرست حضرات کیسی باتین کرتے ہین
ہمارے اور مبداء اسلام کے مابین کا زمانہ پچاس سال فی کس اوسط عمر کے حساب سے
محض چھبیس (۲۶) آدمیون کی زندگی کا زمانہ ہے۔ اور کیا اتنا ہی زمانہ اسلام کے ایسے دین عام
کی نسبت سے دہر طویل شمار کیا جا سکتا ہے؟ ہمارے خیال مین تو اتنی مدت اُسکے اس قدر
ترقی کر لینے کے لئے کافی نہین۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کافی نہین ہوئی کہ تمام دنیا کی انسان
اُسکے نور ہدایت سے فیضیاب ہو جائین اور قیامت دین پر تو نہ آئے گی۔ ہان یہ ممکن ہو کہ
ایسے باطل پرستون اور خود غرضون کی شرارت وطمع پر قایم ہو۔ خدا نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ
وہ اپنے نور کو مکمل فرمائیگا اور اوسے تمام ادیان پر فتح وظفر دیگا چنانچہ اس وعدہ کے مطابق
کچھ دنون دین اسلام عقاید باطلہ پر فتحیابی اور حصول کمال کے راستہ مین قدم زن رہا
اور اسکے بعد پیروان مذہب اسلام ہی نے اُسکو سیدھے راستہ سے منحرف کر دیا اور اُس

بُری راہ پر لگا لیگئے جیسے آج وہ خود اور ہم بھی بخوبی دیکھتے ہین۔ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ جبتک خدا کا وعدہ پورا نہ ہولیگا کہ دین اسلام کو پوری کامیابی حاصل ہو اور وہ علم کی دستگیری کرکے اُسے عقل اور وجدان کے راہ راست پر لگانے مین اپنا قوت بازو نہ بنالے اُس وقت تک قیامت ہرگز نہین آئے گی۔ اور جبکہ دین اور علم دونون ایک دوسرے کے معاون بنکر کام کرین گے اور عقل کو اپنی قوت کا صحیح اندازہ ہوجائیگا تو پھر وہ اُن خدا کی عطا کی ہوئی قوتون کا درست طور پر استعمال کریگی اور جہان تک ہوسکیگا اسرار کائنات کو حل کریگی۔ یہانتک کہ جب عظمت وجلال خالق جل شانہ کے انوار جلال اُسکے سامنے جلوہ گر ہوجائینگے تو وہ سر نیاز جھکا کر تحقیق وتفتیش سے باز آجائے گی اور اُن راسخین فی العلم کے درجہ پر جا ٹھہرے گی جن کے بارہ مین امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے یہ قول مروی ہے :-

هم الذين اغناهم عن اقتحام السدد المضروبة دون الغيوب الاقرار بجملة ما جهلوا تفسيره من الغيب المحجوب فمدح الله اعترافهم بالعجز عن تناول ما لم يحيطوا به علما وسمى تركهم التعمق فيما لم يكلفهم البحث عن كنهه رسوخا"	"وہی ایسے لوگ ہین جنکو غیب محجوب کی نا ممکن الفہم باتون کے نہ سمجھ سکنے کے اقرار نے انہین پردہ ہائے غیب کو اُٹھا سکنے سے بے پروا بنادیا ہے اسی لیے جس چیز کو معلوم کرنے سے عاجز ہونیکا اُنہون نے اقرار کیا ہے خدا نے بھی اسبارہ مین اُنکی مدح فرمائی اور جس چیز کی کنہ دریافت کرنیکی اُنکو تکلیف نہین دیگئی ہے اُسمین ترک غور وفکر کرنیکا نام خداوند کریم نے رسوخ رکھا ہے"

پھر اسکے بعد اُنہون نے اس حالت کی تعبیر اپنے اس قول سے فرمائی ہے :-

فاقتصر على ذلك ولا تقدر عظمة الله سبحانه على قدر عقلك فتكون من الهالكين هو القادر الذي اذا ارتمت الاوهام لتدرك منقطع قدرته وحاول الفكر	"اس لیے تجھے لازم ہے کہ اسی امر پر اقتصار کر اور خداوند سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت کا اندازہ اپنی عقل کے مطابق نہ لگا ورنہ تو ہلاک ہوگا وہ ایسا قادر ہے کہ جب اوہام اُسکی بے پایان قدرت کی حد تلاش کرتے ہین۔ اور

المبراء من خطوات الوسواس ان یقع علیہ فی عمیقات غیوب ملکوتیہ و تولهت القلوب الیہ لتجری فی کیفیتہ صفاتہ وغمضت مداخل العقول فی حیث لا تبلغہ الصفات لتناول علم ذاتہ ردعها وهی تجوب مهاوی سدف الغیوب متخلصۃ الیہ سبحانہ فرجعت اذ جبهت معترفۃ بانہ لا ینال بجور الاعتساف کنهہ ولا تخطر ببال اولی الرویات خاطرۃ من تقدیر جلال عزتہ"	وسواس سے مُبرّا انگر اُسکے ملکوت کی مخفی باتون کی تہ معلوم کرنیکا ارادہ کرتا ہے۔ قلوب اُسکی کیفیت صفات کے انکشاف مین مشغول ہوتے ہین اور عقل کے مداخل اُس سمت مین پدید ہو جاتے ہین جدہر صفات کے ذریعہ سے علم ذات تک پہونچنا دشوار ہے۔ تو خود پروردگار عالم اُن عقلون کو ظلمات غیب مین قدم زن ہونے سے روک دیتا ہے اور وہ یہ اعتراف کرتی ہوئی اس ارادہ سے باز آجاتی ہے کہ یہ راہ چلکر اُسکی کُنہ ذات معلوم کرے اور وہ سمجھ جاتی ہے کہ انسان ہرگز خدا کے جلال و عزت کا کچھ بھی اندازہ نہین کر سکتا"۔

ایسے موقع پر عقل وجدان صادق یعنی قلب کے ساتھ ملجائیگی اور قلب بشرطیکہ وہ سلیم ہو اور دین سے صحیح نور ہدایت حاصل کر چکا ہو اپنے حدود مملکت کے اندر عقل کے ساتھ چلنے مین کبھی پیچھے نہ رہیگا۔ بعض سادہ لوح اشخاص سے نے غلطی سے یہ اعتقاد دل مین جما رکہا ہے۔ کہ فطرت اور غریزت کے تقتضی سے عقل اور قلب کی روش مختلف ہے مگر یہ بالکل غلط خیال ہے کیونکہ عقل اور دل کے مابین تخالف اُسی وقت پڑتا ہے جبکہ نفوس پر روحانی امراض و علل کا غلبہ ہو ورنہ تقریباً تمام دانشمند لوگون کا اس بات پر اتفاق رائے ہے کہ حس باطنی (یعنی وجدان یا قلب) کے مشاہدات ہی برہان عقلی کے مبادی ہین مثلاً تمکو اپنے موجود ہونے اپنے رنج وغضب لذت والم اور اپنے سرور وغیرہ کا جو کچھ احساس ہوتا ہے اسکا تعلق براہ راست دل ہی سے پایا جاتا ہے جسکو اصطلاح مین وجدان کہتے ہین ہمکو عقل اس لئے دی گئی ہے کہ اسکے ذریعہ سے انجام بینی۔ اسباب و مسببات پر غور۔ اور بسائط و مرکبات

مین فرق کرنے کا کام لین۔ اور دل اس واسطے ملا ہے کہ اُسکے وسیلہ سے نفس و ذات
مین حادث ہونے والی لذتون اور المون کا ادراک کرین۔ اور اضطراب و اطمینان وغیرہ
بیشمار انسانی احساسات کو محسوس کرسکین۔ لہذا یہ دونون یعنی عقل اور قلب نفس کی دو
آنکھین ہین جنکے ذریعے سے وہ دیکھتا ہے۔ دل کی آنکھ صرف قریب کی چیزون پر
نگاہ ڈال سکتی ہے اور عقل کی آنکھ دور تک دیکھنے مین کام آتی ہے۔ اور نفس کو
بہر حال ان دونون آنکھون کی ایک ساتھ ضرورت ہے اور جبتک وہ دوسری سے بھی
پورا نفع نہ اُٹھا سکے صرف ایک ہی آنکھ اُسکے کسی کام نہین آسکتی۔ اس سے ثابت ہوا
کہ علم صحیح وجدان کا متقوم ہے۔ اور وجدان سلیم علم کا سب سے بڑا اور زبردست مددگار
دین کامل علم و ذوق عقل و قلب۔ برہان و اذعان۔ اور فکر و وجدان۔ کا نام ہے۔ اسلیے
اگر کوئی دین ان دو امرون مین سے کسی ایک ہی امر پر اقتصار کرے تو اسکا ایک بازو
ٹوٹ جائیگا اور یہ بھی مشکل ہو کہ وہ دوسرے رکن کو قایم رکھ سکے عقل اور وجدان مین اُسوقت
تک کبھی تخالف نہین ہو سکتا جبتک کہ ایک انسان کے دو انسان نہ بنجائین اور ایک وجود
کے دو وجود نہ ہو جائین۔

کبھی ایسی صورت بھی پیش آتی ہے کہ تمہاری عقل کسی کام مین نقصان کا ادراک
کرتی ہے لیکن تم اپنے دل سے مجبور ہو کر وہ کام کرتے ہو۔ اور بسا اوقات تمہین کسی کام
مین فایدہ کا یقین ہوتا ہے مگر اپنی دلی رکاوٹ سے عاجز آکر تم اُس کام کو نہین کرتے اس
حالت مین تم کہوگے کہ "یہ امر عقل اور وجدان کے تخالف پر دلالت کرتا ہے" مگر ہم
کہتے ہین کہ یہ حجت اس شخص کی طرف سے پیش کیجاتی ہے جو نہ اپنے نفس کو جانتا ہے
اور نہ غیر کو پہچانتا ہے تمکو لازم ہے کہ ذرا اپنے نفس کیطرف متوجہ ہو کر دو باتون کی تحقیق کرو
یا تو یہ بات ہوگی کہ تمہارا یقین در اصل خود تمہارا اصلی یقین نہین بلکہ وہ ایک صورت ہے
جو کسی دوسرے شخص کے کہنے سے تمہارے دل پر عارض (لاحق) ہوگئی ہے۔ اور تم اُسے

علم گمان کرتے ہو لیکن دراصل وہ علم نہین - اور یا یہ بات ہوگی کہ تمہارا وجدان ایک وہم ہی
جو تمہاری ذات مین بخوبی جم گیا ہے - یا ایک عادت ہے جس نے تمہاری رگ و پے مین جڑ
پکڑ لی ہے وہ ہرگز وجدان صحیح نہین البتہ وہ ایک عادت ہے جسے تم نے اپنے گردوپیش
کے لوگون اور حالات سے وراثتہً پایا ہے اور غلطی سے یہ گمان کر بیٹھے ہو کہ وہ ایک شعور ہے
جسکا منبع تمہاری فطرت ہے حالانکہ یہ کوئی بات نہین -+

نتیجہ | غرضکہ یہ ضروری اور ہونے والی بات ہے کہ دنیا مین انجام کار علم و دین کا بھائی
چارہ قائم ہو گا جو قرآن کریم اور ذکر حکیم کی سنت ہے - اور تمام دنیا کے انسان علم سے بہرہ ور
ہو کر اس حدیث صحیح کے معنون پر عمل کرین گے کہ "تفکروا فی خلق اللہ ولا تفکروا
فی ذات اللہ" یعنی خدا کی مخلوقات مین غور و فکر کرو مگر اوسکی ذات مین نہ کرو" پس جب
ایسا وقت آئیگا تو اگرچہ کفار اور ناشکرے انسان اس سے کتنے ہی جلین بھنین لیکن
خداوند کریم اپنے نور کو ضرور مکمل اور تمام فرمائیگا اور ناامید و مایوس جامد اشخاص بھی اسی کا
اتباع کرین گے - اس زمانہ کو دور نہ سمجھنا چاہیے بس اسکے لئے اتنی ہی مدت درکار ہی جسکی
ضرورت غافلین کو خواب غفلت سے جگانے - جاہلون کو تعلیم دینے - اور خرابیون کو سدھارنے
مین ہوتی ہے - اور یہ تدریجی رفتار سنت الٰہی کا اقتضا ہے "سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ
خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا" "إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا وَنَرَاهُ
قَرِيبًا" "إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ" وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ -

یورپ مین بحالت موجودہ علم کی حریت - اور اسلام کی ماضی حالت سے اسکی نسبت

اب ہمکو صرف رسالہ الجامعہ کے چوتھے اعتراض پر گفتگو کرنا باقی رہگیا ہے اور وہ
اعتراض یہہ تہا کہ - علم و فلسفہ نے یورپ مین مسیحی روک ٹوک پر غلبہ حاصل کر لیا - مگر وہ
اسلامی اضطہاد پر غالب نہین آسکتا ہے اور یہ بات ایک واقعی دلیل ہے جو واضح کرتی ہی
کہ مذہب نصرانیت فلسفہ کے ساتھ بہت زیادہ آسانی کرنیوالا تھا - میری نزدیک یہ بات

سخت مشکل ہی کہ ایڈیٹر الجامعہ سا فاضل شخص جو یورپین زبانون کا عالم اور اہل یورپ کی ان تحریرون پر بخوبی مطلع ہے جو انہون نے اس اہم تاریخی مسئلہ کے بارہ مین لکھی ہین باوجود اسکے کہ دونون آنکھون سے حقیقت کو دیکھ رہا ہے۔ پہر ایسی بے سروپا بات کہے البتہ یورپ کی موجودہ حالت کو بنظر پسندیدگی دیکھنے کی وجہ سے اسکے دل و دماغ پر کچھ ایسا اثر حاوی ہوگیا ہے کہ بے اختیار اسکے قلم سے ایسی باتین نکل گیئن۔ ع

از کوزہ ہمان برون تراود کہ درواست

سچ ہے کسی چیز کی محبت انسان کو اسکے عیوب کیطرف سے اندھا بنا دیتی ہے ہم کہتے ہین :۔ اگر زبردست کا ٹہینگا سر پہ ہوتے ہوئے دبکر کوئی بات مان لیجائے تو اسی درگزر اور احسان کہنا کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ مجبوری بری بلا ہے زبردست کے سامنے کوئی بس نہین چلتا۔ جناب بابا (پوپ روم) کا شاہ اٹلی کے ساتھ ایک شہر مین رہنا اور دو بہت بڑے پائے تختون کا ایک ہی مقام مین جمع ہوجانا کوئی ایسی بات تو ہے نہین جو راضی خوشی منظور کر لی گئی ہے یا مقدس پوپ نے ملک کے ساتھ اس طرح کوئی احسان کیا ہے!! انصاف کے معنے تو یہ ہین کہ اس حالت کو ملکی حکمران کی عنایت کہنا چاہئے کہ اس نے مقدس پوپ کے ہاتھ مین دینی اختیارات کی باگ رہنے دی ہے ورنہ جس طرح فوجی اور مالی طاقت شاہ اٹلی کے قبضہ مین ہونے سے اس نے پولیٹکل اور سیاسی امور اپنے قبضہ اقتدار مین لے رکھے ہین ویسے ہی مقدس پوپ کی برائے نام عزت و عظمت بھی وہ چھین سکتا تھا۔ آج یورپ مین دین و مذہب کی جو قابل رحم حالت ہو رہی ہے اسے دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ وہان مذہب کا وجود باقی رکھنا یا اسکا نام قایم رہنے دینا محض علم کی مہربانی اور درگزر کا نتیجہ ہی ورنہ جس طرح علم و فن کے غلبہ نے ملکی امور اور نظام تمدن کی باگین اپنے قابو مین کر لی تہین ممکن تھا کہ وہ مذہب کو بھی حالت موجودہ سے بڑہکر پامال کرتا اور بالکل ملیامیٹ کر دیتا [illegible]

یورپ کی مدنیت کا اسلام سے مقتبس ہونا اور اسکی پوری طرح ظہور کرسکنے کے اسباب

پہلا سبب انجمنین اور مجلسین ہین

یورپ مین علم و دین کے مابین نہائیت سخت جنگ ہوتی رہی۔ اور علم کی نصرت و اعانت کے لئے بہت سی انجمنین قایم ہوئین جنمین سے بعض خفیہ طور سے قایم کی گئین تاکہ قوت حاصل کر لینے کے بعد کھل کھیلین اور بعض انجمنین شروع ہی سے کھلم کھلا قایم ہوئین پہلے پہل دین کے اعوان و انصار کی کثرت یورپ مین علم و ہنر کو سر اٹھانے کا موقع نہ دے سکی یہان تک کہ سرزمین اندلس کے آسمان سے آداب محمدی کا آفتاب چمکا اور عربی علوم کا نور دنیا مین پھیلنا شروع ہوا۔ ان دونون روشنیون نے اہل دنیا کو اپنی روشنی سے منور بننے اور اپنی ترقی و مدنیت کے شاہ راہ پر چلنے کے لئے آمادہ پایا۔ یہ استعداد اور آمادگی کیونکر پیدا ہوئی تھی؟ اسلئے کہ یورپ یا مسیحی دنیا مین دینی پیشواؤن نے اپنی حکومت اور اپنے زور و قوت کا ایسا سکہ جما لیا تھا کہ انھون نے عقل اور وجدان کے لئے بھی انکی فطری حریت سے استفادہ کرسکنے کی راہین بند کردی تھین اور انکو اپنا غلام بنا رکھا تھا یہان تک کہ بمقتضائے فطرت یہ حالت ناقابل برداشت معلوم ہونے لگی اور انسانی شعور و احساس اس قید عبودیت سے نکلنے کا راستہ تلاش کرنے لگا۔ اسلامی علوم اور محمدی آداب کی روشنی دنیا مین چمک چکی تھی جسکو تمام انسانون نے مشعل راہ بنایا اور تمدن و تہذیب کی شاہ راہ پر چلنے کیلئے قدم بڑھایا۔ پھر تو مذہب مسیحی کے اصحاب حل و عقد کو جوش آجانا ایک لازمی امر تھا دینی پیشواؤن نے علم و ہنر کے شیدائیون کو زندہ آگ مین جلا دیئے۔ بے خانمان بنانے۔ اور حکومتون سے خونریز مقابلے کرنے پر کمر باندھی کسی کی آزادخیالی کی ذرا بھی بھنک اُنکے کانون مین پڑی اور وہ شخص شکنجہ عذاب مین کس دیا گیا۔ ادنی سے لیکر اعلی باتون تک ہر امر مین دین کے نام سے انواع اقسام کی خرابیان ڈالی گئین شہر پیرس کی سڑکون پر پتھرون سے چوکہ بندی کرنے کا انتظام کیا گیا اور اندلس کے شہر قرطبہ کی وضع پر یہان کی سڑکین بنائے جانے کی

بھی تجویز ہوئی - اور اسی طرح اس بات کی بھی ممانعت کی گئی کہ ایسے شارع عام پر سور روکنے
نہ پالے جائین بس اتنی سی بات پر سینٹ انطوان کے پادری بگڑ گئے اور انہون نے
کہنا شروع کر دیا کہ یہ امر ضروری ہے کہ سینٹ کے سور بدستور اگلی آزادی کے ساتھ سڑکون
پر ہوکر گذرین گے۔ ایک عجیب شور وغل مچگیا اور حکومت کو مجبورًا اپنا حکم واپس لیتے ہی
بنی - ورنہ شاہ "فلپ" کے گھوڑے سے گر کر مر جانے کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا تھا کہ سڑکون
پر گذرنے والے سورون کے گلون مین گھنٹیان نہ باندھی جایا کرین جنکی صدا سے اس
بادشاہ کا گھوڑا بھڑک اٹھا تھا اور وہ پشت زین سے گر کر مر گیا۔

دوسرا سبب دینی سخت گیری تھی

علم کی شدید حاجت اور اسکی اشاعت پر دینی
پیشواؤن کی روک ٹوک - ان دونون باتون نے طالب علمون کے دلون مین شوق و جوش
کی کچھ ایسی آگ بھڑکا دی تھی جو کسی طرح فرو نہین ہو سکی اور انہون نے مخفی اور نامعلوم طور پر
اندرونی کوششون سے علم و کمال حاصل کیا بہت سی اس طرح کی حقیقتین دریافت کرلین
جو عام لوگون کے لئے سودمند ہوئین اور عام انسانی عقلین ان حقایق کیطرف مائل ہونے
لگین - پھر تو فرقہ علما اور دینی پیشواؤن کی جماعت مین جنگ چھڑگئی - کبھی اسے فتح ہوتی
تو کبھی اُسے یہانتک کہ آخر کار دینی اصلاح کا مدعی فرقہ پروٹسٹنٹ ظاہر ہوا - اور حامیان
علم کا گروہ اس خیال سے انکا ساتھی بنگیا کہ غالبًا یہ لوگ علم و ہنر کی اشاعت مین ہمارے
ساتھ ہو کر کوشش کرینگے - ان علم دوست اصحاب مین سے ایک مشہور شخص "ایراسم"
نامی بھی تھا - مگر جب پروٹسٹنٹ لوگون کو کامیابی حاصل ہوئی اور انکی حکومت و سلطنت
کی بنیاد جم گئی تو انہون نے بھی ان لوگون پر عذاب موت نازل کیا جنکے خیالات ان کے
ظاہری عقیدہ سے کچھ بھی خلاف تھے اور اس حالت کو دیکھکر "ایراسم" اور اس کے
ساتھی جو حریت اور شخصی آزادی کے حامی تھے پروٹسٹنٹ کے جتھے سے پھر ٹوٹ گئے
اور ان کو آپس مین لڑنے بھڑنے کیلئے چھوڑ دیا - "ایراسم" نے کہا تھا میرا گمان بھی نہ تھا

کہ مدعی اصلاح جماعت بھی یون علم و ہنر کی جانی دشمن نکلے گی ''۔

پروٹسٹنٹ فرقے جو اصلاح کے متعلق مختلف عقاید رکھتے تھے محض اُس وقت تک باہم متفق رہے جبتک انکو اپنے عام دشمن رومن کیتھلک چرچ کے ہاتھون سے امن نہ ملگیا اور جب یہ بات حاصل ہو چکی تو پھر ان کے آپسمین ہی جوت چلنے لگا اور خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ ایک فاضل یوروپین مورخ بیان کرتا ہے: جس وقت پروٹسٹنٹ کا کوئی ایک فرقہ تخت حکومت پر جلوس کرتا تھا تو وہ باقی جماعتون کو فنا کرنے کی نیت سے اُن کی خونریزی کے جرم مین اپنے آپ کو مجرم بناتا تھا یہان تک کہ لوگ ان باتون سے تنگ آگئے اور ہمیشہ کی بلائین جھیلنے سے گھبرا اُٹھے۔ حوادث انتقام کے پے درپے جاری رہنے اور ہر ایک گروہ پر اُسکی مضرتین ظاہر ہونے سے آخر کار یہ بات قرار پائی کہ ہر ایک گروہ دوسرے گروہ کو اس قدر آزادی دے جو سب کے لئے ضروری ہے اور جس سے کوئی مستغنی نہین ہوسکتا۔ اسی اثنا مین علم و معارف کشف حقایق اور ترقی آداب کا کام کر رہے تھے اور لوگون کو ان کے ذریعہ سے اتنی سمجھ آچلی تھی کہ باہمی لڑائیان نہایت مضرت رسان ہین اور شخصی آزادی یا انفرادی خیالات پر جور و ستم کرنا سخت خرابی کا موجب ہے چاہے جس گروہ کا آدمی ہو اُسکی ذاتی رائے اور ذاتی عقیدہ سے کسی کو کچھہ بحث نہ ہونی چاہیے غرضکہ اسی خیال سے یہ عظیم الشان اصل اور قابل قدر قاعدہ نکلا کہ دو مخالف عقیدہ کے آدمی ایک ہی خاندان بلکہ ایک ہی گھر مین بلا تکلف زندگی بسر کرین اور علم و ہنر کے ساتھہ ہر طرح کی رعایت کیجائے۔ اس قاعدہ کا موجب وہ سنگدلی اور سختی تھی جو اس سے پہلے ہر ایک گروہ دوسرے گروہ کے ساتھہ عقاید کے بارہ مین برتتا تھا '' انتہی۔

تیسرا سبب بغاوت اور ہنگامہ تھے | فرانس کی بغاوت کے کارنامے اور راونسکا دین اور رہو سارو دین پر آفت توڑ نا بیان کرنے کی نسبت کوئی زیادہ حاجت نہین یہ ایک مشہور امر ہے ہان ناظرین کو ذہن لگائے بیانات کے بنظر تامل دیکھنے اور خاص یوروپین مورخون کی کتابون

پر غور کرنیکی طرف ضرور توجہ دلاؤنگا جو اُنپر تمام پوست کندہ حالات کا انکشاف کرینگے
اور اُنہین معلوم ہوجائیگا کہ مذہب عیسوی نے یوروپ مین علم کا تحمل کسی احسان اور
عنایت کی نظر سے نہین کیا بلکہ علمی جماعتون کی زبردستیان اُسپر غالب آئین اور مجبورًا
اُسے علم و آزادی کی اشاعت گوارا کرلینی پڑی جنکی ماتحتی مین وہ خدا جانے کس طرح
زندگی کے دن کاٹ رہا ہے۔*

چوتھا سبب ترک مسیحیت تھا دین مسیحی کے پیشوا بڑے صاحب ہمت اور عالی
حوصلہ لوگ ہین اُنکی جد و جہد اور اشاعت مذہب کی انتہک کوششین بے نظیر ہین۔
بہت کم کسی مذہب کے پیشوا ان خوبیون مین اُنکا مقابلہ کرسکینگے۔ بلکہ حق تو یہ ہے
کہ کوئی اونکی گرد کو بھی نہین پہنچ سکتا۔ وہ لوگ اپنے دین مین غلو اور سختی کرنے اور عام
طبیعتون پر اپنی حکومت قایم کرنے کے لئے برابر ہر ایک ممکن وسیلہ سے کام لیتے رہے
اور اب بھی لے رہے ہین۔ جدید علم و ہنر نے اُنکو اپنے ارادون سے باز نہین رکھا بلکہ
اُس نے اُنکے لئے اور بھی بہت سے نئے وسایل اور طریقے اشاعت مذہب کے نکال دیئے
ہین جنکی امداد سے وہ اپنے دین کو ہر ایک شبہ اور خرابی سے پاک و صاف۔ دنیا کے
لئے قابل قبول اور دل پسند بنانے کا کام کر رہے ہین۔ مگر باوجود ان سب باتون کے
ہم دیکھتے ہین کہ عالم اور متمدن اصحاب اور علم و مدنیت کے حامی دین کیطرف سے محض
بے پرواہ ہین اور اُسکو ذرا بھی منہہ نہین لگاتے مسیحی اقوام کے عام افراد اور سواد اعظم کو
دین کی طرف کچھہ بھی توجہ نہین اور اونہون نے اسکو بالکل ترک کر رکھا ہے۔ فرانسیسی
قوم جو کلیسہ کی اولاد سمجھی جاتی تھی آج اُسکی سخت دشمن ہورہی ہے اور فرانس کے
فیلسوفون نے مناسب سمجھا ہے کہ وہ اپنے تعلیمی اور معاشری معاملات مین دینی پیشواؤن
کو دست اندازی کرنے سے روک دین۔ دوسری طرف لاہوتی مدرسون کی آبادی اور اُنمین
ہزارہا طالب علمون کو دینی علوم کی تحصیل کرتے بھی دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ آخر دین

مسیحی کے مذہبی مقتداؤن کی ہمت کیا چیز ہے؟ بہت سی عیسائی حکومتین اطراف
عالم مین دین مسیحی کی حمایت اپنی سعادت سمجھتی ہین اور غالبًا کوئی عیسائی گورنمنٹ ایسی
نہ ہوگی جو خارجی دنیا مین اپنے مذہب کا حد سے بڑھکر پاس و لحاظ نہ کرتی ہو۔ سنہ ۱۹۰۱ء مین
فرانس کے کسی شہر مین ایک پروٹسٹنٹ فرقہ کے سرغنہ اور نامی شخص نے ایک لکچر دیا
تھا اور اُس نے دوران تقریر مین اس تمہید کے بعد کہ مسیحیت رومانی ہو یا پروٹسٹنٹی
دونون حالتون مین اپنا دینی خاصہ ہاتھ سے گنوا چکی ہے اور اسی طرح اپنا اجتماعی فایدہ
بھی ہاتھ سے دے بیٹھی ہے حسب ذیل فقرے نہایت قابل غور کہے تھے :- وہ
کہتا ہے :- "اگر دین عیسوی بجز محتاج اصلاح رومن کیتھلک۔ اور اصلاح شدہ پروٹسٹنٹ
فرقون کے کسی اور چیز کا نام نہین ہے تو یہ صدی جو مسیحی تاریخ کی بیس صدیان پوری
کرنے والی ہوگی کبھی مسیحی صدی نہ شمار کیجا سکے گی"

اس مقرر کے لکچر مین ایسی باتین سُنی گئی ہین جو صراحتًہ اُسکے اس ارادہ پر دلالت
کرتی ہین کہ وہ مسیحیت کے کوئی ایسے دوسرے معنی قرار دینا چاہتا ہے جو مسلمانون کے اس
دین کی نسبت کہنے والے اعتقادسے بالکل مطابق اور حرفًا حرفًا ٹھیک ہون۔ اور اگر یہہ
شخص اپنی کوشش مین کامیاب ہو گیا تو انشاء اللہ مسیحیت اور اسلام کا جھگڑا بالکل مٹ
جائیگا۔ اور مذہب عالم مین پوری طرح صلح و صفائی ہو جاے گی"۔

اسلام کی سماحت پر نظر ثانی اب ہم تہوڑی دیر کے لئے ناظرین کو پھر اسلام کے
گزشتہ زمانہ اور دور اول کی طرف لئے چلتے ہین۔ تاکہ وہ خلفاے بنو امیہ اور ائمہ بنی
عباس کے پُر رونق دربارون کی سیر کرین اور دیکھین کہ اونکی مجلسون مین اور اُن کے
وزرا کی محفلون مین۔ فقہا، متکلمین، محدثین۔ ائمہ اور مجتہدین کی نشست و حالت کس
انداز پر نظر آتی ہے؟ اور اُن کے گرد و پیش زباندان اور ادیب لوگون۔ مؤرخین۔ اطبا،
فلکی علما، ریاضی دانون۔ جغرافیہ دانون۔ اور علماے علم طبیعیات وغیرہ وغیرہ تمام ز دن

خیال اور اہل نظر اشخاص کسطرح حلقہ باندھے ہین۔ پہر اُن مین ہر شخص اپنے اپنے کام اور شغل مین مصروف رہنے سے فراغت پاکر ایک دوسرے کے ساتھ کس کشادہ دلی اور خوش اخلاقی کے ساتھ ملتا جلتا اور کیسی پُرلطف زندگی بسر کرتا ہے ایک فقیہہ متکلم سے ہاتھ ملاتا ہے۔ محدث طبیب سے باخلاق ملتا ہے۔ مجتہد فن ریاضی کے عالم سے ملنے چلا گیا ہے اور حکیم و فیلسوف مفسر و مؤرخ سے میل ملاپ رکھتا ہے۔ اور ہر ایک اپنے مدمقابل اور ساتھی کے علم و فضل کی سچی قدر کرتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی علمی مکان مین یا مجلس مذاکرہ مین داخل ہون تو ہر ایک فن کے علامہ اور امام باہم گفتگو اور بحث کرتے ہوئے نظر آئینگے بجز اختلاف رائے اور تخالف نظر کے اُن کے دلون مین کوئی کاوش یا ایک دوسرے سے عداوت نہین پائی جائے گی۔ کہین امام بخاری رح حافظ حدیث عمر بن حطان خارجی کے سامنے حدیث کا درس لے رہے ہون گے۔ اور کسی جگہہ عمرو بن عبید رئیس معتزلہ امام حسن بصری رح شیخ السنت اور ذی رتبہ تابعی کے حلقہ درس مین بیٹھا اُن کے خرمن علم سے خوشہ چینی کرتا نظر آئیگا۔ پہر جب لوگون نے اس سے امام حسن بصری رح کی بابت دریافت کیا ہوگا کہ وہ کیسے آدمی ہین تو عمرو بن عبید کہتا ہوگا "تمنے ایک ایسے شخص کے اوصاف دریافت کئے ہین جسکو ملائکہ نے ادب سکھایا ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے اُسکی تربیت کی ہے۔ وہ جس کام کو کرتا ہے پورا کرکے رہتا ہے اور جس بات کو سوچتا ہے ثابت کر دکھاتا ہے۔ اگر کسی بات کا عام لوگون کو حکم دیتا ہے تو سب سے بڑھکر خود اُسپر عمل کرتا ہے۔ اور لوگونکو کسی بات سے منع کرتا ہے تو پہلے خود اُسے ترک کر دیتا ہے۔ مین نے کسی کا ظاہر اُسکی باطن سے اس قدر مشابہ نہین دیکھا جیسا حسن بصری رح کا ظاہر و باطن یکسان ہے اور ایسے ہی اُنکا باطن اُن کے ظاہر سے ذرہ برابر خلاف نہین" یہ بھی کوئی بڑی بات نہین اور نظر اُٹھائی جائے تو امام ابوحنیفہ کوفی رح امام زید بن علی بانی فرقہ زیدیہ (شیعہ) کے سامنے زانوئے ادب تہ کئے ہوئے اصول عقاید اور فقہ کے درس مین مصروف پاتے

ہین - اوران لوگون مین ایک کو دوسرے سے بجز اسکے اور کوئی اختلاف نہین جو کہ متنازعہ فیہ مسئلہ مین اپنی اپنی رائے اور نظر سے کام لیتے ہین ورنہ یون وہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہین - غرضکہ اس صف کے مسلمانون مین گو ہر شخص کا طریقہ طلب ایک دوسرے سے الگ تہا لیکن غایت و منزل مقصود ایک ہی تہی یعنی علم - اوران مین سے ہر ایک کا صحیح عقیدہ یہ تھا کہ ایک ساعت کسی علمی یا دینی مسئلہ پر غور کرنا ساٹھ سال کی خالص عبادت سے بہتر ہے جیساکہ حدیث مین وارد ہوا ہے - اور گو اس حدیث کو ضعیف مانا جاتا ہے لیکن اسکی شہرت کی بُنیاد پر امام غزالی رح اسکی صحت کے قائل ہوگئے ہین -

خلفا دینی حیثیت سے امام اور مجتہد تہے اور دنیاوی حیثیت سے ملکی ومالی اور جنگی طاقت کی باگین بہی اُنہی کے قبضۂ قدرت مین تہین - فقہا - محدثین - متکلمین - اور ائمہ مجتہدین اور ایسے ہی دوسرے اہل علم دینداروں کے افسر و سرتاج اور خلفا کے ماتحت عہدہ دار تہے - دین کو اُس وقت پوری قوت حاصل تہی اور عقیدہ کی حکومت دلون پر نہائت استحکام سے مسلط تہی جسکے ساتھ ہی ہر خیال اور فن کے عالم اور لوگ انکے سایۂ عاطفت مین آرام و لطف کی زندگی بسر کر رہے تہے کسی کی ذاتی رائے اور فکر پر کوئی روک ٹوک نہ کیجاتی تہی اور اس بارہ مین مسلم و غیر مسلم مین بہی کوئی امتیاز نہ تہا غرضکہ ایک منصف اور خوش خیال شخص اس حالت کا اندازہ کرکے ان مسلمانون اور انصار دین کی نسبت اگر کچھ کہے گا تو یہی کہ درحقیقت علم کے ساتھ اگر تسامح تھا تو اُسی زمانہ اور اُنہی لوگون مین تہا - اور اسی وقت کے دین کا کرم و حلم قابل تعریف ہے - وہی ایک ایسی حالت تہی جو زمانہ کو علم و مدنیت کے دین سے متفق ہوکر زندگی بسر کرنے کا سبق دیتی ہے - اُنہی علما اور حکما سے حریت نظر اور آزادی خیال کا سبق ملتا ہے اور وہی لوگ عقل اور وجدان کے مابین صلح و آشتی کی روح پہونک دینے کا ثبوت دیگئے ہین - ممکن نہین کہ اُس مبارک زمانہ مین علم و دین کے مابین کوئی جنگ و جدل نظر آئے

ہان اہل علم اور دین پرست اصحاب کے باہم ایک قسم کا اختلاف رائے ضرور نظر آئیگا جو قید رسم و رواج اور بند تقلید سے آزاد ہونے والون کی شان ہے۔ اور ایسا ہونا ہی چاہئے مگر یہ بات کہ اُن کے آپس مین ایک دوسرے پر تکفیر کے فتوے صادر ہوتے رہے ہون یا زندیق و ملحد و مبتدع یا ایسے ہی دوسرے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہو اسکا ثبوت کبھی نہ ملیگا سوا کسی کو اُس وقت تک ذرا بھی اذیت نہ پہنچاتے تھے جبتک کہ وہ شخص نظام جماعت سے خارج اور امن عامہ مین خلل انداز نہ ہوتا کیونکہ ایسی حالت مین اُسکو عضو فاسد کی طرح جسم سے کاٹ ڈالنا ہی لازم ہوتا تھا۔ ورنہ خوف تہا کہ کہین اُسکا ضرر سارے جسم تک متعدی ہو جائے

علم کا لازمہ دین بننا اور مسلمانون مین تعصب کے مرض متعدی کی اشاعت۔

مسلمانون مین ایک دوسرے کو کافر و فاسق کہنے کا جوش کب سے شروع ہوا؟ اور زید کو بدعتی اور عمرو کو زندیق کہنے کا سلسلہ کب سے چلا؟ ہم آگے بیان کر آئے ہین کہ اس مرض کی ابتدا کیونکر اور کب ہوئی؟ اور اب پھر کہتے ہین جس وقت سے دین مین کمزوری کا ظہور شروع ہوا۔ اُن فتنون نے جو دشمنان و بدخواہان اسلام نے مشرق و مغرب مین اُسے کمزور و مضمحل بنانے کے لئے برپا کئے تھے۔ اہل بصیرت مسلمانون کو برباد کر ڈالا جن لوگون کے دلون مین ذرہ برابر بھی اسلام کی روح نہ تھی وہ اپنی رائے سے دینی امور پر گفتگو کرنے لگے۔ اور مسلمان یہ گمان کرنے لگے کہ جن نئی باتون کے کرنے سے دین کی شان و شکوہ مین افزائش ہو اُسکا کرنا بُرا نہین بلکہ اچھا ہے چنانچہ اس بارہ مین اُنہون نے اپنے گرد و پیش کی مسیحی یا دوسری بت پرست قومون کی رسمون پر عمل کیا۔ گزشتہ زمانہ کے صاف و سادہ مذہب اور اقوال سلف صالحین رضی اللہ عنہم کو دلون سے بھلا کر موجودہ زمانہ کے ناقابل علما (نہین بلکہ بنے ہوئے عالم اور جعلی دینداردن) کے کہنے پر چلنے لگے مسلمانون کے حکمران جاہل ہوئے۔ اُنکے دینی پیشوائون کی صف مین گمراہ اور باطل پرست لوگون نے دخل پایا اور اُن کو راہ راست سے الگ کھینچ لے گئے بس اُسی وقت سے دین مین غلو

بڑھتا گیا۔ اور آپس میں عداوتوں کی آگ خوب بھڑکتی رہی۔ دین کی طرف سے عام لاعلمی نے یہ ایک آسان بات سب کو بتا دی تھی کہ ذرا ذرا سی بات پر ایک دوسرے کو بے دینی یا حدود دین سے خارج کرنے کا الزام دیا کریں۔ اور پس جس قدر وہ دین سے جاہل ہوتے گئے اُتنے ہی اُس میں غلو کے قصے اور باطل (بدعتیں) پوشیدہ ہو گئے۔ جو علم فکر و دینی قطعی تھے جو خاص دین اسلام کے لوازم تھے مکروہ (باتوں) میں داخل ہو گئے۔ اور جو امور دین کے لحاظ سے واجب تھے وہ مکروہ اور ناجائز قرار پا گئے۔

مسلمانوں نے زندقہ۔ تزندق۔ متزندق۔ اور زندیق کے نام کہاں سے سیکھے؟ اگر کوئی شخص کہے کہ یہ بھی اُن کے پڑوسیوں (عیسائیوں) کا احسان ہے جو ہرتقہ، تہرتق اور ہرتوقی۔ کہا کرتے تھے اور انہیں الفاظ کو سُنکر مسلمانوں نے بھی زندیق کا نام وضع کر لیا۔ اور ایسے ہی بہت سے نام سیکھ لیئے۔ ایک دوسرے کو جلدی سے کافر کہہ دینے کی متعدی بیماری بھی انہی سخت پسند قوموں سے مسلمانوں میں آئی جو اُن کے قرب و جوار میں رہتی تھیں۔ اور یہ متعدی مرض مسلمانوں میں اتنی جلد اس لیئے پھیل گیا کہ وہ اپنے اصول دین سے جاہل ہونے کے باعث کمزور ہو گئے تھے اور قاعدہ ہے کہ کمزوری میں ہر ایک علت بہت جلد اثر پذیر ہوتی ہے۔

جس زمانہ میں مسلمان اپنے دین کے عالم تھے اُن دنوں وہ عالم کائنات کے علما اور تمام دنیا کے امام تھے۔ پھر اُنہیں خود اپنے مذہب سے جاہل ہونے کا مرض لاحق ہوا تو دنیا میں سب سے گری ہوئی اور ذلیل و خوار قوم بن گئے۔ سوال ہوتا ہے کہ آیا مسلمانوں نے اُسی شخص کی تکفیر پر قناعت کی جس نے دینی مسائل میں اُن کے ساتھ مخالفت کی ہو یا فلاسفر کے مذہب پر چلا ہو؟ ہم کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ اُن کی جہالت کا جوش اسقدر بڑھ گیا کہ خاص اپنے دینی اماموں اور کتاب و سنت کے سچے خادموں کو بھی انہوں نے اس لقب و القاب سے بے بہرہ نہیں چھوڑا۔ امام غزالی رح کی تصانیف اندلس کے

مشہور شہر غرناطہ تک پہنچیں اور ایک مدت تک مسلمان اُن سے نفع اُٹھاتے رہے آخر جب اس شہر کے لوگوں میں جہالت کا جوش بڑھ گیا تو بڑی بڑی اقوام کے برائے نام علما نے اس نامور امام اور حجت الاسلام کو فاسق و گمراہ قرار دیا۔ اور اُسکی تمام تصانیف خاصکر احیاء علوم الدین کے نسخوں کو جمع کر کے شہر غرناطہ کے شارع عام میں انکو آگ لگا دی۔ بہت سے لوگ جو اپنے آپ کو مسلمان شمار کرتے ہیں۔ "ابن تیمیہ" جیسے غیور عالم اور خادم سنت کو گمراہ اور گمراہ کرنے والا کہنے سے نہیں چوکے۔ پھر ان کے بعد جو لوگ ان کے مقلد و پیرو ہوئے اُنہوں نے تو سب و شتم کو اپنا ذریعہ اظہار علم بنا لیا اور تا قیام قیامت اپنے بڑے رہنماؤں کے ذمے بار گناہ کو بڑھانے کا ٹھیکہ لے لیا۔

آثار سلف کی طرف سے بے توجہی

مسلمانوں نے اپنے دینی علوم کا دیکھنا اور پڑھنا اور سلف صالحین رضی اللہ عنہم کے اقوال کی جستجو چھوڑ دی اور یہاں تک ان باتوں سے بے التفاتی برتی کہ آج اُن کے ہاتھوں میں ابی الحسن اشعری رحربانی فرقہ "اشعریہ"۔ ابی منصور ماتریدی سرگروہ فرقہ ماتریدیہ۔ ابی بکر الباقلانی۔ اور ابی اسحٰق السفرائنی وغیرہ نامور علمائے سلف کی کوئی کتاب کسی اسلامی کتب خانہ میں باوجود سخت تلاش کے بھی ملنی مشکل ہے اور انکا کوئی صحیح نسخہ کہیں سے ہاتھ آنا دشوار۔ تیسری صدی ہجری میں اور اُسکے بعد چھٹی صدی ہجری تک قرآن کریم کی بہت سی تفسیریں لکھی گئیں منجملہ اُن کے تفسیر طبری۔ تفسیر ابی مسلم اصفہانی۔ تفسیر قرطبی۔ تفسیر جصاص۔ تفسیر غزالی۔ اور تفسیر ابی بکر ابن العربی وغیرہ وغیرہ اعلیٰ درجہ کی معرکۃ الآرا تفسیریں ہیں جن میں ان ائمہ کے اقوال و رائیں اور استنباط حکم و احکام کی ایسی وجہیں مندرج ہیں جن سے علم دین کے طالب کو بے پروائی کرنا ہرگز زیبا نہیں اور نہ بغیر اُن اقوال کے معلوم کئے ہوئے کام چل سکتا ہے مگر کیا کوئی بڑی سخت سے سخت کوشش کر کے تلاش کرنے والا ان کتابوں میں سے کسی کا ایک بھی ایسا صحیح نسخہ دنیا کے سامنے نکال کر پیش کر سکتا ہے جو قابل وثوق ہو؟ ہاں ممکن ہے کہ

اتفاقاً کسی کے ہاتھ ایسا نسخہ لگ جائے جو اُسکی اعلیٰ درجہ کی خوش قسمتی ہو۔ کیا کوئی
ایسی قوم جسکو دنیا کے بہترین دین کا پابند ہونیکا دعویٰ ہے۔ اور جو سلف صالح رکھتی ہے
اسکو یہ بات زیبا ہے کہ اپنے سلف کے آثار یوں بے التفاتی سے تلف ہونے دے
اور اُن کی دماغی محنتوں اور قلمی مسودوں کا ذخیرہ مٹی میں ملتے ہوئے دیکھتی رہے۔ مگر
دم نہ مارے ؟ کیا مسیحی لاہوتیوں اور علمائے لاہوت نے کسی زمانہ میں بھی اپنے سلف کے
کارناموں سے اتنی بے توجہی کی ہے ؟ غالباً کبھی نہیں۔

دینی علوم اور اُنکے طالب

اسلام کے دینی علوم کے طلبگاروں کی حالت اکثر بلادِ اسلام میں ناگفتہ بہ ہوگئی
ہے۔ وہ علم کلام کی چند مختصر کتابوں سے زیادہ نہیں پڑھتے اور وہ بھی متاخرین کی لکھی
ہوئی کتابیں پھر تیز طبیعت سے تیز طبیعت طالب العلم محض اُن کتابوں کی عبارتیں سمجھ لینی ہی
پر اکتفا کرتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ اُنکے دلائل میں بحث و تحقیق کرنا سیکھے اُن کے مقدمات
کی تصحیح کرے اور اُن میں سے صحیح کو باطل سے جُدا کرے بس جس طرح کتاب اللہ اور
حدیث نبوی کو بلا قیل و قال پڑھا اور سمجھ لینا چاہیئے اسی طرح علم کلام اور دیگر علوم عقلیہ کا
بھی حال بنا رکھا ہے چنانچہ اگر کوئی شخص اُن سے علم کلام کے کسی مشکل قضیہ میں اُلجھ
پڑے اور وہ اُسکی تصحیح سے عاجز آجائیں تو فوراً گفتگو کو یہ کہکر ختم کر دیں گے کہ متکلمین
نے ایسا ہی لکھا ہے۔ چاہے وہ قول متفق علیہ بھی نہو اور بعض وقت تو وہ صرف اُسی
صاحب کتاب کا قول ہوتا ہے جو اس کتاب کا مصنف ہو جسے ہمارے ماننے والے
طالب علم نے پڑھ لیا ہے بسا اوقات اس کتاب کا مصنف ایک شخص ہوتا ہے جو سلف
صالحین میں سے اگر کسی نے دیکھا ہوتا تو اسے اپنا شاگرد بنانا بھی پسند کیا ہوتا۔

ممالک شام حجاز ٹیونس اور الجزائر میں دینی علوم کی طرف سے لوگوں نے تقریباً
بالکل توجہ ہٹالی ہے۔ اور ممالک مغرب اقصیٰ میں اسکی کمی اور بھی حد سے بڑھ گئی ہے۔ اگر

دراظہور دینی علوم کی تحصیل یا اُسکی تعلیم کا شوق ہے تو اُن مسلمانوں میں جو افریقہ کے
صحراؤں میں سکونت رکھتے اور تمدن دنیا سے کنارہ کش ہیں تعلیم دین کی کمی کیوں ہے؟
اس وجہ سے کہ ایک تو طریقہ تعلیم نہایت دشوار رکھا گیا ہے جس میں عمر کا کارآمد اور بڑا
حصہ ضائع جاتا ہے اور لوگوں کو پیٹ کی فکر متقدم ہوتی ہے اسلئے وہ ایک ایسی کام میں جس سے
اُنکی کسب معاش کا کوئی سامان نہیں ہو سکتا مفت عمر گنوانے سے گھبراتے ہیں۔ اور
دوسری وجہ یہ ہے کہ اکثر باپ اپنی اولاد کو جدید مغربی علوم اور طرز تعلیم کے راستہ پر چلانا
پسند کرتے ہیں۔ خواہ اُن کو خاص یورپ کے مدارس میں بھیجکر تعلیم دلائیں یا اپنے ہی ممالک
میں یوروپین وضع و نظام کے مدارس میں داخل کریں جن مدارس میں دینی تعلیم یا مذہبیت
کا کوئی نام تک نہیں۔ یا تقلید اور جمود کی وجہ سے پیدا شدہ فتور اور پست ہمتی نے لوگوں
کو دینی علوم کیطرف سے غافل بنا رکھا ہے۔ ان اسباب سے جہانتک دیکھا جاتا ہے عام مسلمانونکو
دین کی طرف سے جاہل محض پایا جائیگا۔ بدعتوں نے اُنپر ایسا تسلط جما لیا ہے کہ وہ اپنے
سلف کے طرز عمل سے بالکل جدا ہو گئے اور اُن کے آثار کی پیروی چھوڑ بیٹھے۔ اب اگر
کوئی اس قدر جرأت بھی کرے کہ جمہور اعظم مسلمانان کے روبرو کسی سلف کے طریقہ کو پیش
کرے یا اُن کے احکام پر چلنے کی ہدایت کرنا چاہے تو وہ خود تیر ملامت کا نشانہ بنیگا اور
بدعتی مخرب دین۔ اور لامذہب کہلائیگا غرضکہ اس قسم کے مسلمان جو بکثرت بلکہ بیشتر ہیں
اپنے دین حق سے بیزار اور اُسکے دشمن ہو رہے ہیں اور جو لوگ اصلی خادم دین ہیں اُن کو
بُرا جانتے ہیں اب صرف چند ایسے لوگ جو نہ سلف کی خصوصیت سے قابل اعتماد ہیں اور نہ تقلید
سکے لحاظ سے لائق [illegible] عام مسلمانوں [illegible] اور اگر ایسے لوگوں کے
[illegible] علم یا اہل علم کو [illegible] محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
دین القرآن دین السنۃ اور خلفائے راشدین یا اُن کے پیرو سلف صالحین کے دین
کی طرف سے تصور کرنا سخت غلطی ہوگی۔ ✣

علم ہمیشہ اسلام کا تابع اور اُسکے سوا دیگر ادیان و ملل کا مخالف رہا

میں سچ کہتا ہوں اور تجربہ و مشاہدہ میری موید ہیں کہ نہ مسلمانوں نے کبھی علم سے عداوت کی اور نہ علم نے اُن کے ساتھ دشمنی کی۔ مگر جس دن سے مسلمانوں نے اپنے دین کی طرف سے منھہ پھیرا اور اُسکے علم سے بیزار ہوئے اُسی دن سے وہ اس آفت میں مبتلا ہو گئے ہیں جس جس قدر وہ علم دین سے دور ہٹتے گئے اُتنا ہی دنیاوی علم بھی اُنکے پاس سے کھسکتا چلا گیا اور وہ عقل کے فوائد سے محروم ہو گئے۔ ورنہ جس زمانہ میں اُنکو اپنے دینی علوم کی طرف پوری توجہ تھی جس قدر اُسکو زیادہ حاصل کرتے اور اُس میں وسعت نظر پیدا کرتے اسی انداز سے علوم کائنات میں بھی وسیع النظر بنتے جاتے تھے اور زمانہ میں عزت و دولت خاص اُنہیں کا حق رہگئی تھی۔ اور غیر مسلم قوموں کی یہ حالت رہی کہ جس قدر وہ اپنے دین سے نزدیک ہوتی تھیں علم اُن سے دور بھاگتا تھا اور جتنی اپنے دین سے الگ ہٹتی تھیں علم و کمال اُنکے پاس آجاتا۔ اسی لئے وہ صراحتاً کہنے لگیں کہ علم عقل کا ثمرہ ہے اور عقل کا دین میں کوئی دخل نہیں۔ کیونکہ دین وجدانات قلب سے تعلق رکھتا ہے اور جو چیز دل میں سما جائے اُسکو عقل کی کسی چیز سے کوئی واسطہ نہیں۔ غرضکہ انہوں نے اس طرح عقل اور دین کے مابین ایک بہت دور دراز فاصلہ اور سخت جدائی ڈال رکھی ہے جن دونوں کا ایک جا جمع ہونا ممکن ہی نہیں۔ سبحان اللہ! پھر وہی لوگ ہیں کہ اپنے مذہب کو محب علم و ہنر بتاتے بلکہ اسکا نہایت زور شور سے دعوے کرتے ہیں۔ ایک طرف تو یہ باتیں اور دوسری جانب پکار پکار کر یہ کہتے ہیں کہ دین علم کا دشمن ہے اور ان دونوں کی آپسمیں صلح ہونی محال ہے؟ ✣

کیا تمکو مسلمانوں کے علم و ہنر کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آنیکا سبب معلوم ہے؟ میں بدسلوکی کہتا ہوں مگر اس سے وہ سختی اور ظلم و ستم مراد نہیں جو مسیحیت نے اپنے پیروؤں کو ہلاک و غارت کرنے اور طرح طرح کی سزاؤں سے اُنکی جان لینے۔ ہلاکت انسان کے لئے انواع و اقسام کے آلات آزار ہی ایجاد کرنے اور محض شک و شبہ پر یا صرف تہمت واقع ہونے پر

جان سے ہلاک کر ڈالنے میں استعمال کیے گئے تھے۔ کیونکہ مسلمانوں میں یہ بات کبھی نہیں ہوئی نہ ان کے علم و روشن خیالی کے زمانہ میں ایسی صورت دکھائی دیتی ہے اور نہ جہل و تاریکی کے دَور میں اسکی کوئی مثال مل سکتی ہے لیکن بدسلوکی سے میری مراد یہ ہے کہ علم کی طرف سے بے توجہی کی گئی۔ اہل علم اور طلاب علوم کو بُرا سمجھکر اُنکی شان میں حقارت آمیز کلمات زبان پر لائے گئے اور اُن کی صحبت سے احتراز کیا گیا۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ سب باتیں مسلمانوں کے اپنے دین کی طرف سے بیخبری کا نتیجہ تھیں اسلئیے جو دوا اس مرض کا شافی علاج بن سکتی ہے وہ یہی ہے کہ مسلمان پھر اپنے دین کی طرف واپس آئیں اور اُس کے اسرار و نکات معلوم کرنے کی بصیرت حاصل کریں اور اُسکی دعوت کی حقیقت کو سمجھیں مسلمانوں کا دین اُن کے اور علم کے مابین تعارف کا واسطہ تھا۔ اسلئیے جب یہ واسطہ جاتا رہا تو دلوں میں خرابی پیدا ہوگئی اور اُنس و محبت وحشت و نفرت سے بدل گئی۔

اسلام کی دعوت دینے والے

اب سوال ہو سکتا ہے کہ آیا مسلمانوں میں علم کے حقیقی دعوت دینے والے یا ایسے مشنری پیدا ہوئے جو اصل دین کے پوری طرح جاننے والے تھے؟ پھر بھی مسلمانوں کے دلوں میں اُنکی کوئی جگہہ نہ ہوئی اور انہوں نے اپنے سچے رہنماؤں کی پیروی نہیں کی؟ یا جسطرح ایسے دعوت دینے والے تاریخ مسیحی کی سولھویں صدی کے وسط میں تمام ممالک یورپ میں بکثرت پھیل گئے تھے اور انہی کی کوشش و جانکاہی سے سترہویں صدی کے اوائل اور اسکے مابعد زمانہ میں علم کی قوت ظاہر ہوئی۔ ایسے ہی مسلمانوں میں بھی کچھہ دعوت دینے والے ظاہر ہوکر اُنکے ممالک میں پھیلے تھے یا نہیں؟ اسکا جواب یہ ہوگا کہ نہیں۔ البتہ متفرق زمانوں میں اس طرح کے سچے اہل علم اور دیندار اشخاص پیدا ہوتے رہے جو دین و علم کے صحیح اصول پر عمل کرتے اور لوگوں کو خالص دین کی دعوت دیتے تھے۔ گو ایسے لوگ ہر ایک ہجری صدی میں چار پانچ

سے زائد نہیں نکلے تاہم جہاں اُن کی باتیں مسلمانوں میں شائع ہوتیں لوگ جوق در جوق پرانی رسموں کو چھوڑ کر ان کے نقش قدم پہ چلنے اور اُنکی باتیں ماننے کے لئے آمادہ ہو جاتے تھے۔ مگر جب سیاست (نعوذ باللہ من السیاستہ) کو اسبات کا پتہ ملتا تھا کہ اُن حق پرست اشخاص کی ہدائتیں آخر کار کیا رنگ لائیں گی تو وہ فوراً انہیں کچل ڈالتی اور لوگوں کے دلوں میں اُن کی لگائی ہوئی پود۔ بارور نہ ہونے پاتی۔ لیکن کیا کوئی لائق اور منصف مزاج شخص ملکی حکمرانوں کے ہاتھوں اہل علم پر ایسے صدمات آنیکا نام دینی حمایت کے لئے علم کے ساتھ بدسلوکی کر نار کھیگا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ تو ایسے صدمات ہیں جو خود دین کی بنیادیں متزلزل کر دیتے ہیں۔ الضاف پسند اہل نظر ان کو دین کیطرف کبھی منسوب نہیں کر سکتے +

مقلد اُس شخص سے ہر حال میں گھٹکر رہتا ہے جسکی وہ تقلید کرے

ممکن ہے کہ کوئی شخص اس مقام پر یہ اعتراض بھی کر بیٹھے کہ :- اگر مسلمانوں نے جمود اور کورانہ تقلید۔ علم سے نفرت۔ اور دنیا و آخرت میں باہمی عداوت ہونے کا اعتقاد یا عقل و دین کے آپس میں دشمنی ہونیکا خیال اور اسکے علاوہ تمام باتیں جو اُن میں اب موجود ہیں سابقہ قوموں سے ہی بطور وراثت حاصل کی ہیں اور خاصکر اُن ملتوں سے جو اُنکے زمانہ ظہور سے بہت قریب گزری اور دنیاوی زندگی میں اُنکی ساتھی رہی تھیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ انہوں نے مسیحی لوگوں سے اپنے دین کی اشاعت پر سخت حریص ہونے اور اُسکے علوم میں وسعت پیدا کرنے پر دلدادہ ہونے کا سبق نہیں لیا۔ اور کیوں انہوں نے بھی عیسائیوں کی طرح اپنی قوم کے دو حصے نہیں کر ڈالے تاکہ ایک حصہ گوشہ نشینی اور عبادت گزینی اور مذہبی حفاظت کا کام کرتا ہے۔ اور دوسرا حصہ دنیاوی کاروبار کے ذریعے سے کسب معاش کر کے اپنے اور اُن دینی خادموں دونوں کے لئے بسر اوقات اور روزی کا سامان کرے نیز فوجی قوت اور مالی طاقت بہم پہنچا کر اپنے اور اپنے ساتھی دینداروں کے خارجی دشمنوں سے بچانے کا انتظام کرے؟ کیا سبب ہے کہ مسلمان آج اس تدریجی حالت اور کمزوری میں مبتلا ہیں کہ

نہ اپنے دینی علوم کی اُنھیں خبر رہی اور کسب معاش وحصول دولت کے راستوں سے بھی الگ جا پڑے ہے۔ نہ اُنکے پاس مال ومتاع ہے۔ اور نہ ملک وسلطنت ہے بس مسلمان ہیں اور قسمت کا ڈھکڑا۔ رات دن یہی رٹتے رہتے ہیں کہ جو کچھ مقدر میں لکھا ہے وہ آپ ہی ہو رہیگا ہماری کوشش بے سود ہیں ہے مگر دوسری جہت سے دیکھئے تو سب سے زیادہ زندگی کے شائق اور دنیاوی حشمت وعزت کے طالب مسلمان ہی نظر آئینگے۔ غرضکہ مسلمانوں کی بیشتر تعداد نہ دین کے کام کی ہے اور نہ دنیا کے مفید مطلب۔ پھر آخر یہ تناقض کیوں اور کہاں سے آیا؟ ہم کہتے ہیں:۔ شاید معترض اس بات کو بھولا ہوا ہے کہ مقلد ہمیشہ اُس شخص سے گری ہوی حالت وحیثیت میں ہوتا ہے جسکی اس نے پیروی کی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مقلد شخص مقلَّد کے اعمال وافعال کی ظاہری حالت پر نظر ڈالتا ہے اُسے اُن امور کے باطنی اسرار یا اُنکے بنیادی اصول بالکل نہیں معلوم ہوتے۔ اسلئے جو کچھ وہ کرتا ہے بے ڈھنگے طور پر اور بے قاعدہ کرتا ہے اور یہی وجہ ہے جسنے مسلمانوں کو اپنے مقلَّدون سے بھی بڑھکر گری ہوئی حالت میں مبتلا کیا۔ خصوصاً اس لحاظ سے کہ انہوں نے تقلید کے غلط مبحث میں پڑکر اپنے دین میں ایسی باتوں کا اضافہ کرلیا جو کسی طرح اُسکے ساتھ [illegible] نہیں رکھتی تھیں جسکی وجہ سے اُنکی مثال اُس مخبوط کی سی ہوگئی جو کہ قوتوں کی کشمکش میں پھنس کر آخر کار ناکامی کی تھکن لاحق ہونیسے یا آرام لینے کے لئے لیٹ رہے اور خیال کرے کہ جب یہ تھکن دور ہوجائے گی تو دوبارہ اُٹھکر سمجھ بوجھ کے ساتھ درست طور پر کام کریگا۔ اور یا اُسی کوفت وتھکن میں پڑا ہوا مرجائے۔

جس زمانہ میں مسلمان فی الواقع عالم اور دانا تھے اُسوقت اُنکی دو آنکھیں تھیں۔ ایک آنکھ سے وہ دنیا کی طرف دیکھتے تھے۔ اور دوسری آنکھ آخرت کے امور پر لگی رہتی تھی مگر جب اُنہوں نے تقلید کے تنگ دائرہ میں قدم رکھا اور اس جال میں پھنسے تو ایک آنکھ جو دنیاوی معاملات کی نگران تھی بالکل بند کرلی۔ اور دوسری آنکھ جس سے اُخروی خوبیوں پر نظر کی جاتی تھی غیر موزون اور اوپری چیزوں کے خس وخاشاک سے بھرلی۔ اس لئے وہ دونوں مطلب کھو بیٹھے نہ دنیا کے رہے اور نہ دین کے۔ اور اب تا وقتیکہ وہ مندی ہوئی پہلی آنکھ پھر نہ کھولیں اور میل کچیل سے اَٹی ہوئی دوسری آنکھ دوبارہ صاف نہ کریں اُسوقت تک کبھی [illegible]

کر سکیں - +

اصلاح اور مصلاح کرنیوالے

ممکن ہے کہ کوئی صاحب یہ بھی کہہ بیٹھیں کہ:- تم مسلمانوں میں علم اور دین کی اشاعت و اصلاح کی چیخ پکار مچانے والوں کی کمی بیان کرتے ہو اور ہم اندنوں ہر ایک اسلامی ملک میں اس قسم کی آوازیں بلند ہوتے سُنتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگانے والوں کا ایک جم غفیر ہر جگہہ پیدا ہو گیا ہے جن میں سے ہر شخص کے لبوں پر دین - قوم - اسلام - مسلمان - قرآن - سنت - اسلام کی قدیم عظمت - اسلامی سلف صالح - تعلم و تعلیم اور کتب قدیمہ و کتب جدیدہ - یا ایسی ہی باتیں ہر طرف سنائی پڑتی ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ حصول علم کیطرف بلانے والے اور اصول دین اسلامی پر عمل کرنیکی تحریک کرنے والے دنیا میں بافراط موجود ہیں - مگر باوجود اسکے ہم یہی دیکھتے ہیں کہ بیشتر مسلمان اُن خیر خواہوں کے اقوال پر کان نہیں دھرتے اور اُنکی ہدایتوں پر عمل کرنیسے دور بھاگتے ہیں ؟ ہم اس معترض کو یہ جواب دیسکتے ہیں کہ:- اُن مدعیان اصلاح میں سے سچے مصلح تلاش کیئے اور چھانٹے جائیں تو شاید اُنکی تعداد ایک ہاتھ کی انگلیوں پر بھی نہ گنی جاسکے ورنہ زیادہ شمار ایسے لوگوں کا ہوگا - جو فی الواقع سخت خود غرض اور عام مسلمانوں کو دہوکا دینے والے ہیں - اُنکی غرض یہ ہوتی ہے کہ ایسے کلمات کو کسب معاش اور تجارت کا ذریعہ بنائیں اور اس طرح اپنی روٹیاں کمائیں - اسکی دلیل یہ ہے کہ بظاہر تو وہ اپنی زبان سے اس طرح کے الفاظ کہتے ہیں لیکن فے الحقیقت خود انکے معانی اور مدلولات سے کوئی سبق نہیں لیتے - اور ان پر اس غلط سے غور نہیں کرتے کہ انکی حقیقت کیا ہے - باتیں بنانے میں آفت اور [illegible] ہیں لیکن عملی میدان میں سب سے پیچھے خود ہی نظر آئینگے - اب رہے وہ لوگ جو سچے اور مخلص ہیں اُنکی تعداد گو کم ہے تاہم اُنکی باتیں سمع قبول سے سُنی جاتی ہیں اور اُنکی ہدایتوں پر کاربند ہونے کو لوگ اپنی سعادت سمجھتے ہیں - خاصکر دینی معاملات اور دین کو دنیا کے ساتھ جمع کرکے سعادت دارین حاصل کرنے میں وہ ایسے ہادیوں کی بات ماننے میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے اگرچہ ابھی بعض مقامات ہی کے مسلمانوں میں یہ حالت نظر آئے گی لیکن بات یہ ہے کہ ایسی اصلاح کی تکمیل کے لئے جو ایکدم سے چلکر تھوڑی سی دیر میں دنیا کو مشرقی گوشہ سے مغربی گوشہ تک ایک ساتھ پھیل جائے انہیں ایک زمانہ تک انتظار کرنا چاہیئے -

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر مسلمانوں میں معلومانِ قوم کی کثرت گزشتہ یورپ
والوں کی نسبت کیوں کم نظر آتی ہے جسکی وجہ سے وہ ظالم اور سخت گیر حکام کو مغلوب کرکے انکی
جگہہ عادل اور خداترس ملکی مدبروں کو مقرر کرنے میں قاصر رہے ہیں اور علم و ہنر کی کچھ بھی اشاعت نکرسکے
اور کیا سبب ہے کہ مسلمانوں میں اہل بصیرت کی تعداد کم ہے جسکے ساتھ ہی وہ آزادی سے اپنے خیالات
کا اظہار کرتے ہوئے ڈرتے بھی ہیں۔ نیز اُن میں علم و ہنر کو عملی طور پر اشاعت دینے والوں کی کمی
ہے۔ کیا ان باتوں سے اسلام پر مواخذہ نہیں ہو سکتا اور یہ امور اُسکی خرابی کی دلیل نہیں ہیں؟
اسکے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ:- بیشک مسلمانوں کی حالت اُن کے مقلد لوگوں سے اچھی
نہیں ہو سکتی۔ بلکہ قاعدہ کی بات تو یہ ہے کہ وہ بہت گری ہوئی اور ابتر ہونی چاہئے۔ مسیحیت
ایک ہزار سال سے زائد زمانہ تک تاریکی اور جہالت کے دور میں پڑی رہی اسکے بعد کہیں اسمیں
علم و ہنر شخصی آزادی علمی تحریک اور عملی حرکت کا ظہور ہونے لگا اور جن باتوں میں انسانی جمعیت
کی بہبودی ہو انکا چرچا پھیلا۔ مگر کس طرح؟ اس طرح کہ تین چار صدیوں تک مصلح اور بہی خواہ لوگوں نے
خواب غفلت کے ماتے افراد قوم کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اُٹھانے کی سعی کی اور متواتر صدمات کی ضرب سے
اُن کے ہوش ٹھکانے آئے۔ لیکن مسلمانوں پر اُس دن سے جبکہ اُن میں ایسی بدعتیں داخل
ہوئیں آجتک آٹھ صدیوں سے زاید زمانہ نہیں گزرا ہے اسلئے ابھی وہ مدت جو اس طرح کی حالت
کی عمر ہوتی ہے پوری نہیں ہوئی اور وہ وقت نہیں آیا جبکہ اس زندگی کا خاتمہ ہونا ضروری ہوتا ہے
اور میرا خیال ہے کہ انشاءاللہ مسلمانوں پر ایسی مدت گزرنے کے قبل ہی وہ دین و دنیا کی بہبودی
سے اتنا حصہ حاصل کرلیں گے جسکے وہ اہل ہیں۔

عیسوی اور اسلامی تعصب کا فرق

بہر حال انصاف و عدل کے مذہب میں یہ بات کبھی
جائز نہ ہوگی کہ دینی تعصب میں غلو رکھنے کا ذکر کرتے ہوئے جمہور مسلمانوں کو عام عیسائی اقوام کے
پہلو بہ پہلو کھڑا کرنے سے گریز کیا جائے۔ اور یہ کہنا تو سخت ظلم ہوگا کہ مسلمانوں کو تعصب میں افراط
کا مرتبہ حاصل ہوا کیونکہ تاریخی اور ظاہری شواہد ہمیں بتاتے ہیں کہ مسلمانوں کا تعصب اگر لفظوں
اور کلموں کی حد تک محدود رہے تو جمہور عیسائیوں کا تعصب عملی جامہ پہن کر غلبہ کر گیا۔ اگر کوئی شخص
حقیقت و اصلیت کا طالب ہے تو اسکو لازم ہے کہ مشرقی ملکوں میں حکومت ہالینڈ کی ماتحت آبادیوں

جنوب میں مملکت ٹرنسوال اور بلاد شمال میں آج سے بیس سال قبل روسی قلمرو کے شہروں اور پھر مغرب میں بلاد الجزائر یا اُسکے قرب وجوار کے مقاموں کی حالت پر ایک نظر ڈالکر دیکھیے کہ وہاں غیر مسیحی رعایا کے ساتھ کیسا سخت برتاؤ ہوتا ہے اور اُنکی کتنی مٹی پلید کیجاتی ہے۔ غالباً اوسکو عیسائی لوگوں کے تعصب کا ایسا منظر دکھائی دیگا جو تہذیب وتمدن۔ اور انسانیت واخلاق کے لحاظ سے سخت بدنما اور قابل نفرت ہو۔

فرانس کے اہل قلم اور مضمون نگاروں کے مضامین پڑھکر اس بات کا پتہ لگتا ہے کہ اُن کو مسلمانوں کے بارہ میں سخت حیرت ہے کہ اُنکے ساتھ کیسا برتاؤ کریں۔ انکا دل تو یہ چاہتا ہے کہ جو اسلامی ممالک اُن کے قبضہ میں ہیں وہاں امن واطمینان قایم رہے مگر اُنکی گورنمنٹ نے اُن ملکی جمہوری پر حکمرانی کا جو قاعدہ مقرر کیا ہے اُسکا جزو اعظم ہے سخت گیری۔ اور خاصکر مسلمانوں پر ہر طرح مصیبتیں نازل کرنا۔ اب یہ اہل قلم چاہتے ہیں کہ کسی طرح مذکورہ بالا قانون میں بھی خلل نہ آئے اور اسلامی بلاد میں امن واطمینان بھی قائم ہے مگر خداوند کریم کو یہ بات منظور نہیں کیونکہ ضدین کا یکجا جمع ہونا تمام فلاسفہ یورپ کے نزدیک بھی محال عقلی ہے اور محال کا ممکن ہونا معلوم۔

مسلمانوں کے معاملہ میں مسیو مانولو کی آخری رائے۔

مسیو مانولو فرانس کے مشہور پولیٹکل انشاپرداز نے برسوں ایک ایسے طریقہ کی بحث پر خامہ فرسائی کی جس سے حکومت فرانس کے تابع اور زیر اثر اسلامی بلاد پر عمدہ طور سے حکمرانی کیجا سکے اور مسلمانوں کے ساتھ ایک مناسب برتاؤ کیا جائے۔ چنانچہ اُسکی رایوں کا خلاصہ پہلے اخبارات میں شائع ہوتا رہا ہے اور تمام اخبار بین دنیا اس سے واقف ہے۔ پھر وسط میں تین سال تک یہ زبردست مضمون نگار بالکل خاموش رہا کیونکہ اُس نے اپنی تحریروں اور رایوں سے اسلامی دنیا کی عام ناراضی دیکھکر چند روز کے لئے قلم روک لیا تھا۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں بمقام قاہرہ (مصر) ماہ مارچ میں جو انجمن جغرافیائی تحقیقات کے لئے جمع ہوئی تھی اُسکے جلسہ میں پھر اس فاضل انشاپرداز نے ایک تقریر کی جسمیں ہمارے موضوع بحث کے متعلق اُس نے افریقہ کے بابت چند کلمے کہنے پر کفایت کی تھی جنکا ماحصل یہ ہے کہ "افریقہ میں جو نئے قواعد واجب العمل ہیں اُن کو قدیم دستور واصول سے بالکل

جدا گانہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ اُس زمانہ میں حکومت نوآبادیات کے لئے جو حکمت عملی قرار دی گئی تھی اب زمانہ اُسکے لئے موزون نہیں رہا۔" (یعنی اس وقت جبکہ مقرر تقریر کرنے کو کھڑا ہوا ہے) اسکے بعد مقرر نے جدید قواعد کی تشریح کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ امن اور صلح جوئی کی پالیسی پر مبنی ہونے چاہئیں چنانچہ کہتا ہے "اسمیں شک نہیں کہ ہمکو جس طرح اہل افریقہ کے ساتھ دینی تساہل کرنے کے پابند رہنا چاہئے اسی طرح ہمیں اُن کے ساتھ عدل اور صلح جوئی کی حکمت عملی بھی برتنا لازم ہے۔ میں اُس عظیم الشان موضوع کی طرف محض ایک خفیف اشارہ کرنا چاہتا ہوں جسکو انسانی طبیعت کے جوش میں لانے کی پوری قوت حاصل ہے۔ یوں تو عام ممالک افریقہ میں اور خاصکر اُس کے شمالی حصہ میں یورپین تہذیب و تمدن کا ایک قوی حریف وہ قدیم اور شاندار مذہب ہے جسکو دین اسلام کہتے ہیں اور جو شمالی افریقہ کے اطراف میں بہ نسبت دوسرے مقامات روئے زمین کے بہت تازہ دم اور مستحکم ہے۔ یہ دین انسانوں کو ایک خدا کی طرف بلاتا ہے۔ اور ایمان بالتوحید کو تمام خوبیوں کا مصدر قرار دیتا ہے خواہ وہ فضائل ذاتی اور شخصی ہوں یا اجتماعی اور معاشری۔ یہ دین ایک ایماندار شخص کو اس طرح اپنے قابو میں کر لیتا ہے کہ وہ کسی صورت میں اُسکے جال سے نکل نہیں سکتا۔ اسلئے ہم پر فرض ہے کہ اس معاملہ میں تساہل سے کام لیں اور نہ صرف تساہل سے کوئی کام چل سکتا ہے بلکہ ہمپر یہ بھی واجب ہے کہ اس دین پر پوری طرح غور کی نظر ڈالیں اور اسکے سمجھنے کی انتہائی کوشش کریں ہمکو لازم ہے کہ اسلام زبردست اصول "لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" کو اپنا دلیل راہ بنائیں۔ اور اسکے حکم سے کبھی سرتابی نہ کریں۔ اور ہمیں دین اسلام کا احترام کرنا اور اسکو ہر برائی و اہانت سے بچانا چاہئے۔ اس مقام پر اگر میں امیر عبد القادر الجزائری کا ایک فقرہ نقل کر دوں تو کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔ اور وہ قابل قدر فقرہ یہ ہے "یہودیت عیسویت اور اسلام ان تینوں دینوں کے پیرو ایسے ہیں جیسے ایک باپ کے صلب اور تین ماؤں کے شکم سے تین بہنیں"+

قبل اسکے کہ میں مسیو مانوٹو کی تقریر پر کوئی رائے زنی کروں ناظرین سے دریافت کرتا ہوں کہ آیا انہوں نے امیر عبد القادر جیسے صحیح النسب سید اولاد رسولؐ۔ عالی مرتبہ امیر۔ سچے دیندار اور راسخ العقیدہ مسلمان شخص کے مثل یا اُن سے کسی قدر گھٹے ہوئے درجہ ہی کے غیر مسلم شخص کی

زبان سے ایسے کلمات سُنتے ہیں؟ جواب یہ ہوگا کہ ہرگز نہیں۔ اب اس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ آیا مسلمان ہی متعصب ہیں یا عیسائی قوموں کا مرتبہ اس صفت میں ان سے بھی بالاتر ہے؟"

مسیو ہانوٹو اپنی رائے میں اپنے ہم قوموں کو مسلمانوں پر حکمرانی کرنے میں ایک نیا رستہ دکھانا چاہتے ہیں۔ اور وہ نئی سبیل کیا ہے؟ یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ صلح جوئی، امن اور تساہل برتا جائے۔ انکو مسلمان رہنے دیا جائے۔ اُن کے حقوق کی عزت و نگہداشت کیجائے۔ اور اُن کے دینی معاملات میں ذرا بھی مداخلت نہ کیجائے۔ خیر سے مسیو ہانوٹو اس امر کو ایک ایسی نئی ایج اور زیجاد بندہ بھی تصور کرتے ہیں جسکی نظیر زمانہ سابق میں پائی نہیں گئی۔ پھر یا وجود اسکے قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ آیا فرانسیسی حکومت انکی بات مان بھی لیگی؟ مجھے تو ہرگز امید نہیں پڑتی کہ کسی وقت میں بھی ایسا ہوسکے۔ بہرحال اب میں دریافت کرتا ہوں کہ کیا ایک منصف مزاج شخص کو یہ بات سزاوار ہے کہ جبتک یورپ و دنیا پر اس درجہ کا تعصب نظر آتا ہے اُس وقت تک وہ تعصب کا نام لیتے ہوئے مسلمانوں ہی کو اسکا مکمل نمونہ بنا کر پیش کرے؟" +

انگریزوں کی مسامحت آمیز حکمت عملی

ہاں ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ یورپین قوموں میں ایک قوم ایسی بھی ہے جو یہ جانتی ہے کہ اپنے مذہب کے مخالف مذہب رکھنے والوں پر حکومت کرنے کا کیا طریقہ ہے اور کس طرح اُنپر فرمانروائی کرنی مناسب ہے۔ اُس قوم کو بخوبی علم ہے کہ اُن غیر عیسائی اقوام کے عقائد اور رسم و رواج کی کس طرح حفاظت و عزت کرنی چاہئے جو اُسکی مطیع رعایا ہیں۔ یہ قوم انگلش قوم ہے۔ اور یہی وہ یکتا یورپین مسیحی قوم ہے جو تسامح اور نرمی کے ساتھ حکومت کرنیکی قدر شناسی میں فرد ہے۔ اور اگر ہم یہ کہیں تو یقیناً صحیح ہوگا کہ انگلش قوم میں ایسی صفت پیدا ہونیکی بنا دیہ بات ہوئی کہ اس قوم کے امرا اور سپہ سالار صلیبی لڑائیوں کے دوران میں تمام دیگر صلیبی مجاہدین کی نسبت مسلمانوں کے سلطان اور اُسکے سپہ سالاروں سے بہت زیادہ تعلقات اور میل جول رکھتے تھے۔ اس تاریک زمانہ میں انگریزوں کو امتیازی خصوصیت کے ساتھ اسلامی عقائد اور مسلمانوں کی عادتیں معلوم کرنے کا اتفاق ہوا۔ اور وہ اس معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ اپنے ممالک میں لیگئے تھے

چونکہ وہ ایک اُٹھنے والی قوم تھی اسلیئے تعصب کا پردہ اُنکی آنکھوں سے نور حق کی چمک نہیں چھپا سکا اور اسکا اثر بہت سے انگریز اہل قلم میں دوسری یوروپین قوموں کے مصنفین و مؤلفین سے بہت بیشتر ظہور پذیر ہوا۔ والٹر اسکاٹ سیل۔ اور اسی طرح کے دوسرے نامور انگریز علما دیگر علمائے یورپ کی نسبت بہت پہلے معاملات اسلام پر خامہ فرسائی کر چکے ہیں۔ غرضکہ ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ یہ شریف خصلت یعنی ہر مذہب کے پیرووں کو اپنے دینی فرائض کے ادا کرنے میں پوری آزادی دینا اور اُن کے عادات و اخلاق عقائد و عبادات کو عزت کی نگاہ سے دیکھنا۔ اُن عادات اور خوبیوں میں سب سے بڑھکر ہے جو غیر مسلم قوموں نے مسلمانوں سے بطور وراثت حاصل کی ہیں ہمارے خیال میں کوئی شخص اس بات کا انکار نہیں کرسکتا کہ اس بارہ میں انگریزوں کا اُستاد وہی اسلام ہے جو بدعتوں اور خرابیوں سے پاک و صاف تھا۔ اور اس مبارک عادت کی تعلیم انہوں نے اُسی اسلام سے حاصل کی ہے۔ اسکا ثبوت یہ ہے کہ انگلش نظام حکومت بالکل اُس اسلامی نظام حکومت سے مشابہ ہے جو مسلمانوں کے فی الواقع مسلمان ہونیکے زمانہ میں پایا جاتا تھا۔ انگریز حکام تمام رعایا سے صرف پابندی قوانین، قیام امن۔ اور ادائے خراج و محصولات مثل ٹیکس کی خواہش رکھتے ہیں جسکے بعد وہ مناسب وقت حکمت عملی کو ملحوظ رکھکر تمام ملک میں امن و انصاف کا سلسلہ قائم کرتے ہیں اور ایک دین کو دوسرے مذہب سے کوئی خاص امتیاز نہیں دیتے۔ اسلام صدر اول میں مسلمانوں کی بھی یہی حالت تھی بلکہ وہ موجودہ انگلش طرز حکومت سے بھی بڑھکر مہربانی اور احسان کے قاعدہ پر مبنی پائی گئی۔

خاتمہ

بحث بہت طول کھینچ گئی اور غالباً ناظرین اس سے گھبرا کر یہ کہنے لگے ہونگے کہ آخر بات کی کوئی حد بھی ہوگی۔ یا یونہی شیطان کی آنت بڑھتی چلی جائے گی فضول طول کلام سے لوگوں کی طبیعتیں اکتا جاتی ہیں اور اُن کو سننے یا سمجھنے کا لطف نہیں آتا مگر میں نے یہ طوالت سمجھدار اور معرفت کے خواہاں اشخاص کے لئے کی ہے جو میرے خیال میں اس سے بھی زیادہ تفصیل و تشریح کے خواہشمند ہونگے۔ اور اس بیان کو جو میں نے اب تک کیا ہے موضوع بحث کی اہمیت کے

مقابلہ میں ناکافی تصور کرینگے۔ اگر کم فہم اور تنگ نظر ناظرین کے دل اس سے گھبرا اٹھیں تو یہ خود ان کے قصورِ ہمت اور پست دماغی کا نتیجہ ہے۔ بہرحال اب میں اس سلسلہ گفتگو کو بند کئے دیتا ہوں اور ان امراض کا مسئلہ جو اسلام کو لاحق ہوئے یا جن بدعتوں اور نئی لغویات نے اُسپر بُرا اثر دکھایا جنکی وجہ سے مسلمانوں کو بہت سی علتیں چمٹ گئیں انکا بیان کسی دوسرے مضمون کے لئے اُٹھائے رکھتا ہوں۔

میں نے اس مضمون میں کسی خاص شخص کی حالت پر زبان طعنہ نہیں کھولی ہے اور نہ کسی مخصوص گروہ کو مورد لعن قرار دیا ہے۔ الفاظ بُرے اور گندے نہیں لکھے۔ طرز بیان میں ادب اور حسن عبارت کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ غرضکہ کوئی کلمہ اس پورے رسالہ میں ایسا نہیں مل سکتا جس سے کسی خاص فرد پر عیب لگانے کی بو آتی ہو۔ دراصل یہ خیالات پہلے ہمارے دل میں رہے۔ اور پھر قلم کے ذریعہ سے صفحہ کاغذ پر بھی آئے تو اس سے ہماری خواہش یہی رہی کہ صرف اپنے افراد ملت یا خاص احباب تک اسکا فائدہ پہنچے۔ غیروں کو اسکا مخاطب بنانا ہماری غرض نہ تھی مگر جب کوئی شخص اغیار میں سے خواہ مخواہ اسکا طالب ہے تو ہمکو اُسکی مدارات کرنے میں تامل کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی۔ جو باتیں ہمارے دل و دماغ میں موجود تھیں اُسکو بھی سنادیں۔ اور انشاء اللہ آیندہ بھی جبکی خواہش ہوگی اس سے بڑھکر باتیں سُنیگا۔

ل مقصد یہ ہے کہ نہ ایڈیٹر رسالہ الجامعہ چھیڑ نکالتے اور نہ ایسی باتیں اُنکو یا عیسائیوں کو مخاطب کرکے لکھی جاتیں۔ ابتدا جنکی طرف سے ہو تو مدافعت اور جواب دینا لازمی امر ہے۔ (مترجم)

تمام شد

روز بازار
مطبع
امرتسر

جنرل لائبریری ایجنسی

مقابلہ میں ناکافی تصور کرینگے۔ اگر کم فہم اور تنگ نظر ناظرین کے دل اس سے گھبرا اٹھیں تو یہ
خود ان کے قصور ہمت اور پست دماغی کا نتیجہ ہے۔ بہرحال اب میں اس سلسلہ گفتگو کو یہاں
بند کئے دیتا ہوں اور ان امراض کا مسئلہ جو اسلام کو لاحق ہوئے یا جن بدعتوں اور نئی لغویات نے
اسپر برا اثر دکھایا جنکی وجہ سے مسلمانوں کو بہت سی علتیں چمٹ گئیں انکا بیان کسی دوسرے
مضمون کے لئے اٹھائے رکھتا ہوں۔

میں نے اس مضمون میں کسی خاص شخص کی حالت پر زبان طعنہ نہیں کھولی ہے اور نہ کسی
مخصوص گروہ کو مورد لعن قرار دیا ہے۔ الفاظ برے اور گندے نہیں لکھے۔ طرز بیان میں ادب
اور حسن عبارت کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ غرضکہ کوئی کلمہ اس پورے رسالہ میں ایسا نہیں مل سکتا۔
جس سے کسی خاص فرد پر عیب لگانے کی بو آتی ہو۔ دراصل یہ خیالات پہلے ہمارے دل
میں ہے۔ اور پھر قلم کے ذریعے سے صفحہ کاغذ پر بھی آئے تو اس سے ہماری خواہش یہی رہی کہ صرف
اپنے افراد ملت یا خاص احباب تک اسکا فائدہ پہنچے۔ غیروں کو اسکا مخاطب بنانا ہماری غرض
نہ تھی مگر جب کوئی شخص اغیار میں سے خواہ مخواہ اسکا طالب ہے تو ہمکو اسکی مدارات کرنے میں
تامل کرنے کی کیا وجہ ہوسکتی تھی۔ جو باتیں ہمارے دل و دماغ میں موجود تھیں اسکو بھی سنا دی گئیں
اور انشاء اللہ آیندہ بھی جنکی خواہش ہوگی اس سے بڑھکر باتیں سنیگا۔

لہ مقصد یہ ہے کہ نہ ایڈیٹر رسالہ الجامعہ چھیڑ نکالتے اور نہ ایسی باتیں انکو یا عیسائیوں کو مخاطب کرکے لکھی جاتیں۔ ابتدا مخالف
کی طرف سے ہو تو مدافعت اور جواب دینا لازمی امر ہے۔ (مترجم)۔

تمام شد

مطبوعہ رفاہ عام
روز بازار
امرتسر
جنرل لائبریری ایجنسی